شیرِ بیشۂ اہلِ سنت

حضرت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

عطاء المصطفی حشمتی

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم۔

شیرِ بیشۂ اہلِ سنت

حضرت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی

ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

محمدی بکڈپو

Sher Beshai Ahle Sunnat
Hazrat Maulana
Hashmat Ali Pili Bhiti
ek Tehqiqi Muta'la

ISBN 818943781-7
9788189437817

نام کتاب:

شیر بیشۂ اہل سنت
حضرت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی
ایک تحقیقی مطالعہ

تصنیف:

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

محمدی بکڈپو
۵۲۳۔ وحید کتب مارکیٹ مٹیا محل جامع مسجد دہلی
MOHAMMADI
BOOK DEPOT
523/4, Ground Floor, Street Matia Mahal, jama Masjid Delhi - 110006
Ph.: 011-23253473/23264355
E-mail:- mohammadibookdepot@gmail.com

Distributed By
Attari Store (Basni Nagoar)
Arshi Kitab Ghar (Haidarabad)
Salman Book Depot (Sambhal)
Imdadia Book Depot (Hazari Bagh)
Kutub khana Qadiriya (Rajori Kashmir)
Siddique Book Depot (Lucknow)

انتساب

اپنے مرشد کے نام

جن کے فیض نسبت نے مجھے

مشاہدۂ حق کا

حقیقی شعور بخشا ——— اور

دین کی عزّت وحشمت

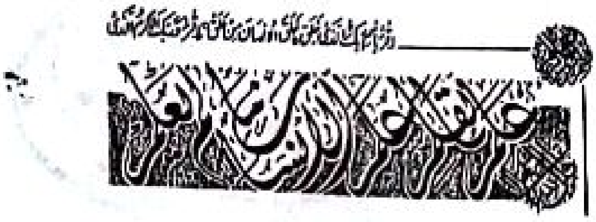
اور ——— رضائے الٰہی کا عرفان عطا کیا

ان کی نسبت ہی میری پونجی ہے

کچھ نہیں ہو کے بھی میں سب کچھ ہوں

کفش بردار

غلام یحییٰ انجم



"حشمت علی میرا روحانی بیٹا ہے
آج سے میں ان کا
پانچ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں"

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

"اللہ تعالیٰ نے مجھے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں
ایک مولانا سردار احمد صاحب
اور ایک مولانا حشمت علی خان صاحب"

حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ
سو ڈیڑھ سو مولوی بھی باہم مل کر وہ کام نہیں کر سکتے
جو اللہ و رسول کے فضل و کرم سے اکیلے مولانا حشمت علی کر لیں گے۔"

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

شیر بیشۂ سنت کا پیغام

پکا سنی بن کے رہنا یہی پیغام ہمارا ہے
دینِ مصطفیٰ پہ چلنا یہ عمل تمہارا ہے

مسلمانانِ اہلسنت کے نام

اعتراف

جانشین مشاہد ملت حضرت مولانا قاری الحاج محمد زرتاب رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی حشمتی دام ظلھم النورانی

اوران کے برادر عزیز

خلفِ اصغر حضور مشاہد ملت حضرت مولانا محمد برہان رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی حشمتی عمّت فیوضھم المبارکہ جو

آستانہ عالیہ، حشمتیہ، مشاھدیہ، حشمت نگر، پیلی بھیت

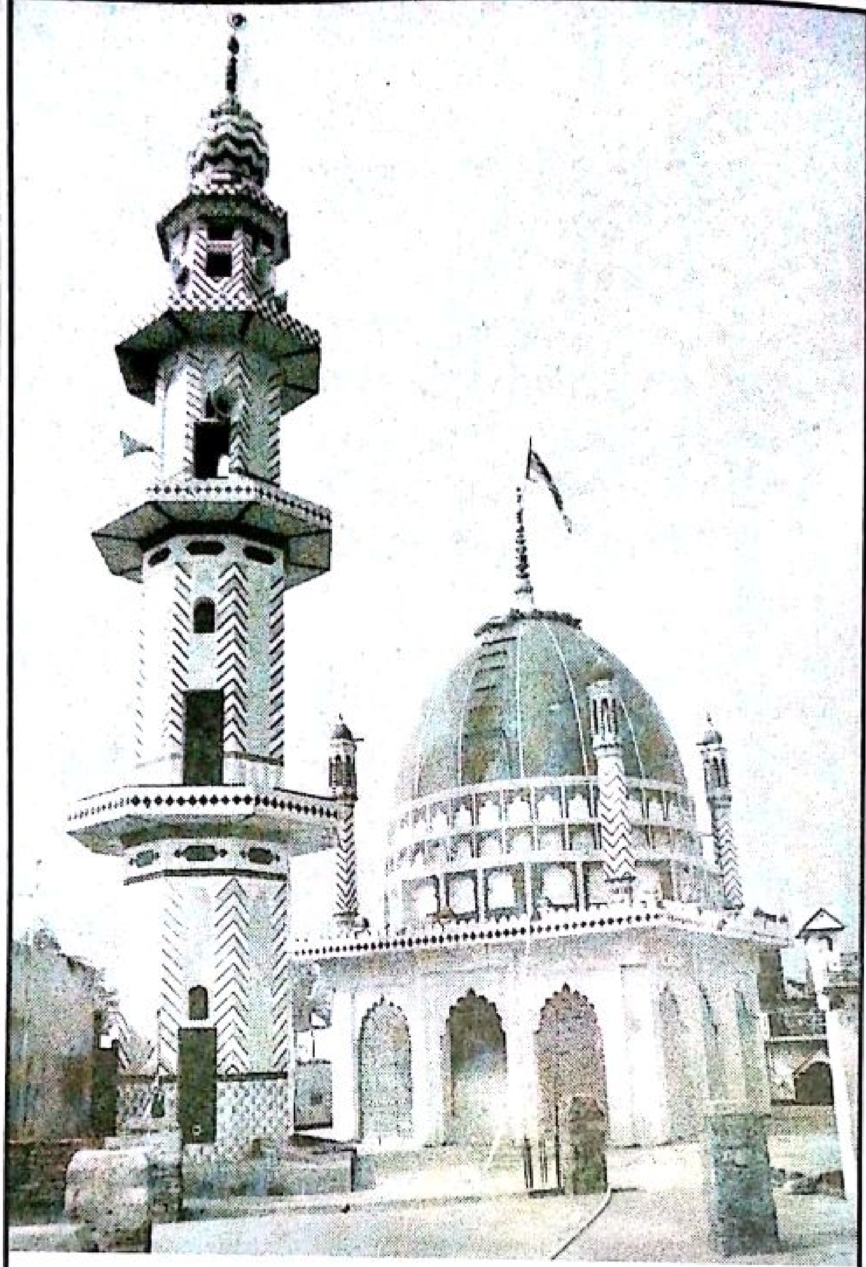
جامعہ اہل سنت ،حشمت الرضا، حشمت نگر ، پیلی بھیت

جامعہ اہل سنت ،مشاھد العلوم، حشمت نگر، پیلی بھیت

کے پلیٹ فارم سے اپنے آباء واجداد کے دینی، تبلیغی، تعلیمی اور روحانی مشن کی نشر واشاعت میں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان دونوں شاہزادگان کا سایۂ عاطفت صحت وسلامتی کے ساتھ جملہ مریدین ومتوسلین پر درازتر فرمائے۔آمین

ان فقیروں کے یہاں شوق سے آ ؤ جاؤ
دل کا دروازہ ہمیشہ ہی کھلا پاؤ گے

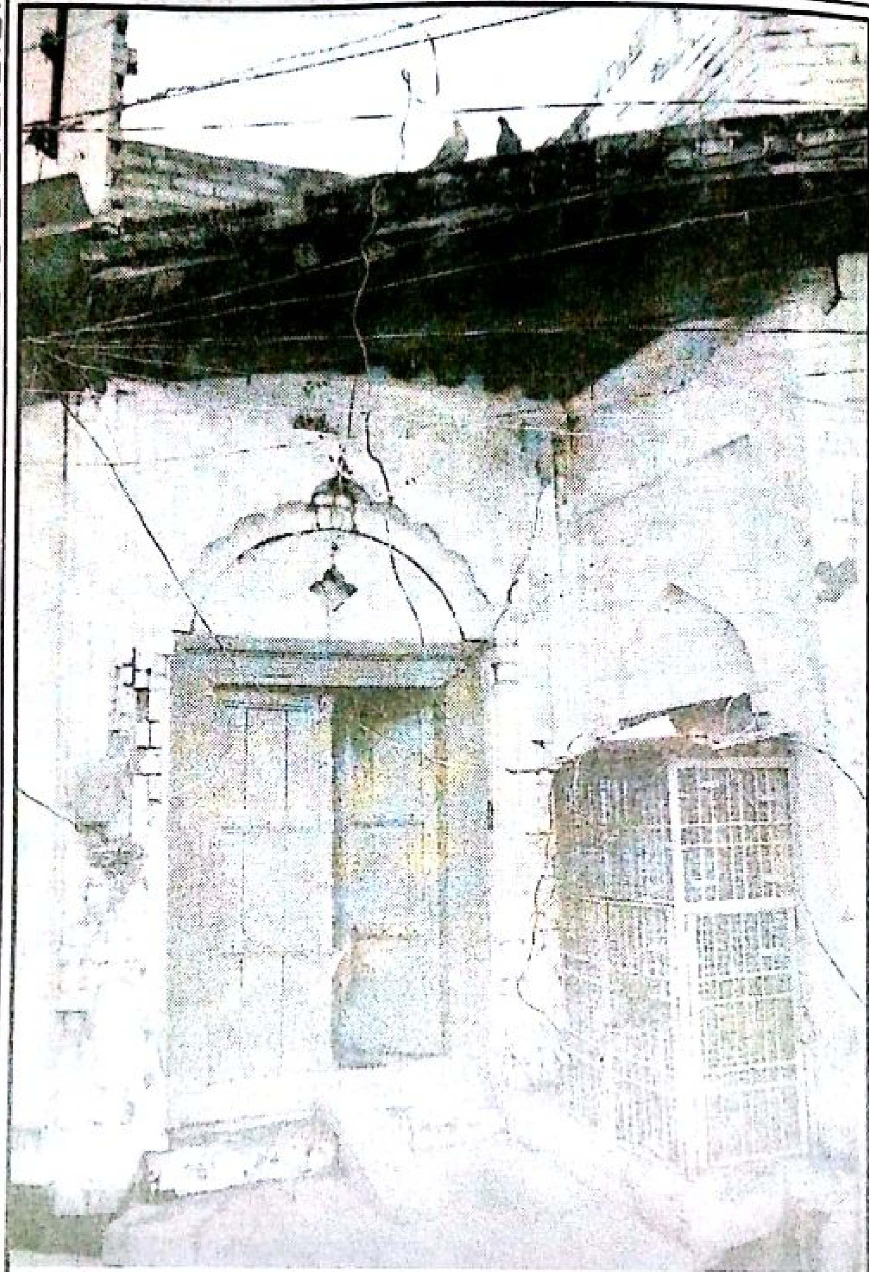
غلام یحییٰ انجم



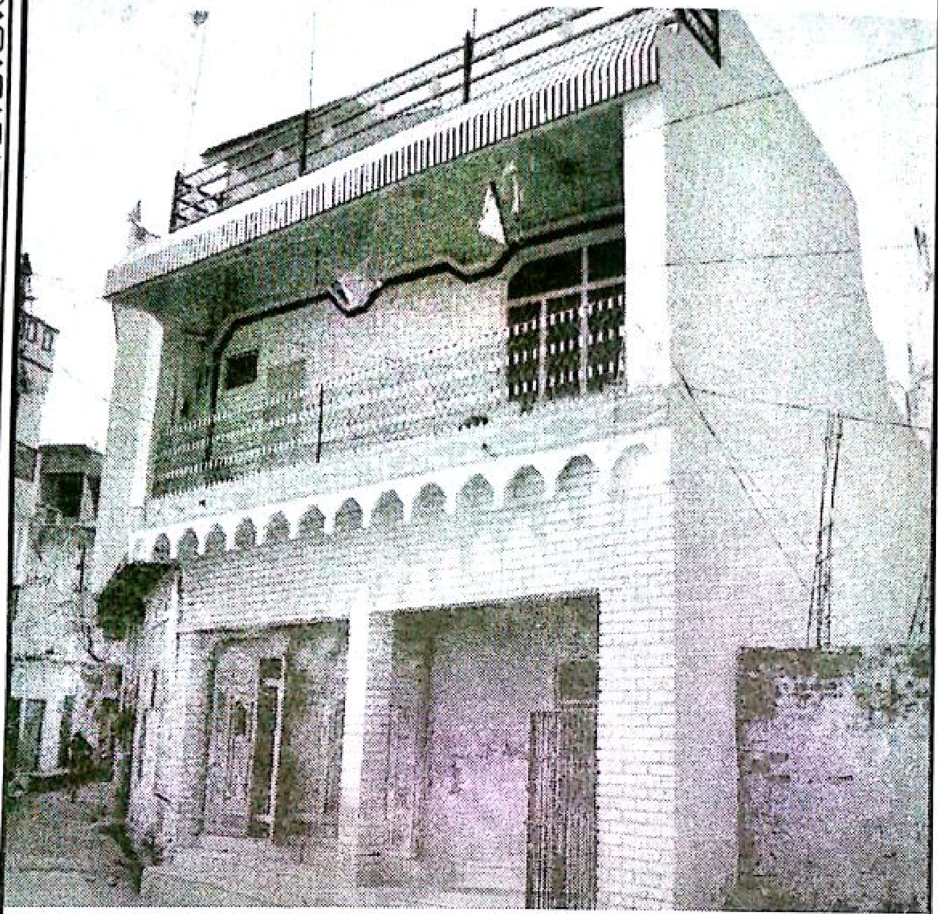
مزار اقدس حضور شیر بیشۂ اہل سنت پیلی بھیت شریف



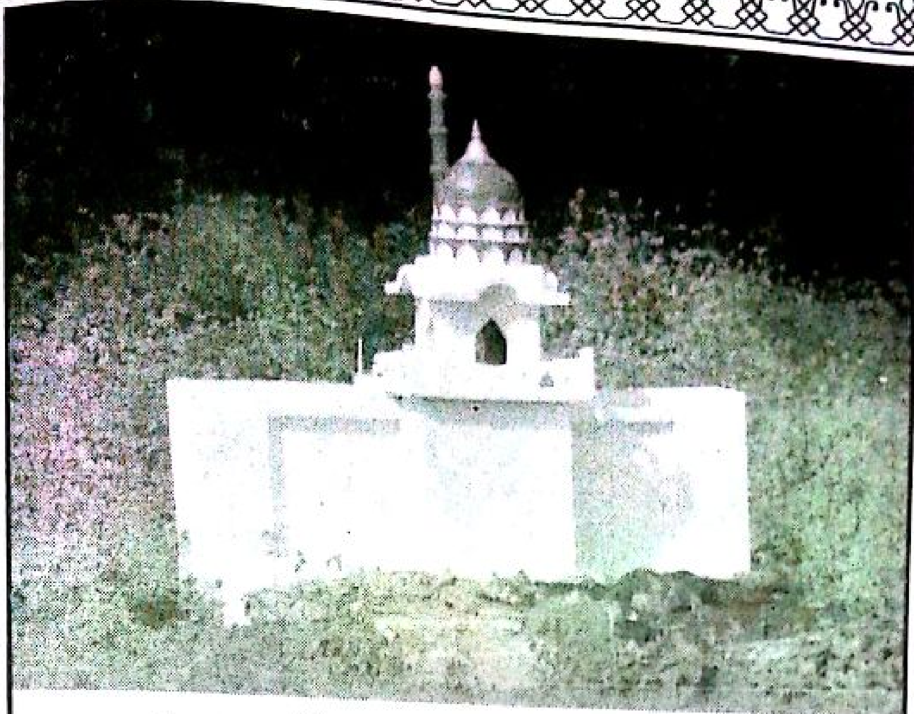
آستانہ عالیہ حشمتیہ مشاہدیہ پیلی بھیت شریف



حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے مکان کا صدر دروازہ



مکان حضور مشاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان



مزار اقدس شہزادۂ حضور شیر بیشۂ اہل سنت محمد اسرائیل رضا علیہ الرحمہ
مزار اقدس شہزادۂ حضور مشاہد ملت محمد ختم الرضا علیہ الرحمہ



مزار اقدس خلیفہ شیر بیشۂ اہل سنت الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی ممبئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ عزوجل [illegible] کا قرآن کریم میں ارشاد کریم ہے
ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا
[illegible]

[illegible] مدرسہ حشمت العلوم [illegible] مظہر اعلیٰ حضرت [illegible] شیر بیشۂ اہل سنت
[illegible]

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہ تحریر جس میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت کیلئے مظہر اعلیٰ حضرت لکھا گیا ہے

منجانب محمد عسکری رضا

[illegible]

[illegible]

مکرمی و محترمی!

[illegible] حالات مذکورہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بلاواسطہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خلیفہ [illegible] اعلیٰ حضرت [illegible]

[illegible]

فقط والسلام

ختم الکلام

نیاز مند

محمد عسکری رضا

[illegible]

[illegible]

حافظ محمد عسکری رضا کا وہ خط جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت اعلیٰ حضرت کے بلاواسطہ خلیفہ تھے۔

۷۸۶/۹۲

حضرت بابرکت شاہزادہ سرکار رضویت فرزند دلبند حضور اعلیحضرت مولانا الحاج المفتی الشاہ محمد مصطفیٰ رضا [illegible]
قادری برکاتی
مسند نشین آستانہ عالیہ مدرسہ رضویہ بریلی شریف مفتی اعظم ہند کا صفت افزا [illegible]
ایمان حقانی نورانی فتویٰ [illegible]

۷۸۶/۹۲ دارالافتاء جمعیت اسلام [illegible] بریلی [illegible]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مسلم لیگ [illegible]
اور اس کے جلسوں کی شرکت کے متعلق کیا حکم شرعی ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی محمد عمر [illegible]

الجواب لیگ بد مذہبوں [illegible]

[illegible]

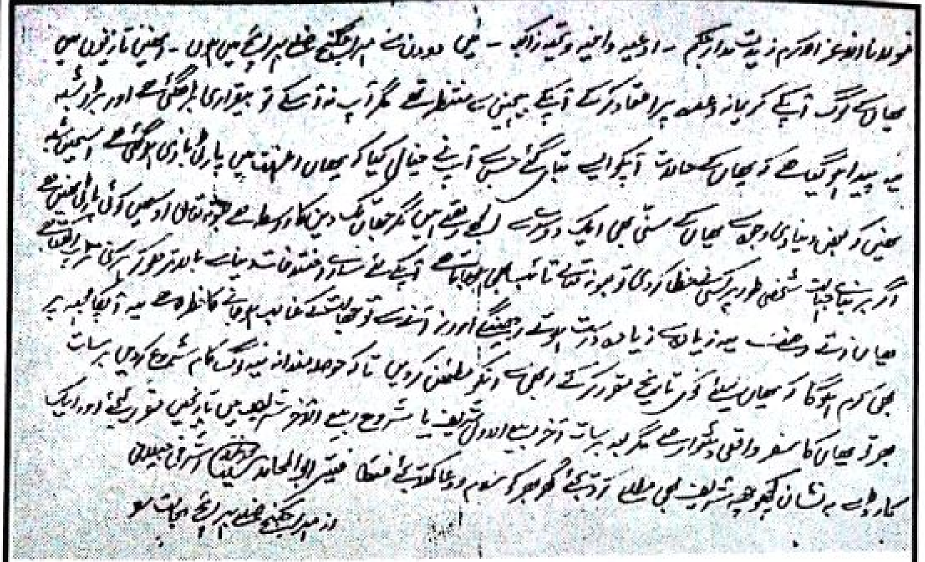
الجواب صحیح [illegible] واللہ تعالیٰ اعلم

[illegible]

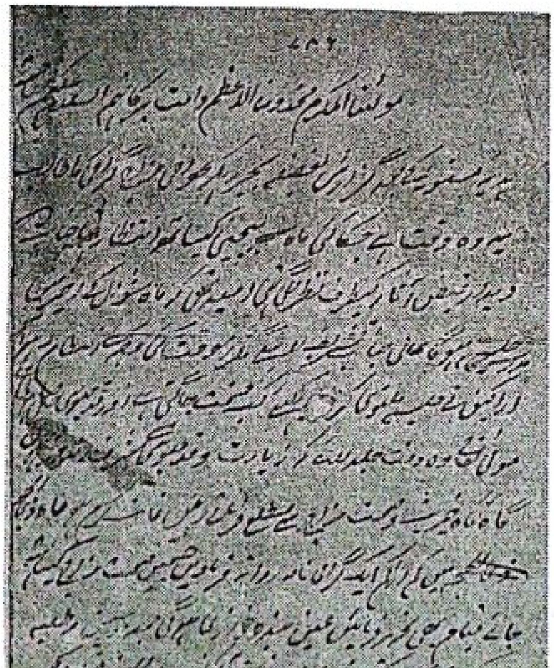
حضور مفتی اعظم ہند کا وہ فتوی جو مسلم لیگ کے خلاف جاری کیا گیا

ایک سینکنڈ کیلئے بھی کفر و بت پرستی پر راضی ہوگا بحکم شریعت وہ خود کافر ہو جائیگا لہٰذا مسلمان ہندوؤں سے صلح اگر کر لیں گو ذلت اگرانی جابرانہ قوت کی بنا پر ہندوؤں کو بھی قربانی کی اجازت نہ دینگے تو یہ انکا ظلم و جور ہوگا ۔ پھر اگر وہ مزاحمت کرینگے اور انکی طرف سے پر گولیاں برسائے تو مسلمانوں کو بھی جائز نہیں کہ گولیوں کا سامنا کر کے مفت میں اپنی جانیں ضائع کریں اگرچہ جو لوگ حرمت مسجد کی حفاظت کرتے ہوئے ہندوؤں کے ہاتھوں سے با حکم نیت کا وہ برکاتیہ کی گولیوں سے مارے گئے وہ سب بفضلہ تعالیٰ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ شہید ہوئے ۔ یہ فتویٰ دینے کے سبب میرے بلانے والے مجھ سے ناراض ہو گئے اور بہت ہی روپے تو بڑی چیز ہے دس پیسے بھی نہیں دیے حتی کہ بمبئی سے گونڈل جانے تک کا کرایہ بھی نہ دیا مجبوراً گونڈل سے پچاس روپے منگائے اور کام چلایا ۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ پیدا کر دل کی گانٹھ نکلی یا نہیں ۔ تو مجھ کو تو دل میں گانٹھ پیدا ہونے ہی نہ پائی پھر نکلتی کیسے ۔ کیونکہ آپ کی اور بھوجی پورہ جنکشن پر مجھ بھائی کے ساتھ بریلی شریف سے واپس ہوتے ہوئے آپکو دیکھ لیا تھا میرا دل صاف ہوگیا ۔ لیکن اگر آپ ہی اور بریلی شریف سے آپکی واپسی نہ ہوتی تو البتہ دل کو میرے اس قدر تکلیف ہوتی کہ شاید عمر بھر یاد رہتی ۔ کیونکہ میں بمبئی جانے سے مجبور رہتا ۔ اور دین کی خدمت وہاں جا کر نہ کر سکتا ۔ میں اگرچہ گنہگار ہوں شدید گار ہوں لیکن حضور پر نور مجدد حق امام اہلسنت سیدنا اعلیحضرت عظیم فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی جوتیوں کے صدقے میں مجھ حقیر کے دل میں یہ جذبہ ہے کہ ماں باپ بیوی بچے مال عزت و آبرو مذہب اہلسنت کی عزت و عظمت پر قربان ہو جائے ۔ دین کی خدمت سے جو کوئی مجھ کو روکتا ہے اس کی طرف سے میرے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور میری دعا ہے کہ خدا و رسول جل جلالہ و علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام میری بیوی میرے بچوں کا اور خود میرا ایمان مستقیم و مضبوط فرمادیں کہ ہم سب اپنی جان مال عزت آبرو بیوی بچے نفس ہر ماں باپ سب کو خدا اور رسول جل جلالہ وعلیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام کی عزت و عظمت پر قربان کرتے رہیں آمین

عکس تحریر شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں پیلی بھیت
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



عکس تحریر محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھ
رحمۃ اللہ تعالی علیہ



عکس تحریر حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ

۷۸۶
۹۲

مولٰینا المحترم ذو المجد والکرم دامت برکاتہم

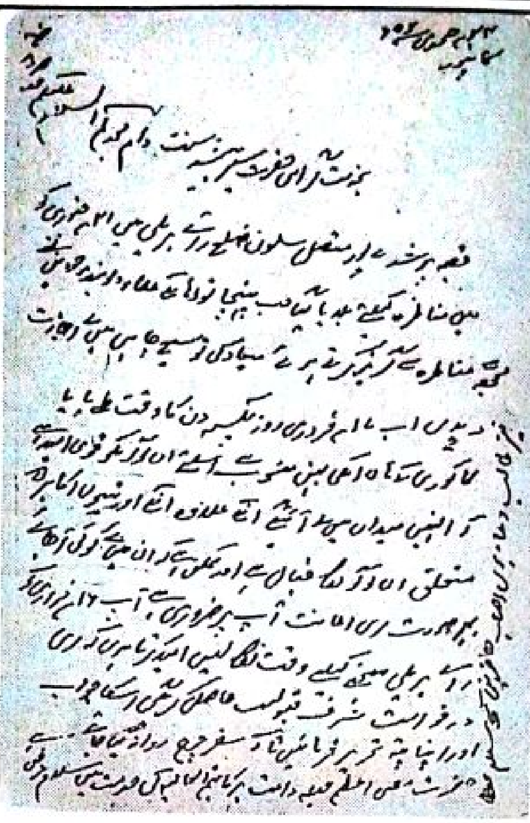
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ حضرت مفتی اعظم دام ظلہم حسب الحکم آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ
حضرت نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو حضرت کیلئے روانہ کریں ۔ حضرت خود ۱۲ یا ۲۲ کو
کو کسی وقت بریلی شریف سے روانہ ہو جائیں گے ۔ ساجد میاں صاحب ۲۰ کو شام تک پہنچیں گے
یہ خادم حضرت کے ہمراہ رکاب حاضر ہوگا ۔ محمد شریف الحق امجدی
۱۸ رمضان ۸۰ھ

[illegible]

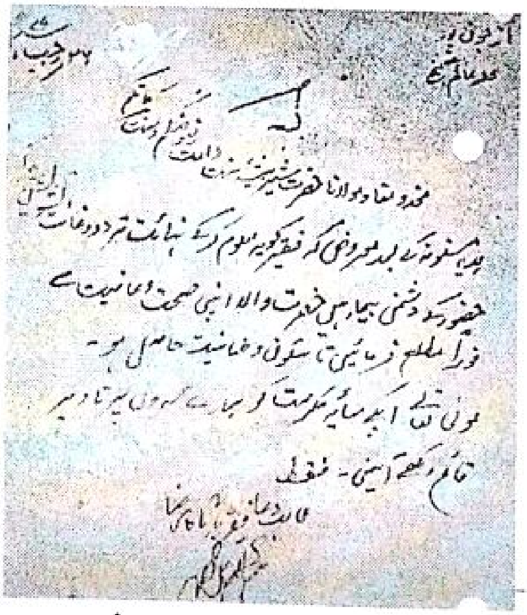
عکس تحریر شارح بخاری حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی گھوسی
رحمۃ اللہ تعالی علیہ

۷۸۶ حضرت مولنا المحترم دامت برکاتہم العالیہ ومعالی مکارمکم القدسیہ ۔ بعد از
تسلیم التکریم معروض ۔ کرمنامہ مؤرخہ ۲ مارچ مولوی ظفر الدین صاحب واحمد
سعید احمد صاحب موصول ہوا ۔ اس کے لفافے میں سوالات کا ٹکٹ بھی بخیر و
خوبی ملا ۔ یہ سوالات لاجواب ہیں اور مسئلہ حق و صواب ۔ تمام کے لفافہ
اور کارڈ متعلق انوار میاں صاحب کا جواب جب ملی فورا بعد ذالک اور کچھ تحقیق
بعد ہست برادر محمد احمد خاں جنکا نام اسوقت یاد نہیں آتا حاضر کر رہا ہوں
مسبعات عشر سے آپنے کیا مراد لیا یہ واضح فرمائیں ۔ آپ کے لئے برابر
دعائیں کرتا رہتا ہوں ۔ مسٹر کو حسن خاں کے دونوں تعویذ اُن کو
بھیج رہا ہوں ۔ صدر الافاضل سے مکاتبت الثنا واللہ تعالی ترتیب
کرنے کی فرصت نکالونگا ۔ مجھے کام بہت ہے اور کچھ کتابیں چھپتی جاتی
ہیں اور رکھتی جاتی ہیں شائع نہیں ہوتیں ۔ اسطرح چھپوا کے رکھنے سے
کیا نتیجہ اور اتنا سرمایہ کہاں جو لوں لگایا جاتا رہے ۔ آپ جب
بریلی شریف لائیں یا بلائیں اور جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں
مولوی شریف الحق صاحب اون کی تحریر کے متعلق میں نے استفسار کیا
ہے ۔ اپنے احباب نے سفر بنارس کی روداد سے اب تک کچھ مطلع
نہیں کیا ۔ نہایت تعجب ہے = محمد میاں قادری از مارہرہ ۔ ۲۶ ذی الحجہ
۷۵ ہجری ۔ بکتبہ

عکس تحریر تاج العلماء حضرت مولانا سید محمد میاں قادری مارہرہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ



عکس تحریر مفتی اعظم کانپور حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین کانپور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



مخدوم شاہ مولانا حضرت ... دامت ...

... بعد ... معروض کہ فقیر کو یہ معلوم کر کے نہایت تردد و فکر ...

حضور کے دشمن بیمار ہیں خدمت والا اپنی صحت و عافیت سے

فوراً مطلع فرمائیں تا کہ سکون و طمانیت حاصل ہو۔

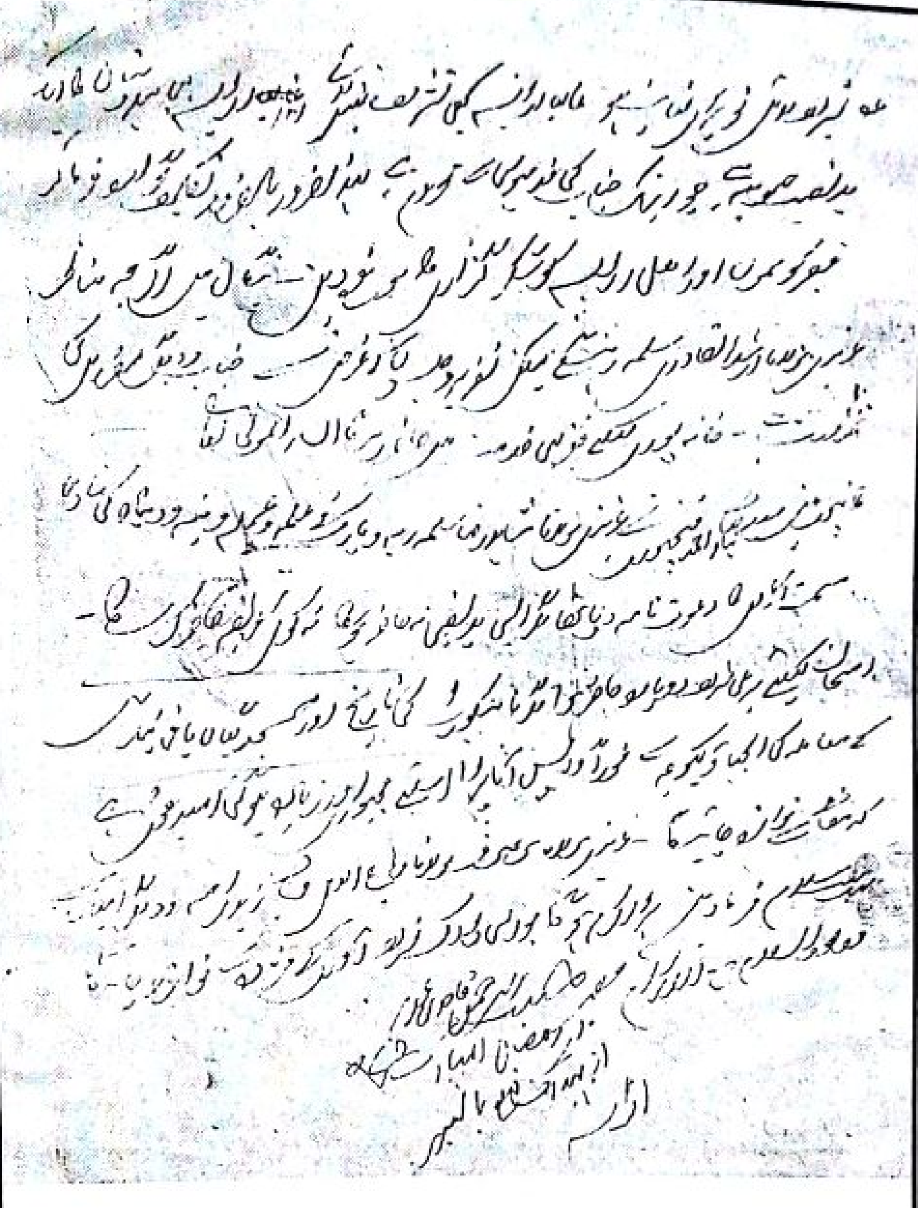
مولیٰ تعالیٰ آپ کے سایۂ مکرمت کو ہمارے سروں پر تا دیر

قائم رکھے آمین۔ فقط

طالب دعا ...

عکس تحریر مصنفِ قانونِ شریعت حضرت مولانا شمس ا ین احمد جعفری

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



عکس تحریر مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری اڑیسہ
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[illegible]

۹۵

برخوردار نور چشم سلمہ

سلام مسنون و دعاء عافیت [illegible]

دوشنبہ کو خط ملا جواب دینے کے لائق ہوا علالت کا سلسلہ طویل چلا
اور اس وقت بھی موجود ہے۔ خون میں شکر کی مقدار بڑھی ہوئی ہے گرچہ
بہت زیادہ نہیں۔ نوم قلیل [illegible] [illegible]
شروع ہو گیا فحسبنا اللہ ونعم الوکیل دعاء شفاء چاہتا ہوں
تمہارے احوال پر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
سلسلہ حلقہ میں تبدیلی کیا جائے [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] اور دوسرے بچوں اور اہل بیت کو سلام مسنون [illegible]

عکس تحریر سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ قادری مارہرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از براؤں شریف ۲۳ مئی سنہ ۵۹ء

۷۸۶
۹۲

مخدومنا الاعظم و قدوتنا الکرم! مزاج سامی؟

السلام علیکم۔ مؤدبانہ گزارش ہے متعدد معروضات پیلی بھیت کے پتے پر حضرت کی خدمت میں میں نے ارسال کئے لیکن شاید عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے مجھے جواب عطا نہ ہوا۔ حضرت کی تصنیف جو المھند کی رد میں ہے وہ اس وقت کہاں ملے گی۔ ہم اس کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ فیض الادب حصہ دوم اس وقت لکھنؤ میں زیر طبع ہے۔ حصہ دوم کے آخر میں حضور اعلیحضرت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی مختصر سوانح عمری بھی عربی زبان میں لکھکر شامل کر دی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ فیض الادب اول و دوم مبتدی طلبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی ان شاء المولیٰ الکریم بجاہ حبیبہ علیہ الصلاۃ والسلام۔ حضرت کے تحت اشراف جو مدارس ہیں ان میں یہ دونوں کتابیں جاری کرنیکا حکم فرمائیں۔ فیض المنطق حضرت کی خدمت میں پیلی بھیت کے پتے پر بھیج چکا ہوں۔ غالباً وصول ہوئی ہوگی

صدر الدین برادر زادے خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں وہ کچھ معروضات پیش کریں گے امید کہ انھیں باریابی کا موقع دیا جائیگا

حضرات علماء کرام کی خدمت میں مؤدبانہ سلام پیش ہے

فقط والسلام

بدر الدین احمد قادری رضوی
دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف

عکس تحریر حضرت مولانا بدرا ین احمد قادری رضوی براؤں رحمۃ اللہ تعالی علیہ

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

(سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم)

شیر بیشۂ اہل سنت

حضرت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی

ایک تحقیقی مطالعہ

"شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت، مناظر اعظم ہند، ابوالفتح حضرت مولانا مفتی محمد حشمت علی خاں قادری لکھنوی ثم پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تابندہ زندگی، خاندانی حالات، عادات وخصوصیات، فضائل وکمالات، قلمی نگارشات، روشن کارناموں، داعیانہ کوششوں، مصلحانہ کاوشوں، مناظرانہ صلاحیتوں، خطیبانہ شان وشوکت، سیاسی بصیرت اور طریقہ رُشد وہدایت پر مشتمل ایک جامع دستاویز اور معلوماتی تحریر"

حسب فرمائش

حضرت مولانا برہان رضا حشمتی نائب سجادہ نشین

آستانہ عالیہ حشمتیہ مشاہدیہ حشمت نگر، پیلی بھیت، یوپی

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

ISBN No 978-93-89807-95-0

کتاب : حضرت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی، ایک تحقیقی مطالعہ

تصنیف : ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
پروفیسر وصدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد (یونیورسٹی) نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲
ڈین، اسکول برائے انسانی وسماجی علوم جامعہ ہمدرد، انڈیا
E-mail: gyanjum@jamiahamdard.ac.in

پہلی اشاعت : دہلی ۱۹۹۲ء
دوسری اشاعت : دہلی ۲۰۱۸ء
قیمت :
اہتمام : دانش کدہ، ۴۰۱، آزاد اپارٹمنٹ
آر، زیڈ، ۲۵۴۱ گلی نمبر ۲۸، تغلق آباد، ایکسٹینشن، نئی دہلی ۱۹
اشاعتی تعاون : جناب الحاج محمد ہارون الحاج احمد عمر، ڈوسا حشمتی، منیش مارکیٹ، ممبئی-۱

ناشر

کتب خانہ امجدیہ، ۴۲۵، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

ملنے کے پتے

۱- دار العلوم اہل سنت حشمت الرضا، محلہ حشمت نگر، پیلی بھیت، یوپی
۲- آستانہ عالیہ حشتیہ، حشمت نگر (بھورے خاں) پیلی بھیت، یوپی
۳- حشمتی جامع مسجد، منیش مارکیٹ، ممبئی-۱، مہاراشٹر

آئینہ کتاب

مصنف ایک نظر میں	۳۲
اظہاریہ از مصنف	۳۵
پیش لفظ (پہلی اشاعت)	۳۸
کلمہ تقدیم شارح بخاری حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان	۴۷
کلمہ تکریم رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان	۵۱
کلمہ تقریب بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان	۱۰۰
شیر بیشۂ اہل سنت ایک نظر میں	۱۰۳

پہلا باب: ذاتی حالات — ۱۰۵

حیات	۱۰۶
پیلی بھیت کا پس منظر	۱۰۸
حلیہ مبارکہ	۱۰۹
تعلیمی سفر	۱۱۱
سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں بیعت	۱۱۲
اساتذہ کرام	۱۱۸
تدریسی ذمہ داریاں	۱۱۸
شادی خانہ آبادی	۱۲۱
حج وزیارت	۱۲۲
پہلا سفر حج	۱۲۲
دوسرا سفر حج	۱۲۶
سفر آخرت	۱۲۷

دوسرا باب: خاندانی شخصیات — ۱۳۵

حافظ نواب علی خاں ۱۳۶
حضرت مولانا محبوب علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۳۹
اولاد ۱۴۲
حضرت مولانا مشاہد رضا خاں قادری حشمتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۴۲
حضرت مولانا مشہود رضا خاں قادری حشمتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۶۷
حضرت مولانا عسکری رضا خاں قادری حشمتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۶۷
حضرت مولانا ادریس رضا خاں قادری حشمتی ۱۶۹
حضرت مولانا معصوم رضا خاں قادری حشمتی ۱۷۱
حضرت مولانا ناصر رضا خاں قادری حشمتی ۱۷۳

تیسرا باب: عادات وخصوصیات — ۱۷۵

عادات وخصائل ۱۷۶
حق گوئی وبے باکی ۱۸۲
نوٹوں کی گڈی ۱۸۲
اعلائے کلمۂ حق ۱۸۳
پہلے توبہ ۱۸۴
گاڑی سے اُتار دیا ۱۸۴
ہاتھ سے مائک لیا ۱۸۵
سگ بارگاہ رسالت ۱۸۵
حاضر جوابی ۱۸۷
منظور اور مناظرہ ۱۸۷
خدانخواستہ ۱۸۸
اعراب ۱۸۸
خدا کی صفت بندے میں ۱۸۸

میرا دین	۱۸۹
نمک حرامی نہیں، سنت نبوی	۱۹۰
نحو میر بھی یاد نہیں	۱۹۰
خصم کا معنی شوہر یا مد مقابل	۱۹۱
پشت پناہی کے لئے	۱۹۲
جنتی اور جہنمی کی پہچان	۱۹۲
تصلب فی الدین	۱۹۴
حضرت اقدس شاہ جیلانی میاں کا نعرۂ حق	۲۰۱
شعر و سخن	۲۰۵
استغاثہ	۲۰۷
آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی	۲۱۴

چوتھا باب: فضائل و کمالات — ۲۱۷

تصانیف	۲۱۸
فتویٰ نویسی	۲۴۰
مسئلۂ حاضر و ناظر	۲۴۰
نماز جمعہ	۲۴۴
عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل ہے	۲۴۷
خطیبانہ شوکت	۲۵۰
برما رنگون	۲۵۲
بنگلور	۲۵۴
بھیونڈی	۲۵۵
نوساری	۲۵۶
رنگون	۲۵۷
گونڈہ	۲۵۸

لاہور	۲۵۹
مناظرانہ صلاحیت	۲۶۰
مناظرہ ہلدوانی	۲۶۵
مناظرہ پادرہ	۲۶۷
مناظرہ راندیر	۲۶۸
مناظرہ فیض آباد	۲۷۱
مجسٹریٹ کا فیصلہ	۲۷۴
سیشن جج کا فیصلہ	۲۷۵
مناظرہ اودری	۲۷۸
مناظرہ گیا	۲۸۱
مناظرہ سنبھل	۲۸۷
مناظرۂ پنجاب	۲۹۰
مناظرہ ملتان	۲۹۳
مناظرہ رنگون	۲۹۸
مناظرہ حجاز	۳۰۱
مناظرہ رسولی (بارہ بنکی)	۳۰۲
مناظرہ فیروزآباد چھاؤنی	۳۰۶
مناظرہ آگرہ	۳۰۷

پانچواں باب: سیاسی افکار و نظریات — ۳۱۷

سیاسی بصیرت	۳۱۸
پاکستان کیا ہے؟	۳۲۰
ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ	۳۲۵
کانگریس، مسلم لیگ مخالف علماء	۳۴۴
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کا فتویٰ	۳۴۵

حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ کا فتویٰ ۳۵۳

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا محمد حشمت علی پیلی بھیتی کا فتویٰ ۳۶۵

ملک العلماء مولانا ظفرالدین قادری کا موقف ۳۷۸

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کا موقف ۳۸۰

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کی پیشین گوئی ۳۸۴

شیر بیشۂ اہل سنت تقسیم ہند کے مخالف کیوں تھے؟ ۳۸۹

پاکستان: تقسیم کے بعد ۳۹۲

ہندوستان: تقسیم کے بعد ۳۹۸

تقسیم ہند کے تعلق سے مفتی شریف الحق امجدی کا مکتوب ۴۰۷

بشارۃ عظمیٰ ۴۱۳

شیر بیشۂ اہل سنت کا سیاسی موقف صحیح یا غلط ۴۱۵

چھٹا باب: روابط وتعلقات — ۴۲۳

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے خانوادۂ برکات سے باہمی روابط ۴۲۴

حضور سید العلماء اور پیلی بھیت ۴۳۹

تقسیم ہند اور خانوادۂ برکات ۴۴۵

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے خانوادۂ رضویہ سے باہمی روابط ۴۵۴

ساتواں باب: روحانی تجلیات — ۴۷۳

بیعت وارشاد ۴۷۴

حضرت مخدوم ملت سید عبدالسبحان قادری ۴۸۹

حضرت حکیم صوفی حیات علی قادری ۴۹۵

حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی ۵۰۰

عالی جناب الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی ۵۰۴

آٹھواں باب: مکتوبات وتاثرات — ۵۱۱

مکتوبات ۵۰۵

مکتوبات بنام جناب مشکور حسن خاں قادری	۵۱۴
مکتوب گرامی بنام الحاج احمد عمر ڈوسا ممبئی	۵۱۸
مکتوب گرامی خاتم الاکابر حضرت مولانا سید محمد میاں قادری مارہروی	۵۱۹
مکتوب گرامی محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرف الجیلانی کچھوچھوی	۵۲۲
مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی غلام محمد خاں ناگپور	۵۲۶
مکتوب گرامی مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن قادری اڑیسہ	۵۲۶
مکتوب گرامی حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی	۵۲۹
مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور	۵۳۲
مکتوب گرامی حضرت خواجہ سید شاہد حسین پٹنہ	۵۳۳
مکتوبات حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی	۵۳۴
مکتوبات گرامی حضرت مولانا مفتی رجب علی قادری رضوی نانپارہ	۵۳۸
تاثرات (منثور)	۵۴۱
محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی	۵۴۲
مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفٰے رضا قادری	۵۴۲
حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی	۵۴۲
امام النحو حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی	۵۴۳
امام المعقولات حضرت مولانا قاضی شمس الدین جعفری جونپوری	۵۴۳
خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آباد	۵۴۳
سرکار کلاں حضرت مولانا سید شاہ مختار اشرف کچھوچھوی	۵۴۴
حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتح پوری دہلی	۵۴۵
مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن رئیس اڑیسہ	۵۴۵
حضرت مولانا سید مصباح الحسن پھپھوند شریف اٹاوہ	۵۴۶
حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری	۵۴۶
شعیب الاولیاء حضرت صوفی شاہ محمد یار علی براؤں شریف	۵۴۶

تاثرات (منظوم)

تاثرات (منظوم)	۵۴۷
مفتی اعظم ممبئی حضرت مولانا محمد محبوب علی ممبئی	۵۴۷
سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ مارہروی	۵۴۷
حضرت مولانا مفتی رجب علی قادری نانپارہ	۵۴۸
شہزادۂ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں مدظلہ العالی	۵۴۸
حضرت مولانا غیاث الدین خلف الرشید حضرت مولانا عماد الدین	۵۴۹
حضرت مولانا سید نیاز احمد قادری	۵۴۹
عالی جناب سید ضیاء الحسن کوٹہ راجستھان	۵۴۹
حضرت مولانا مفتی محمد طیب داناپوری	۵۵۰
جناب راز الہ آبادی	۵۵۰
جناب تنویر سامانی	۵۵۰
جناب اجمل سلطان پوری	۵۵۱
جناب حمید حافظی	۵۵۱
جناب بیکل اُتساہی بلرام پوری	۵۵۲
جناب عرفان الہ آبادی	۵۵۲
جناب مولانا فخر الہ آبادی	۵۵۲
حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی	۵۵۳
جناب عاصم اشرفی ممبئی	۵۵۳
جناب مرتضیٰ رضوی	۵۵۳
سید جہانگیر اشرف خلش کچھوچھوی	۵۵۴

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر وصدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) نئی دہلی ۶۲

ولدیت : جناب علی رضا مرحوم (وفات اکتوبر ۱۹۹۳ء)

پیدائشی پتہ : پرسا بزرگ پوسٹ آفس جگنا دھام، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی پن کوڈ ۲۷۲۱۹۲

رہائشی پتہ : ۴۰۱، آزاد اپارٹمنٹ، آر، زیڈا ۲۵۴ گلی نمبر ۲۸ تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی ۱۹

تعلیمی لیاقت : ● ایم، اے۔ ایم فل۔ پی، ایچ۔ ڈی (عربی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

● فضیلت (درس نظامی) الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

● عالم (عربی) کامل (فارسی) فاضل (عربی ادب) فاضل (معقولات) یوپی بورڈ لکھنؤ

● ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، (جامعہ اُردو علی گڑھ)

اعزاز وایوارڈ

یونیورسٹی میڈل از مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۲ء ★ نوجوان محقق کیریر ایورڈ از حکومت ہند ۱۹۹۳ء ★ شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی سے دیگر پانچ علماء کے ساتھ راقم السطور کے تحقیقی کاموں پر پی، ایچ۔ ڈی کی ڈگری ایوارڈ ۱۹۹۴ء ★ کندن لال اشکی ایوارڈ از روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی ۱۹۹۷ء ★ توصیف نامہ از وزیر اعلیٰ اتر پردیش ۲۰۰۱ء ★ نامزد ممبر از حکومت اتر پردیش برائے قیام عربی وفارسی یونیورسٹی اتر پردیش ۲۰۰۲ء ★ نامزد ممبر ورکنگ کمیٹی برائے قیام اسلامک یونیورسٹی سری نگر، کشمیر ۲۰۰۳ء ★ حافظ الملک ایوارڈ از شہر پیلی بھیت ۲۰۰۳ء ★ اردو اکیڈمی دہلی ایوارڈ ۲۰۰۴ء برائے کتاب تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول ★ نامزد ممبر نصاب کمیٹی نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ نئی دہلی ۲۰۰۵ء ★ ممبر گورننگ کونسل اردو اکیڈمی، دہلی ۲۰۰۶ء ★ سعودی حکومت کی دعوت پر سفر حج دسمبر ۲۰۰۶ء ★ اشرف العلماء ایوارڈ، ممبئی مارچ ۲۰۰۷ء ★ بہار اردو اکیڈمی انعام ۲۰۰۷ء ★ نعلین مصطفیٰ اعزاز از خانقاہ مارہرہ مطہرہ ۱۸ نومبر ۲۰۰۷ء ★ ویر عبدالحمید ایوارڈ از ادریسیہ وکاس کمیٹی دہلی ۱۳ اپریل

۲۰۰۸ء ★ توصیف نامہ از جامعہ اہل سنت فیضان اشفاق ناگور ۱۳/اپریل ۲۰۰۹ء ★ نوری ایوارڈ از رضا اکیڈمی ممبئی اکتوبر ۲۰۰۹ء ★ اردو اکیڈمی دہلی ایوارڈ ۲۰۱۰ء برائے کتاب جانشین غریب نواز ★ اعلیٰ حضرت تعلیمی ایوارڈ مٹیا برج کلکتہ ۲۰۱۲ء ★ ممبر اکسپرٹ پینل صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ برائے عربی زبان وادب از ۲۰۱۳ء ★ ممبر بورڈ آف مینجمنٹ جامعہ ہمدرد، ۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۶ء ★ فاطمہ زہرا ایوارڈ، دہلی ۲۰۱۴ء ★ امام احمد رضا ایوارڈ، از عائشہ میموریل ایجوکیشنل ٹرسٹ ڈومریا گنج ۲۰۱۶ء ★ توصیف نامہ از جامعہ نعیمیہ مرادآباد، اپریل ۲۰۱۷ء ★ اعزاز از چھتیس گڑھ مدرسہ بورڈ رائے پورڈ، نومبر ۲۰۱۷ء ★ سلطان الہند ایوارڈ از دار العلوم اہل سنت اشرفیہ باب العلم، نئی سڑک بارہ بنکی، مئی ۲۰۱۸ء

مطبوعہ کتابیں

۱۔ نقش آخرت (مجموعۂ نعت)، الہ آباد ۱۹۷۸ء
۲۔ مصری مورخین۔ ایک تنقیدی مطالعہ (ایم فل کا مقالہ)، فیض آباد ۱۹۸۷ء
۳۔ تذکرہ علمائے بستی، جلد اول فیض آباد ۱۹۸۸ء
۴۔ انوار خیال (بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۱ء
۵۔ امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء
۶۔ مولانا حشمت علی لکھنوی۔ ایک تحقیقی مطالعہ دہلی ۱۹۹۲ء
۷۔ ہمارا جغرافیہ (ضلع سدھارتھ نگر) دہلی ۱۹۹۲ء، اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۶ء
۸۔ متنبی۔ ایک تحقیقی مطالعہ (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی دہلی) دہلی ۱۹۹۴ء
۹۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟، دہلی ۱۹۹۵ء
۱۰۔ آبشار (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۸ء
۱۱۔ دار العلوم دیوبند کا بانی کون؟، دہلی ۱۹۹۹ء و دہلی ۲۰۰۲ء
۱۲۔ چراغ رہ طب (منظوم سوانح حکیم عبد الحمید دہلوی) دہلی ۱۹۹۹ء
۱۳۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الہند شیخ عبد الوہاب جیلانی، دہلی ۱۹۹۹ء لاہور ۲۰۰۰ء کراچی ۲۰۰۱ء، ہندی ایڈیشن، دہلی ۲۰۱۵ء
۱۴۔ مزارات پر حاضری اور اس کے آداب، دہلی ۲۰۰۰ء و دہلی ۲۰۰۲ء
۱۵۔ تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم، دہلی ۲۰۰۱ء دہلی ۲۰۱۱ء
۱۶۔ نصاب تعلیم برائے عربی وفارسی بورڈ اتر پردیش لکھنؤ، شعبہ نشریات جامعہ ہمدرد دہلی ۲۰۰۱ء
۱۷۔ ذکر مرشد، (حالات مشاہد ملت حضرت مولانا شاہ محمد شاہد رضا پیلی بھیت علیہ الرحمۃ والرضوان) دہلی ۲۰۰۲ء
۱۸۔ تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول دہلی ۲۰۰۳ء

۱۹۔ حضرت مولانا طفیل احمد حشمتی۔ایک تعارف، بمبئی ۲۰۰۴ء
۲۰۔ دینی مدارس اور عہد حاضر کے تقاضے، پور بندر گجرات ۲۰۰۴ء
۲۱۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل (روز نامہ ہندوستان ممبئی کو دیئے گئے ایک انٹرویو کی روداد) رام پور ۲۰۰۴ء
۲۲۔ کتاب المقفی الکبیر للمقریزی (تحقیق) دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد ۲۰۰۵ء
۲۳۔ معلم العربیہ لطلاب العلوم الطبیہ
بہ تعاون مالی قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، حکومت ہند، دہلی ۲۰۰۵ء
۲۴۔ تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم دہلی ۲۰۰۶ء
۲۵۔ اچھا سماج (چار حصے برائے درجات پرائمری) دہلی ۲۰۰۸ء
۲۶۔ امام احمد رضا کے افکار و نظریات۔ایک تقابلی مطالعہ دہلی ۲۰۰۹ء
۲۷۔ جانشین غریب نواز دہلی ۲۰۱۰ء
۲۸۔ جانشین غریب نواز (انگریزی ایڈیشن) ادارہ ادبیات، دہلی ۲۰۱۱ء
۲۹۔ تذکرۂ خانوادۂ علیمیہ، دہلی 2015ء
۳۰۔ قطب الہند سید عبدالوہاب جیلانی (ہندی ایڈیشن) دہلی 2015ء
۳۱۔ سفرنامہ ایران فارسی، ایران تابستان ۱۳۹۵ء
۳۲۔ قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر کا اجمالی جائزہ، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان حکومت ہند، نئی دہلی، نومبر ۲۰۱۷ء
۳۳۔ حضرت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی (اضافہ شدہ ایڈیشن) دہلی ۲۰۱۸ء

زیر طبع کتابیں

۱۔ عرفان تصوف
۲۔ صوفیائے کرام اور دعوت دین

زیر تصنیف کتابیں

۱۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ۔آغاز وارتقاء
۲۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ۔آغاز وارتقاء
۳۔ ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ۔آغاز وارتقاء
۴۔ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ۔آغاز وارتقاء
۵۔ گرد و پیش (ہند و بیرون ہند علمی اسفار کا اجمالی تذکرہ)
۶۔ پرواز خیال (نعتوں، غزلوں، نظموں اور مناقب وقطعات کا مجموعہ)
۷۔ میری دنیا میرے لوگ (آپ بیتی)

اظہاریہ

زیر نظر کتاب کی یہ دوسری اشاعت ہے پہلی اشاعت اس کتاب کی ۱۹۹۲ء میں ہوئی تھی۔اب سو سے زائد صفحات کے ساتھ دوسری مرتبہ اس کتاب کی اشاعت ہونے جارہی ہے۔ اس کتاب میں پہلی اشاعت کے بعد عام قارئین کا تاثر یہ تھا کہ شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں قادری پیلی بھیت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا وہ پہلو جو سیاسی بصیرت کے تعلق سے ہے منظر عام پر آنا چاہئے مگر یہ کتاب اس بحث سے خالی ہے، قارئین کا یہ تاثر بالکل بجا تھا کیوں کہ اس بحث کو دانستہ طور پر میں نے کتاب میں شامل نہیں کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تقسیم ہند کے تعلق سے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا موقف وہی تھا جو علمائے مارہرہ اور علمائے بریلی کا تھا اس کے برخلاف ہماری ہی جماعت کے بعض علماء کا تقسیم ہند کے تعلق سے نظریہ اس کے برخلاف تھا اس لئے اس بحث کو چھیڑ کر قارئین کے ذہن ودماغ کو منتشر کرنا میرا مقصد نہیں تھا اب جب کہ حالات مکمل طور پر اسی کی عکاسی کر رہے ہیں جس کا عندیہ تقسیم ہند کے تعلق سے حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے پیش کیا تھا لہٰذا اب اس کے ذکر میں قباحت نہیں آج جو کچھ مسلمانوں کے تعلق سے ہندوستان اور اپنے پڑوسی ملک پاکستان میں ہورہا ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔عیاں راچہ بیاں؟ اگر ملک تقسیم نہ ہوا ہوتا تو ہندوستان کی مسجدیں اصطبل اور جانوروں کے طویلہ میں تبدیل نہ ہوتیں خانقاہیں اور آستانے قمار بازی اور شراب نوشی کے اڈے نہ بنتے، دینی مدارس کو دہشت گردی کی تعلیم کا مرکز نہ بتایا جاتا، ہر داڑھی ٹوپی والے کو مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھا جاتا، مسلم سلاطین کی تاریخ سے کھلواڑ نہ کیا جاتا اور نہ ہی ان کے آثار اور

یادگاروں سے چھیڑ چھاڑ کی جاتی، قبروں کو مسمار کر کے اس پر قحبہ خانے اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کی تعمیر نہ کی جاتی، اور ہر آئے دن عفت مآب مائیں اور بہنوں کی عصمتیں تار تار نہ ہوتیں، ہر خوش حال مسلم سوسائٹی پر ظلم وزیادتی کے بم نہ پھوڑے جاتے، مسلم نوجوانوں کو بلا وجہ سلاخوں کے پیچھے نہ ڈالا جاتا۔لو جہاد، گھر واپسی، کے نام سے مسلمانوں کو پریشان نہ کیا جاتا، بھینس کے گوشت کو گائے کا گوشت بتا کر مار مار کر جان نہ لی جاتی، تین طلاق کے مسئلہ کو چھیڑ کر مسلم خواتین کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ ہندوستان میں مسلمانوں اپنے برادران وطن کی ظلم وزیادتی اور پاکستان میں جنت کا مزہ لینے والے مہاجرین اپنے مقیم بھائیوں کے ظلم وزیادتی کا شکار نہ بنتے، کیا کیا لکھا جائے ''پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ است''

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

یہی وہ اسباب تھے جس کی بنیاد پر حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور اس بات کا عندیہ دیا تھا کہ ہندوستان ہمارا ہے ہمارے ہی آباء واجداد نے اس ملک پر سیکڑوں سال حکومت کی، ہمیں متحد ہو کر اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنا چاہئے۔ اگر ہم خانوں میں بٹ جاتے ہیں تو ہر طرح سے کمزور پڑ جائیں گے اور آئے دن ظالموں کے منھ کا نوالہ بنتے رہیں گے۔ اس تعلق سے ہم نے ''شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں اور تحریک پاکستان'' کے نام سے محققانہ جائزہ لیا تھا مگر سنی سماج کسی طرح سے ذہنی انتشار کا شکار نہ ہو اس لئے اسے پردۂ خمول میں ڈال دیا گیا ہے اس کی کچھ بحثیں اختصار کے ساتھ زیر نظر کتاب میں اس مقصد سے شامل کر لی گئی ہیں تا کہ کتاب کسی نہج سے تشنہ نہ رہ جائے اس کے علاوہ ان سے وابستہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے علاوہ بریلی اور مارہرہ سے بڑے گہرے مراسم تھے مگر ان تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس سے بیشتر حضرات نابلد ہیں اس تعلق سے دو مباحث کا اضافہ کیا گیا ہے یہ واضح رہے کہ یہ دونوں مباحث مقالات کی شکل میں ہندوستان کے اہم جرائد میں اس سے قبل شائع ہو چکے ہیں اس طرح تقریباً سوا سو ڈیڑھ سو صفحات

کا اس ایڈیشن میں اضافہ کیا گیا ہے۔

باقی کتاب میں جزوی ترمیمات ہیں جو جملوں کی چست اور زبان و بیان کو شگفتہ بنانے کے لئے کیا گیا ہے میں شکر گزار ہوں آستانہ عالیہ حشمتیہ مشاہد یہ کے صاحب سجادہ حضرت مولانا نازر تاب رضا حشمتی قبلہ مدظلہ النورانی کا کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے محب گرامی قدر جناب الحاج محمد ہارون ڈوسا حشمتی بن خلیفۂ شیر بیشۂ اہل سنت عالی جناب الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی مرحوم ممبئی کی توجہ اس طرح مبذول کرائی اور کتاب کو زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے مطالعہ میز تک پہنچنے کا موقع فراہم کیا، فالحمد للہ علی ذٰلک۔

کتاب کی کمپوزنگ سے لے کر کتابت وطباعت کے تمام مراحل میں اس کے حسن وزیبائش کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے لیکن اس کے باوجود دوران مطالعہ آپ کو کہیں کوئی ایسی کمی نظر آئے جس سے صاحب تذکرہ کی شان میں گستاخی یا تنقیص کا شائبہ ہوتا ہو یا آپ کے طبع نازک پر بار گزرتا ہو تو اسے میری کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ کی اشاعت میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
ہیڈ: ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) ہمدرد نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲

تاریخ ۱۶/۱۰ اکتوبر ۲۰۱۷ء

پیش لفظ

(پہلی اشاعت)

سلف کے تذکرے خلف کے لئے موعظت، عبرت اور مشعل راہ ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر ارباب قلم نے صالحین کے تذکرے لکھے۔ پھر اس فن میں اس درجہ تنوع ہوا کہ صحابہ، خلفا، شہدا، اولیا، بزرگان دین اور پھر تمام سلاسل کے بزرگوں کے الگ الگ تذکرے حیطۂ تحریر میں لائے گئے۔ ملکی اور جغرافیائی پیمانے پر بھی قلم اٹھایا گیا۔ صلحا، علما، فقہا، مفسرین اور محدثین کے سنہ وار کارنامے بھی اپنی اپنی جگہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

کسی بھی شخصیت کی سوانح حیات کسی بھی انداز میں لکھنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت اگر اس قابل ہے کہ اس کی زندگی کی روش پر چلا جا سکے تو ضرور نمونۂ حیات بنا کر چلا جائے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت بطل جلیل حضور شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو جمع کر کے عوام و خواص کی جناب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی نامی گرامی شخصیت پر بہت پہلے مبسوط سوانح لکھنے کی ضرورت تھی مگر ان سے عقیدت رکھنے والے حضرات نہ جانے کیوں ایسا نہیں کر سکے جب کہ ان کے مریدین و متوسلین میں اہل علم حضرات کے علاوہ سرمایہ دار بھی ہیں۔ اس سرد مہری کے لئے قوم کے سامنے ہم سبھی جوابدہ ہیں اس توفیق ارزانی کے لئے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوں کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے سوانح نگاروں اور مداحوں کی صف میں مجھے کھڑا ہونے کی جگہ میسر آئی۔

اک ذرۂ حقیر پہ یہ بارش کرم منہ دیکھتا ہوں رحمت عاجز نواز کا

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی سوانح سے متعلق جو کتابیں نظر سے گزر رہی ہیں وہ بہت ہی سطحی اور سرسری ہیں۔ یا کسی خاص موقع کی مناسبت سے لکھی گئی ہیں جو ان کے تمام علمی پہلوؤں اور زندگی کے گوشوں کا احاطہ نہیں کرتی ہیں۔

(۱) پہلی کتاب جو آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ جس کا تاریخی نام "حیات بلند پایہ حشمت علی" (۱۳۸۰ھ) ہے۔ یہ ایک جامع مختصر ۱۶ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی رحلت پر رنج والم کی ایک تاثراتی تحریر ہے۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی موضوع سے متعلق دوسری کتاب سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ہے جس کا تاریخی نام "مولانا حشمت علی" (۱۳۸۰ھ) ہے اس کتاب میں مفتی صاحب نے اپنے بڑے بھائی کے حالات بڑے شرح وبسط کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ اس میں بعض ایسی اہم اور نادر باتیں بھی ہیں جن تک اکثر اہل علم کی رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ اس کتاب میں خاندانی پس منظر کا ذکر تو کم البتہ کارناموں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

مصنف نے اپنی یادداشتوں کو جس طرح ذہن میں محفوظ تھیں قلمبند کر لیا تھا۔ اس پر انھیں نظر ثانی کا موقع نہیں ملا تھا اس لئے مواد کی بے ترتیبی جا بجا نمایاں ہے۔ بعض جگہ واقعات کی تکرار بھی ہے۔ اگر وہ کتاب از سر نو ترتیب دے کر شائع کی جاتی تو یقینا پھر کسی دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

کتاب کی اشاعت کے وقت زمانۂ جدید کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کے سبب کئی مقامات پر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ تاہم جو واقعات اس میں درج ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہیں اس لئے کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

کتاب کی طباعت کا سارا خرچ خلیفہ شیر بیشۂ اہل سنت الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب نے برداشت کیا ہے۔ کتاب کل ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور عروس البلاد ممبئی سے مصنف کے فرزند اکبر

حضرت مولانا قاری محمد منصور علی (وفات اکتوبر ۲۰۱۵ء) کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

(۳) تیسری کتاب ''سیدنا مظہر اعلیٰ حضرت'' ہے جس کا تاریخی نام ''مظہر انور'' (۱۴۰۲ھ) ہے۔ اس کتاب کے جامع ماسٹر عبدالوہاب قادری برکاتی حشمتی بلرام پوری ہیں۔ کتاب کل ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطالعۂ کتاب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خادم کے سچے جذبات ہیں جس کے نقوش صفحۂ قرطاس عقیدت پر جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب بھی شیر بیشۂ اہل سنت کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالتی ہے۔

(۴) ''کلک رضا'' اس سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔ یہ باضابطہ کتاب نہیں بلکہ ۴۶ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ جسے مولانا امان الرب صاحب نے مناظرہ کے دوران پیش آنے والے کچھ واقعات کو بڑے سلیقہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ جس موضوع پر رسالہ ہے اس پر بھی اس میں سیر حاصل بحث نہیں ہے۔ کئی جگہ کمی کا احساس بدستور باقی رہتا ہے۔ مصنف اگر تھوڑی اور توجہ کرتے تو شاید اس موضوع کو سمیٹنے کا حق ادا کر سکتے تھے۔

کتابوں کی دنیا سے ہٹ کر کچھ رسائل و جرائد نے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی جناب میں اپنی عقیدت کے نمبر پیش کئے ہیں جن رسالے کے مدیروں کو اس کی سعادت میسر آئی ان میں ''پاسبان'' الہ آباد اور ''فیض الرسول'' سدھارتھ نگر (بستی) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ ان رسالوں میں کس قسم کے مضامین ہیں اس کی وضاحت کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ کچھ باذوق حضرات نے آپ کی سوانح لکھنے کا اشتہار دیا اور کوششیں بھی کیں مگر

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

کسی نے اہل علم کے عدم تعاون اور کسی نے حالات کی نامساعدت کا شکوہ کیا۔ بہر حال وہ اپنے خواب و خیال کو قلمی جامہ پہنانے سے قاصر ہی رہے۔ علم دوست حضرات کے کان ان ناموں سے ضرور آشنا ہوں گے۔ موقع کی مناسبت سے ایک صاحب کا ذکر بے جا نہ ہوگا جن کی تحریک میری اس کتاب کی تالیف کا اولین سبب بنی۔

مدرسہ فیضان الرسول شیوہروا ضلع سدھارتھ نگر صاحب تذکرہ شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ ادارہ کے اکثر اساتذہ واراکین آپ کے مریدین ومتوسلین میں سے ہیں۔ ادارہ کے اساتذہ کے ذریعہ ان کے روحانی سرپرست کی مبسوط سوانح منظر عام پر آنی چاہئے تھی مگر وہاں کے اساتذہ نہ جانے کیوں یہ کام انجام نہ دے سکے۔ البتہ یہ کوئی ۱۹۸۲ء کی بات ہے جب ماہنامہ فیض الرسول کے نائب مدیر عزیز گرامی مولانا جمال احمد خاں رضوی جن دنوں وہاں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک وقیع میگزین نکالنے کا صرف ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ اعلان بھی کیا اور ارباب قلم سے روابط بھی قائم کر لئے تھے۔ مجھے ان کے سیاسی پہلو اور ملکی خدمات پر لکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کچھ اہل علم حضرات کے مقالے بھی جمع کر لئے۔ میں نے بھی متعینہ مدت کے اندر ہی حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ مولانا جمال احمد خاں اپنے ارادے کو عملی جامہ کیوں نہ پہنا سکے۔ اس کی ہمیں خبر نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس ادارہ سے اس قسم کی کوئی کاوش اب تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔

میں نے اپنا مقالہ جو شیر بیشۂ اہل سنت کی سیاسی بصیرت سے متعلق تھا لکھ تو دیا مگر مجھے تسلی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ ان کی سیاسی بصیرت باضابطہ ایک کتاب کی متقاضی تھی۔ جسے میں نے مقالے کے چند صفحات میں سمیٹنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ جستجو بڑھتی رہی مزید کتابوں کا مطالعہ جاری رہا۔ بالآخر راقم اس نتیجے پر پہنچا کہ شیر بیشۂ اہل سنت اپنے اور بیگانے تمام علماء وقائدین کے نظریات سے ہٹ کر ''تقسیم ہند'' سے متعلق اپنا ایک جداگانہ نقطۂ نظر رکھتے تھے جس پر وہ مضبوطی سے قائم بھی تھے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے اسی انفرادی نقطۂ نظر جس کے سبب اس مضمون سے مجھے اور دلچسپی پیدا ہوئی اور ایک سال کی مکمل کوشش سے ''مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان'' کے عنوان سے ایک کتاب ہی ترتیب دے ڈالی۔ یہ کتاب چونکہ خالص ان کے اس سیاسی پہلو سے متعلق ہے جس کے وہ خود ہی مرد میدان تھے۔ چنانچہ اس کتاب کا ایک ورق ''مفتی اعظم ہند کا سیاسی کردار'' کے عنوان سے ماہنامہ فیض الرسول (براؤں شریف، بستی)

میں شائع کرایا۔ جسے میں نے شواہد اور حوالوں سے اس طرح مربوط کر رکھا تھا کہ قاری کو مقالے کے مباحث کی صداقت کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ مقالے میں اس بات کی وضاحت تھی کہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مطمح نظر وہی تھا جس کے علمبردار شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بات کچھ ارباب فکر ونظر کو بھلی نہ لگی اور مدیر فیض الرسول کو خطوط لکھے کہ ایسے مضامین چھاپنے سے رسالہ کو احتراز کرنا چاہئے۔ خطوط لکھنے والوں میں ہندوستانی کم پاکستانی علماء زیادہ تھے۔ علی گڑھ کے ہمارے زمانۂ طالب علمی کے کچھ مخلصین نے بھی اس موقع سے اپنے قلم کی روشنائی ضائع کی تھی۔ ایسا کیوں کر ہوا۔ اسے مجھ سے زیادہ آپ سمجھتے ہوں گے۔ جب مجھے اس کی خبر ہوئی اور دو ایک مراسلہ کو انھوں نے شائع بھی کیا تو میں نے خود بستی جا کر مدیر اعلیٰ فیض الرسول سے ملاقات کی اور کہا کہ یا تو خطوط چھاپنے بند کیجئے یا پھر سوال وجواب کا ایک طویل سلسلہ شروع کیجئے۔ طویل گفتگو کے بعد مدیر اعلیٰ نے میری بات مان لی اور رسالہ میں طرفین کی تحریروں کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ سچی بات یقینا کڑوی ہوتی ہے۔ دلائل وبراہین کی روشنی میں اس کتاب میں حقائق کو واضح کیا گیا تھا اس لئے کتاب متنازع ہوگئی تھی۔ کتاب چھپوا کر کسی شخص کی عقیدت کو مجروح کرنا اور کسی کی خوش فہمی میں رخنہ ڈالنا میرا کام نہیں اس لئے کتاب کی طباعت کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا۔

مگر پھر بھی ضرورت بدستور محسوس کی جاتی رہی کہ اس عظیم رہنما جس نے مناظرہ سیاست، خطابت اور دیگر میدانوں میں اپنی انفرادیت برقرار رکھی اس کی مبسوط سوانح لکھ کر ارباب ذوق تک پہنچائی جائے۔ چنانچہ یہ بیڑا راقم نے اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھالیا۔ یونیورسٹی میں درس وتدریس کی مصروفیت اور پھر اس عظیم مگر گمنامی پسند مذہبی رہنما کی سوانح سے متعلق مواد کی عدم دستیابی کے سبب کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوسکوں گا مگر بزرگان دین کے صدقے وطفیل خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی مدد اس طرح شامل حال رہی کہ یہ کتاب صرف دو سال کی کدوکاوش کے بعد آپ کے ہاتھوں میں آ گئی۔

کتاب میں متعدد بحثیں ہیں جن کے ذریعہ زندگی کے ہر پہلو کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی مجھے پورا اعتماد ہے کہ ان کے تمام گوشہ ہائے زندگی تک مجھ کم سواد کی رسائی نہ ہوسکی ہوگی۔ البتہ جتنا لکھا گیا ہے دلائل وشواہد سے مربوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ ان کی زندگی کے جن گوشوں پر زیادہ لکھنے کی ضرورت تھی جیسے مناظرانہ صلاحیت، قلمی خدمات ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو بعض مباحث پر مزید خامہ فرسائی کی جاسکتی تھی۔

کتاب کی ترتیب میں بڑی متانت اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے استاذانہ نہیں تلمیذانہ ہے۔ حتی الامکان قلم کو جذبات کی رو میں بہنے سے روکا گیا ہے۔ پھر بھی بیان حقائق میں ممکن ہے کوئی ایسا جملہ رقم ہو گیا ہو جو کسی کی دل شکنی کا سبب بنا ہو تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں لیکن یہ یاد رہے کہ ایسے جملوں سے کسی کی تنقیص وتحقیر مقصود نہیں بلکہ صرف بیان حقائق مدنظر ہے۔

حوالے سے متعلق میں نے انھی کتابوں کا التزام کیا ہے جو مجھے مدارس وجامعات کی لائبریریوں، کسی اہل علم کی ذاتی لائبریری یا کسی اکیڈمی وکتب خانے میں دستیاب ہوئیں، میں نے انھیں۔

تمتع زہر گوشہٴ یافتم زہر خرمنے خوشہٴ یافتم

کے مانند پڑھا، مطالعہ کیا پھر انھی میں سے کچھ اپنے مطلب کی نکال کر آپ تک پہنچایا مگر بعض جگہوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ غیر ضروری عبارت نقل کرنے کے بجائے کتاب کی ضخامت کے خوف سے حوالوں پر ہی اکتفا کرلیا گیا ہے اور اسی خوف سے علمائے کرام کے اسماء آداب والقابات سے لکھنے کے بجائے مشہور ومعروف القاب وخطابات مختصراً دیئے گئے ہیں۔ جیسے شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں قادری کے لئے ''فاضل بریلوی''، ''اعلیٰ حضرت'' اور ''صاحب تذکرہ حضرت مولانا حشمت علی خاں قادری کے لئے ''شیر بیشۂ اہل سنت'' یا کہیں صرف ''مولانا حشمت علی'' حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے لئے ''صدر الافاضل''، حضرت علامہ امجد علی اعظمی کے

لئے "صدر الشریعہ" (علیہم الرحمۃ والرضوان) وغیرہ۔

کتاب کی ترتیب میں اولاً اصل ماخذ سے استفادہ کی کوشش کی گئی ہے، جب کسی قول کی تائید اصل ماخذ سے ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی ہے تو ثانوی ماخذ کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان میں مورخانہ دیانت کو پیش نظر رکھا ہے۔ سب کا تذکرہ احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

کسی ضخیم کتاب کا اتنی قلیل مدت میں منظر عام پر لانا ناممکن نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبدالمصطفیٰ صدیقی گونڈوی نے ایک زمانے میں شیر بیشۂ اہل سنت کی سوانح لکھنے کا اعلان کیا تھا جس کے لئے انھوں نے بڑی تگ ودو بھی کی تھی۔ مواد کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر لیا۔ مگر تدریسی وتبلیغی مصروفیات اور دیگر علمی مشاغل کے سبب اسے کتابی شکل نہ دے سکے۔ ناچار انھوں نے وہ بکھرے مواد شہزادۂ شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا محمد ادریس رضا مدظلہ العالی کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کردئے کہ اسے کسی صاحب قلم کے سپرد کردیا جائے۔ شیر بیشۂ اہل سنت کی ایک مبسوط سوانح لکھنے سے متعلق ان سے میں اپنا ارادہ پہلے ظاہر کر ہی چکا تھا۔ موصوف نے وہ بکھرے مواد میرے حوالے کردئے۔ جس سے مجھے کتاب کی ترتیب میں سہولت ملی۔ کم سے کم وقت صرف کرنا پڑا "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے تحت بکھرے مواد کے اس حصہ کو اپنی کتاب میں جگہ دی جو میرے لئے مناسب تھا۔ اس طرح یہ کتاب پیہم مصروفیات کے سبب دو سال کی قلیل مدت میں آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوسکا۔ یہ واضح رہے کہ مولانا عبدالمصطفیٰ صدیقی کی کاوشیں اگر مجھ تک نہ پہنچتیں اور خلیفہ شیر بیشۂ اہل سنت الحاج احمد عمر ڈوسا ممبئی اس کی طباعت کا سارا خرچ نہ برداشت کرتے تو شاید یہ کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں نہ ہوتی۔

کتاب کی ترتیب سے پہلے ارادہ تھا کہ انداز تصنیف کا وہی معیار اس میں برقرار رکھا جائے گا جیسا کہ میں نے "مولانا حشمت علی لکھنوی اور تحریک پاکستان" نامی کتاب میں کیا ہے۔ کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کے اندیشے سے ناچار اس ارادے کو مسترد کرنا پڑا۔

آج کی ادبی دنیا میں دانشوروں اور بزرگوں کے واقعات و مکتوبات کے جمع کرنے اور پھر ان کو منظر عام پر لانے کا کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ اس موضوع سے متعلق کئی اہل علم کی کاوشیں منصۂ شہود پر آ کر ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے میں نے بھی آخر میں مکتوبات کی سرخی کے تحت کچھ ان کے اور کچھ ان کے پاس اکابر علما کے آئے ہوئے خطوط نقل کر دئے ہیں جو سیاسی، سماجی، علمی اور مناظرانہ موضوعات کے علاوہ نجی زندگی اور معاملات سے بھی متعلق ہیں۔ ان خطوط سے اگر ایک طرف ان کے معاصرین سے روابط کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف خود ان کی زندگی کے اہم گوشوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

کسی شخص کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس دور کے اکابرین اور معاصرین کے آراء و افکار کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس سے شخصیت کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لئے میں نے ''تاثرات'' کا باب قائم کر کے اکابر علماء اور معاصر دانشوروں کے آراء کے علاوہ شعرائے اسلام کے منظوم خراج عقیدت بھی درج کر دئے ہیں تا کہ کسی نہج سے کتاب تشنہ نہ رہ جائے۔

مناظروں کی روداد میں جو مطبوعہ ہیں ان کی میں نے نشاندہی کر دی ہے اور جن مناظروں کی روداد اب تک شائع نہیں ہوئی ہے اس کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ عام طور پر ایسا انھی مناظروں کی بابت کیا گیا ہے جن کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے۔ چھوٹے مناظروں اور علمی مباحث کی نہ تو ہمارے پاس کوئی روداد ہے اور نہ ہی کوئی باضابطہ ریکارڈ تاہم درج شدہ مناظروں کی روداد سے ان کی مناظرانہ صلاحیتوں کا اندازہ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

درمیان کتاب کچھ باتیں آپ کو ایسی بھی ملیں گی جن کا کوئی حوالہ نہیں ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عبارت کسی اہل علم کی گفتگو کا خلاصہ ہے یا کسی تقریر کی کیسٹ کی ترجمانی۔ ایسا صرف موضوع کو موثر بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

قارئین کی سہولیات کی خاطر کتاب پانچ ابواب میں تقسیم کر دی گئی ہے تا کہ پڑھنے والا جلد ہی اپنا مقصود حاصل کر سکے۔ ان ابواب کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلا باب ذاتی حالات اور دوسرا باب خاندانی شخصیات، تیسرا باب ''عادات وخصوصیات'' چوتھا باب ''فضائل وکمالات'' اور پانچواں باب ''آثاروتاثرات'' پر مشتمل ہے۔

اختتام ابواب پر میں نے ان تمام کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی فہرست ''کتابیات'' کے عنوان سے دے دی ہے جن کی مدد سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ان رسائل واخبارات میں سے میں نے بعض سے بالواسطہ اور بعض سے بلاواسطہ استفادہ کیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں ملک وملت کی ان تین جلیل القدر ہستیوں کی تقریب وتقدیم بھی شامل ہے جن کی شخصیت دنیائے علم وادب میں مہر نیم روز کی طرح روشن وتاباں ہے۔ ایسا میں نے اپنی کتاب کو وقیع اور مستند بنانے کے لئے کیا ہے۔

کسی بھی کاوش فکر کو الفاظ کا جامہ پہنا کر زیور طبع سے آراستہ کر کے اہل علم تک پہنچانا جوئے شیر لانے کے مانند ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو صبر آزما اور دشوار گزار مراحل سے گزارتے ہوئے اپنی فکری کاوش کو قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ یہ کتاب جن مراحل سے گزر کر آپ تک پہنچی ہے اس کا احساس مجھ سے زیادہ میرے ان احباب کو ہے جنھوں نے اسے اپنا ذاتی کام سمجھ کر اس کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ بہرحال کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

''در شہر آبگینہ فروش است وجوہری''

کے مانند مطالعہ کرنا اور کھرے کھوٹے کی تمیز کر کے اس کاوش کی حوصلہ افزائی کرنا اب آپ کا کام ہے۔ ہمیں تو صرف آپ کے گراں قدر تاثرات اور مخلصانہ مشوروں کا انتظار رہے گا۔

حالِ دل، احوال غم، شرحِ تمنا، عرضِ شوق
بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم

۱۹/اپریل ۱۹۹۰ء
۲۲/رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
لکچرار شعبہ علوم اسلامیہ
جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

کلمۂ تقدیم

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی
صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

اسلاف کے کارنامے اخلاف کے لئے عبرت وموعظت کے دفتر ہوتے ہیں۔اسی لئے دنیا میں تاریخ وتدوین کی داغ بیل پڑی اور عہد رسالت سے لے کر آج تک کے لاکھوں مشاہیر اسلام کے حالات زندگی قلم بند موجود ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے صفِ اول کی شخصیتوں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔مگر جمود وتعطل کا برا ہو کہ ہمارے کسی فرد کو اس کا خیال نہ ہوا کہ ان کی سوانح جمع کی جائے۔ادھر ماضی قریب میں عزیز گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی جو ایک نوجوان صاحب قلم ہیں انھوں نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنی بساط بھر کوشش کی اور یہ کتاب مرتب کر کے عوام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب اس جامع کمالات شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر چہ مختصر ہے مگر جب کچھ نہ ہو تو کچھ ہونا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ہوسکتا ہے یہ نامکمل اوراق کسی صاحب کو ایک جامع کامل سوانح عمری لکھنے پر آمادہ کریں اور اسی بہانے حضرت کی شایان شان ایک سوانح وجود میں آجائے۔

ہر درد مند دل کو رونا قرار لائے

محب گرامی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کی یہ کتاب حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ کی جامع شخصیت کی جامعیت کی ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں اجمالی طور پر جو باتیں

مذکور ہیں اگر انھیں مفصل کر دیا جائے تو اسی کوزے سے سمندری لہریں امنڈ سکتی ہیں جن کا نام حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ کا کردار ہے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ اپنے اندر اوصاف علمیہ وعملیہ کی وہ جامعیت رکھتے تھے کہ ان سب کا اجتماع ایک ذات کے اندر شاید باید پایا جاتا ہو۔ خطیب ایسے شعلہ نوا کہ ہزارہا ہزار کے مجمع کو والہ وشیدا بنا دیتے تھے۔ عالم متبحر ایسے کہ دقیق سے دقیق تر مسائل علمیہ مستحضر رہتے تھے۔ مرشد طریقت ایسے کہ ہزاروں وابستگان برما، پاکستان، افریقہ، مدراس، بنگال، ہندوستان کے طول وعرض میں موجود ہیں۔ اخلاق اتنے وسیع کہ جو ایک بار ملا زندگی بھر ان کا دم بھرتا رہا۔ شریعت کی اتباع اتنی واثق کہ فرائض وواجبات کہاں ترک ہوتے مستحبات پر سفر وحضر میں بالالتزام عمل فرماتے۔ فراخ دل، سیر چشم ایسے کہ کبھی دولت دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا جود وسخا میں ایسے کامل کہ جو آیا خرچ ہوا کل کے لئے اٹھا رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ کمال جس نے انھیں کندن بنا کے چمکایا اور جس نے دنیا کو مجبور کیا کہ انھیں شیر بیشۂ اہل سنت کے لقب سے یاد کرے۔ وہ استقامت علی الحق، تصلب فی الدین، الحب للہ والبغض فی اللہ کا جوہر واحقاق حق وابطال باطل کا وہ ولولہ تھا جس میں وہ منفرد تھے۔ حق کے اعلان اور باطل کے رد وابطال میں کبھی انھوں نے اس کی پرواہ نہ کی کہ میرے ساتھ کوئی ہے یا نہیں۔ شیر نیستاں کی طرح یکہ وتنہا دہاڑتے وگرجتے رہے اور ایوان باطل میں تہلکہ ڈالتے رہے۔ ساتھیوں کی پرواہ کیا کرتے؟ موذیوں کی ایذا رسانی، حاسدین کی ریشہ دوانی، ملامت گروں کی شدید سے شدید ملامت نے بھی کبھی نہ ان کے قدم میں ادنیٰ سی لرزش پیدا کی اور نہ زبان میں لوچ آنے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ اس کے حقیقی مصداق تھے۔

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

عزیز گرامی مولانا غلام یحییٰ انجم مصباحی ان نوجوان سعادت مند اہل قلم میں سے ہیں جنھوں نے کم عمری ہی میں ملک کے دانشوروں سے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے۔ ان کے

مقالات ہندو بیرون ہند کے مختلف معیاری رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں اور ملک میں اسلامیات کے موضوع پر ہونے والے کئی اہم سیمیناروں میں شرکت کر کے اپنے مقالات بھی پیش کر چکے ہیں۔ مزید چھوٹی بڑی مطبوعہ و غیر مطبوعہ گیارہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے ڈاکٹر انجم بڑے موزوں ترین شخص تھے کیونکہ ان کی شخصیت کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے خلفاء و مریدین میں سے بعض دانشوروں سے ان کے مراسم بھی ہیں جن کے سامنے حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اب بھی کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر کے جس علاقے سے ان کا وطنی تعلق ہے اس علاقے میں مذہب حق کی اشاعت حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی رہین منت ہے۔ مصنف کا بچپن اور جوانی کے لمحات انھیں کے مریدین اور خادمین کے درمیان گزرے ہیں۔ یہی وہ جذبات و احساسات ہیں جس کے سبب یہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی پروقار شخصیت پر مبسوط اور اہم سوانح لکھنے کے اہل قرار پائے۔

عزیز القدر ڈاکٹر انجم اشرفیہ کے ان چند فارغین میں سے ایک ہیں جن پر ادارہ جتنا ناز کرے کم ہے۔ یہاں جب تک وہ زیر تعلیم تھے اپنی انفرادیت برقرار رکھے رہے اور سال آخر فضیلت کا امتحان بھی امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہوئے تو وہاں بھی اپنے تشخص کے ساتھ دس سال کی طویل مدت گزار دی۔ پہلے تو انھوں نے وہاں کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور پھر وہیں شعبہ دینیات (سنی) میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ قدیم و جدید مشرقی علوم پر ان کی نظر ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو ان کو ان کے دوسرے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ چونکہ انھوں نے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے اس لئے مدارس کی دنیا سے ہٹ کر ریسرچ و تحقیق کا جو انداز و معیار یونیورسٹی کے اندر پایا جاتا ہے وہ بھی ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ زیر نظر کتاب کے صفحات اس کے بہترین شواہد ہیں۔

زیر نظر کتاب میں انجم صاحب نے الگ الگ عنوان کے تحت حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو موضوع قلم بنایا ہے اور ہر بحث میں انھوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے

جس سے ان کی دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔

سیرت وسوانح کے موضوع پر مصنف کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ اس سے قبل ''مصری مورخین ایک تنقیدی مطالعہ''، ''تذکرہ علمائے بستی'' اور ''متنبی ایک تحقیقی مطالعہ'' شائع ہو کر حلقۂ علم وادب سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

بارگاہ قاضی الحاجات میں استدعا ہے کہ اس کتاب کو بھی قبول عام کا درجہ حاصل ہو اور دوسری کتابوں کی طرح اسے بھی تحسین کی نظروں سے دیکھا جائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

شریف الحق امجدی

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ یوپی

کلمۂ تکریم

از رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری
بانی و مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الصادق الامین الکریم

چل کے بسمل کی حکایت تو سنو
کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت ابوالفتح علامہ الحاج مفتی محمد حشمت علی خاں قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے وقت آپ جگہ جگہ دیوبندی علماء کے ساتھ ان کے بحث و مناظرہ کے واقعات پڑھیں گے۔ کتاب میں ان کی تقریروں اور تحریروں کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں ان میں بھی آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ دیوبندی مذہب کا ردو ابطال ہی ان کا خاص موضوع سخن رہا ہے۔

علمائے دیوبند کے لئے پہلے سے اگر کوئی نرم گوشہ آپ کے دل میں موجود ہے تو اس کتاب کے مطالعہ کا آپ پر قدرتی ردعمل یہ ہوگا کہ آپ غصے کی جھنجھلاہٹ میں اسے بند کر کے کہیں ایک طرف رکھ دیں گے لیکن اگر آپ بردبار، معاملہ فہم اور صاحب فکر سلیم ہیں اور واقعات کی تہہ میں اتر کر حقائق کی تلاش کا جذبہ اعتدال کے ساتھ آپ کے اندر موجود ہے تو آپ یہ جاننے

کی ضرور کوشش کریں گے کہ علماء دیوبند سے ایک ملک گیر محاذ جنگ کی بنیاد آخر کیوں کر پڑی۔ بحث ومناظرہ کے وہ حقیقی اسباب وعلل کیا تھے؟ جن کے زیر اثر سالہا سال تک پورے ملک میں یہ معرکے گرم رہے۔

یہ نزاع دو چار آدمیوں تک محدود ہوتا تو اسے شخصی یا خاندانی مفادات کی آویزش کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا تھا لیکن علمائے دیوبند کے خلاف مذہبی پیکار کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ملک ہی نہیں بیرون ملک کا بھی بہت بڑا خطہ اس کی لپیٹ میں ہے۔ مساجد سے لے کر مدارس تک مذہبی زندگی کے سارے شعبے اس اختلاف سے اس درجہ متاثر ہیں کہ دیہات سے آفاق تک پوری قوم دو ملتوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اس لئے اس ہمہ گیر اختلاف کو دیوبند اور بریلی کا شخصی نزاع قرار دے کر اس کے حقیقی محرکات سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

نہایت افسوس اور قلق کے ساتھ مجھے ہندو پاک کے مسلم مورخین سے یہ شکوہ ہے کہ انھیں آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ غیر جانبداری کے ساتھ علمائے دیوبند کے خلاف ان مذہبی بے چینیوں کی صحیح بنیاد معلوم کرتے جو ملک و بیرون ملک کے کروڑہا کروڑ مسلمانوں کے درمیان نصف صدی سے پھیلی ہوئی ہیں اور جس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ ایک نہ ختم ہونے والے روحانی کرب اور ذہنی وفکری انتشار کا شکار ہے۔ ہماری مظلومی کے ساتھ اس سے بڑھ کر دردناک مذاق اور کیا ہوسکتا ہے کہ عین بے خبری کی حالت میں ہمارے احتجاج کو فتنہ انگیزی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ اپنے غم وغصہ اور اپنے جذبے کی تباہیوں کا اظہار ہر مظلوم کا واجبی حق ہے۔

اتنی تمہید کے بعد اب ہم اس مذہبی نزاع کی پوری تفصیل اس امید کے ساتھ اہل علم کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ وہ اس کی روشنی میں نزاع کے اصل محرکات کا پتہ چلائیں گے۔ بالفرض نگاہوں پر بوجھ ہو جب بھی یہ سرگزشت صبر وتحمل کے ساتھ پڑھئے کہ حقیقت کا متلاشی کسی گروہ کا طرفدار نہیں ہوتا۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلافات کی تین مضبوط بنیادیں

کچھ کم ایک صدی سے ساری دنیا میں دیوبند اور بریلی کی مذہبی آویزش کا جو شور برپا ہے اور جس کے ناخوشگوار اثرات پریس سے لے کر اسٹیج تک پوری طرح نمایاں ہیں وہ بلاوجہ نہیں ہے۔ اگر اس حقیقت کی تلاش کے لئے آپ نے اپنے ذہن کا دروازہ کھلا رکھا ہے تو ذیل میں اس مذہبی نزاع کی وہ حقیقی بنیادیں پڑھئے جنھوں نے امت کو دو ملتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلی بنیاد

اپنی مذہبی سرشت کے اعتبار سے مسلمان کا جو والہانہ تعلق اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محترم ذات سے ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا ایمان اپنے رسول کی بارگاہ میں اتنا مؤدب اور حساس ہے کہ رسول کی حرمت پر ذرا سی خراش بھی اسے برداشت نہیں۔ ناموس رسول کے تحفظ کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر دور میں جس والہانہ جذبے کے ساتھ اپنی فداکاریوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ کا جانا پہچانا واقعہ ہے۔ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وارفتگی کا یہ رخ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی گستاخ کے خلاف غم وغصہ اور نفرت وغضب کے اظہار کے سوال پر کبھی یہ نہیں دیکھا کہ نشانے پر کون ہے۔ باہر کا ہو یا اندر کا جس نے بھی رسول کی شان میں گستاخانہ جسارت کا اظہار کیا مسلمانوں کی غیرت ایمانی کی تلوار اس کے خلاف بے نیام ہو گئی۔

آج ملعون رشدی کی زندہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ رسول کی حرمت پر حملہ کر کے اس نے سارے عالم اسلام کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ قابل رشک ہیں شہیدان محبت جو رشدی کے خلاف اپنی غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آقا کی عزت پر قربان ہو گئے۔

علمائے دیوبند کے خلاف بھی ہمارے غم وغصہ کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے کہ ان کے اکابر نے اپنی بعض کتابوں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں سخت گستاخانہ کلمات استعمال کئے ہیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) علمائے دیو بند کے مذہبی پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو رذائل اور حیوانات و بہائم کے علم سے تشبیہ دی ہے جس کے وہ خود بھی اقراری مجرم ہیں۔

اہل علم و ادب زبان کے اس محاورے سے اچھی طرح واقف ہیں کہ محترم چیزوں کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ سے عظمت و تکریم کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور جب رذائل کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے توہین و تنقیص کے معنی نکلتے ہیں۔ اردو زبان کے محاورات میں تشبیہ و تمثیل کا یہ ضابطہ اتنا شائع اور ذائع ہے کہ کوئی صاحب علم اس کے ان معانی و مطالب کے استلزام سے انکار نہیں کر سکتا۔

اس بنیاد پر ہمارا یہ دعویٰ شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مولانا تھانوی بارگاہ رسالت کے گستاخ ہیں۔ انھوں نے رسول پاک کے علم شریف کو رذائل کے علم سے تشبیہ دے کر اہانت رسول کے خوفناک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

(۲) علمائے دیو بند کے دوسرے اور تیسرے مذہبی پیشوا مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ زمین کے علم محیط کے سوال پر شیطان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ شیطان کے مقابلے میں جو شخص رسول کی وسعت علم کا عقیدہ رکھتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ شیطان کے علم کی وسعت پر قرآن وحدیث ناطق ہیں۔ رسول کے علم کی وسعت پر نہ قرآن میں کوئی دلیل ہے اور نہ حدیث میں۔

اس میں قطعاً دورائے نہیں کہ شیطان کے مقابلے میں رسول پاک کے علم کی تنقیص ایک کھلا ہوا کفر اور ایک کھلی ہوئی گستاخی ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی کھلی ہوئی گستاخی اور کھلا ہوا کفر ہے کہ شیطان کے مقابلے میں جو شخص رسول پاک کی وسعت علم کا عقیدہ رکھتا ہے وہ مشرک ہے لیکن یہی عقیدہ شیطان کے بارے میں رکھنا شرک نہیں ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی رسول پاک کی صریح تنقیص ہے کہ رسول پاک کے علم کی وسعت پر قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے لیکن شیطان کے علم کی وسعت پر قرآن میں بھی دلیل ہے اور حدیث میں بھی۔

(۳) علمائے دیوبند کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا مولانا قاسم نانوتوی (خود ساختہ) بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے۔ جب کہ حضور کو خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے آخری نبی ماننا قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی۔

بلکہ اپنی کتاب میں انھوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضور کے زمانے یا حضور کے بعد بھی اگر کسی نئے نبی کا آنا فرض کیا جائے جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ حالانکہ یہ بات آسانی سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ باطل ہوجاتا ہے۔ مولانا نانوتوی کی یہی وہ کتاب ہے جسے قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے جواز کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ ختم نبوت کے مسئلے میں علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارا اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی اور بنیادی ہے اور یہ اختلاف حرمت وحلت کا نہیں بلکہ کفر واسلام کا ہے۔

دعوت انصاف

دیوبندی علماء کے ساتھ ہمارے اختلاف کی یہ پہلی بنیاد ہے جو ان کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ واضح رہے کہ اس بنیاد کا تعلق اہانت رسول اور انکار ضروریات دین سے ہے جس کے کفر ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے۔ قرآن کی بے شمار آیتیں اس عقیدے پر شاہد عدل ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہلکی سی گستاخی بھی اسلام اور ایمان کے رشتے کو منقطع کر دیتی ہے۔ علم اور عبادت کی کوئی فضیلت گستاخی کے انجام بد سے کسی کو ہرگز نہیں بچا سکتی۔

اس موقع پر اپنے قارئین سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز تحریروں کو آپ اس زاویہ نظر سے ہر گز مت پڑھئے کہ یہ دیوبند اور بریلی کا ایک مذہبی نزاع ہے بلکہ مطالعہ کرتے وقت اپنی فکر کو اس نقطے پر مرکوز رکھئے کہ اکابر دیوبند کی ان عبارتوں کی ضرب براہ راست رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحرمت پر پڑتی ہے۔ان کے گستاخ قلم کا حملہ علمائے بریلی پر نہیں بلکہ خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محترم پر ہے۔

اگر خدانخواستہ آپ نے ان تحریروں کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا کہ یہ دیوبند اور بریلی کے نام سے دو مکتب فکر کے علماء کا باہمی جھگڑا ہے تو جذبے کا وہ والہانہ تقدس باقی نہیں رہے گا جو اپنے رسول کی حمایت میں کسی کے خلاف دوٹوک فیصلہ کرنے کے لئے مطلوب ہے۔

میری اس گزارش کا مدعا صرف اتنا ہے کہ اپنی کسی بھی محبوب شخصیت کے مقابلے میں ''رسول'' کو ترجیح دینے کا سوال خود آپ کے اپنے ایمان کا تقاضا ہونا چاہئے۔اس لئے علمائے بریلی کو آپ ایک طرف رکھئے اور خود اپنے ''مومن ضمیر'' سے دریافت کیجئے کہ اکابر دیوبند کی ان تحریروں سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت مجروح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور دین کے اصول وضروریات سے انحراف کا پہلو واضح ہوتا ہے یا نہیں؟ ان کی یہ تحریریں کسی اجنبی زبان میں نہیں ہیں کہ آپ کو کسی مترجم کی ضرورت پیش آئے۔وہ سیدھی سادھی اردو زبان میں ہیں جنھیں آپ بھی سمجھنا چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں۔ ہماری طرف سے حوالوں کی نشاندہی پر آپ کو اعتماد نہ ہو تو اصل کتاب منگوا کر دیکھ لیں وہ آج بھی کتب خانوں سے دستیاب ہو جاتی ہیں۔

اب رہ گیا علمائے بریلی کا سوال تو اس سلسلے میں ان کا کردار اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز عبارتوں کو پڑھنے کے بعد جو انھیں ناقابل برداشت اذیت پہنچی اور جس روحانی کرب کے اضطراب میں وہ اچانک مبتلا ہو گئے اس کے ردعمل کا اظہار انھوں نے برملا کیا۔تعلقات کی کوئی مصلحت اس راہ میں انھیں حائل نہیں ہوئی۔

اس کے بعد انھوں نے دیوبند کے ان اکابرین سے براہ راست رابطہ قائم کیا اور دلائل کی

روشنی میں ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ان کفری عبارتوں سے جو تنقیص شان رسالت اور انکار ضروریات دین پر مشتمل ہیں اعلانیہ توبہ صحیحہ شرعیہ کریں اور اپنی کتابوں سے ان دلآزار عبارتوں کو نکال دیں لیکن ان کی جھوٹی عزت وشہرت اس راہ میں حائل ہوگئی اور انھوں نے عار پر نار کو ترجیح دی۔

گستاخان رسول کے درمیان ایک قدر مشترک

سلسلۂ کلام سے ہٹ کر ایک بات اپنے قارئین کرام کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں امید کہ انتظار کا یہ لمحہ آپ کو بار خاطر نہ ہوگا۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محترم میں گستاخی کرنے والوں کی تاریخ کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو ہر گستاخ کی یہ سرشت قدر مشترک کے طور پر آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی کہ دل کے جذبۂ نفاق کے زیر اثر جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ ان کی زبان یا قلم سے نکل جاتا ہے تو باز پرس کرنے پر ایک شرمسار مجرم کی طرح وہ اپنے کلمۂ کفر سے توبہ کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے غلط سلط تاویل اور سخن پروری کے جذبے کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

عہد رسالت میں بھی منافقین مدینہ کا یہی رویہ تھا۔ چنانچہ ایک سفر سے واپسی کے موقع پر جب منافقین نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ استعمال کیا۔ صحابۂ کرام کے ذریعہ حضور تک یہ بات پہنچی اور حضور نے منافقین سے اس کے متعلق باز پرس فرمایا تو انھوں نے اعتراف جرم اور توبہ ومعافی کے بجائے بات بنانے، تاویل کرنے اور حیلے بہانے تراشنے کا رویہ اختیار کیا۔ چونکہ اس وقت نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا اس لئے فوراً ان کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی کہ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ) حیلے بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر نزول وحی کا سلسلہ جاری نہ رہتا تو ان کے جھوٹ کا پردہ فاش نہ ہوتا اور وہ کلمہ پڑھ کر مسلم معاشرے میں اپنے کفر کو چھپائے رکھتے۔

سخن پروری کی تازہ مثال

منافقین مدینہ کا یہ کردار عہد حاضر میں آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی

دہلی کے پرووائس چانسلر کا قضیہ پڑھئے۔انھوں نے کسی انگلش میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے سیکولر کہلانے کے شوق میں ملعون زمانہ رشدی کی کتاب کے بارے میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ حکومت ہند نے اس کتاب پر جو پابندی عائد کی ہے اسے اٹھالینا چاہئے کیونکہ ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کا بنیادی طور پر حق حاصل ہے۔

اس فقرے کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رشدی نے اپنی ملعون کتاب میں جو اہانت رسول کی ہے اس پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسے اپنی رائے کے اظہار کا بنیادی طور پر حق حاصل ہے۔دوسرے لفظوں میں اپنے اس فقرے کے ذریعہ مشیر الحسن نے اہانت رسول کی کھلی ہوئی حمایت کی۔جامعہ ملیہ اسلامیہ کے غیور اور سرفروش طلبہ قابل تکریم و تحسین ہیں کہ جب انھوں نے یہ انٹرویو پڑھا تو ایک گستاخ رسول کی حمایت کی بنیاد پر وہ تحفظ ناموس رسول کے جذبے میں مشیر الحسن کے خلاف پوری طرح صف آرا ہو گئے اور انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ گستاخ کا حامی بھی گستاخ ہی ہوتا ہے۔اس لئے مشیر الحسن کو اس کے منصب سے فوراً ہٹایا جائے۔ہم ایسے دلآزار شخص کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔

چونکہ یہ مسئلہ ناموس رسول کا تھا اس لئے جامعہ ملیہ کے اساتذہ کی بڑی تعداد نے بھی ہر طرح کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر طلبہ کے موقف کی حمایت کا اعلان کردیا۔دہلی کے مسلمانوں تک جب اس قضیہ کی تفصیل پہنچی تو ہر طرف مشیر الحسن کے خلاف نفرت و بےزاری کی لہر دوڑ گئی اور طلبہ کے مطالبے میں شہر کے عوام بھی شریک ہو گئے۔ذاکر نگر کا انجمن رضا نے جس جذبۂ سرفروشی کے ساتھ مشیر الحسن کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا اور جامعہ کے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں صحیح مشورے دئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

لیکن دارالعلوم دیوبند کے علماء؟

صرف دارالعلوم دیوبند کے علماء جن میں مولوی سالم صاحب ابن قاری طیب صاحب اور مولوی احمد علی قاسمی اور ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے ورکنگ جنرل سکریٹری مولوی فضیل احمد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان تمام حضرات کے نزدیک مشیر الحسن کی گستاخی ثابت

نہیں ہے...... جیسا کہ روزنامہ ''قومی آواز'' دہلی کی مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں ان کے مشترکہ بیان کے الفاظ یہ ہیں:

''طلبہ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کو شاتم رسول (گستاخ رسول) کہا جارہا ہے وہ واقعتاً شاتم رسول ہے کہ نہیں۔''

کس قدر افسوس اور قلق کی بات ہے کہ جامعہ ملیہ کے طلبہ کو جو عالم دین نہیں ہیں، جامعہ ملیہ کے اساتذہ کو جو عالم دین نہیں ہیں اور دہلی کے مسلمانوں کو مشیر الحسن کی گستاخی سمجھ میں آ گئی لیکن دار العلوم دیوبند کے علماء اس گستاخی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

حالانکہ قومی آواز کی اسی اشاعت میں اخبار کے آخری صفحہ پر مشیر الحسن کی بابت شیخ الجامعہ مسٹر بشیر الدین احمد کی ایک اپیل شائع ہوئی ہے جس کا یہ حصہ مشیر الحسن کے جرم پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔

''جامعہ کے پرووائس چانسلر پروفیسر مشیر الحسن نے اس کتاب (رشدی کی کتاب) پر عائد پابندی اٹھانے سے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے وہ چونکہ باعث تکلیف ہے اور اس کی وجہ سے ناراضگی اور احتجاج کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔''

وائس چانسلر کی اسی تحریر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مشیر الحسن کے خلاف طلبہ کا الزام بے بنیاد نہیں ہے کیونکہ پابندی اٹھانے کی بات انھوں نے اسی بنیاد پر کی ہے کہ ہر شخص کو بنیادی طور پر اظہار خیال کی آزادی حاصل ہے۔ اس لئے سلمان رشدی نے پیغمبر اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اپنے حق کا جائز استعمال کیا ہے لیکن سخت افسوس ہے کہ اتنی وضاحت کے باوجود دار العلوم دیوبند کے یہ علماء مشیر الحسن کو بے گناہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کی بے گناہی کی جو سب سے بڑی دلیل ہے وہ یہ ہے۔ پڑھئے اور خون کا گھونٹ پیجئے۔

''جس شخص کو شاتم رسول (گستاخ رسول) کہا جارہا ہے وہ وضاحت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ وہ اس گناہ سے بری ہے اور حضور کا مکمل احترام اپنے قلب میں رکھتا ہے۔''

دارالعلوم دیوبند کے ان علماء کی کج فہمی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ انھیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کسی دعوے کے ثبوت کے لئے مجرم کا اقرار ضروری نہیں ہے۔ اس کا بیان اور بیان کے الفاظ دعوے کے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں۔ ورنہ بتایا جائے کہ اسلامی تعزیرات کی تاریخ میں کس گستاخ کو اقرار جرم کی بنیاد پر سزا دی گئی ہے۔ تاریخ میں جسے بھی کوئی سزا ملی ہے اس کے الفاظ و بیان ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ کیا دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء یہ ثابت کر سکتا ہے کہ کلمہ کفر کی بنیاد پر جس کی بھی اس نے تکفیر کی ہے اس سے کفر کا اقرار کروایا ہے لیکن مشیر الحسن کے بارے میں سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جذبۂ حبّ رسول پر مشیر الحسن کی حمایت کا جذبہ اگر غالب نہ آ گیا ہوتا تو دارالعلوم دیوبند کے یہ علماء ایسی بچی بات ہرگز نہ کہتے۔ کس مصلحت نے انھیں مشیر الحسن کے حق میں صفائی کا وکیل بنا دیا ہے اسے وہی بتا سکتے ہیں۔

ہم نے تو یہ قصہ صرف اسی لئے چھیڑا ہے کہ ہمارے قارئین اس بات کو سمجھ سکیں کہ جذبۂ حب رسول کسی گستاخ کے خلاف کس طرح اہل ایمان کو متحد کرتا ہے اور جن لوگوں کا سینہ اس مقدس جذبے سے خالی ہے وہ گستاخ کی حمایت کے لئے کتنی بے حیائی کے ساتھ رکیک اور مضحکہ خیز تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔

گستاخان رسول کی سرشت اور ان کے حامیوں کا ذہن و کردار سمجھانے کے لئے میں اپنے اٹھائے ہوئے سلسلہ کلام سے بہت دور نکل آیا۔ اب پھر آپ پچھلے اوراق میں اکابر دیوبند کے خلاف اہانت رسول کے الزامات کی بحث سے اپنے ذہن کا رشتہ جوڑ لیں۔

ٹھیک اسی طرح اس وقت بھی دیوبند کے علماء نے اپنے اکابر کی گستاخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے معاندکارویہ اختیار کر لیا اور سخن پروری کے جذبے سے مسلح ہو کر وہ میدان میں اتر آئے اور پوری قوت کے ساتھ عوام میں اس بات کی تشہیر کرنے لگے کہ اہانت رسول کے الزام سے ہمارا دامن بالکل پاک ہے۔ یہ سارا جھگڑا علمائے بریلی کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ انھوں نے ہمارے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا جو الزام عائد کیا ہے وہ بالکل جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔

ان کے پاس ذرائع ابلاغ اور مالی وسائل کی کمی نہیں تھی ۔ جب ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ سے عوام متاثر ہونے لگے تو ان کا جھوٹ فاش کرنے کے لئے مجبوراً ہمیں بحث و مناظرہ کا راستہ اختیار کرنا پڑا تا کہ عوام کی عدالت میں بالکل آمنے سامنے یہ حقیقت آشکار ہوجائے کہ ان کے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا الزام جھوٹا نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔

چنانچہ ہر مناظرے کی مجلس میں انھی کے مناظر علماء کے سامنے ان کی کتابوں سے وہ اہانت آمیز عبارتیں صفحہ اور سطر کی نشاندہی کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی رہیں اور ان کے علماء نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کتابیں ہمارے اکابر کی تصنیف کردہ نہیں ہیں اور عبارتیں ان کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

بحث و مناظرہ کے ان معرکوں سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ملک کے عوام کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح اتر گئی کہ اکابر دیوبند کے خلاف اہانت رسول کا الزام بے بنیاد نہیں ہے اور یہ بھی لوگوں نے واضح طور پر محسوس کرلیا کہ علمائے اہل سنت کا یہ سارا اضطراب اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کی بے چینیوں کا یہ سارا مظاہرہ صرف تحفظ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے میں ہے۔

ٹھیک انھی ایام میں جب کہ پورے ملک میں اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز عبارتوں کے خلاف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ صاحب سوانح حضرت شیر بیشۂ اہل سنت عظمت رسالت کے ایک وفا کیش ترجمان کی حیثیت سے سامنے آئے اور تائید ایزدی کے بل پر انھوں نے اپنی قاہر دلیلوں سے دیوبند کے مصنوعی مذہب کی بساط الٹ کر رکھ دی۔

اس زمانے میں تحفظ ناموس رسول کے داعی کی حیثیت سے ان کی آواز برصغیر ہند کے آفاق پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ جس خطے میں بھی وہ پہنچ جاتے تھے سمندر کی لہراتی ہوئی موجوں کی طرح لاکھوں کی بھیڑ ان کے گرد جمع ہوجاتی تھی۔ ان کی تقریروں میں عشق و ایمان کی ایسی مسیحائی تھی کہ چند ہی منٹ کے بعد لوگ اپنی سوکھی ہوئی رگوں میں زندگی کی تپش محسوس کرنے لگتے تھے۔

بحث و مناظرہ کے معرکوں میں دیوبند کے پورے خانوادے پر ان کی ذہانت و حاضر جوابی، ان کی علمی سطوت و جبروت، ان کے دماغی استحضار و قوت حافظہ، ان کی ناقابل تسخیر

جرأت و جسارت، ان کی حیرت انگیز قوت گویائی، ان کے حوصلہ شکن طریقۂ بحث و استدلال اوران کی خداداد قابلیت کی ایسی دھاک جمی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے سورماؤں سے بھرے میدان میں انھوں نے اپنی حقانیت کالوہا منوالیا۔

ان کی زبان شمشیر وسنان کے زخمیوں میں خانوادۂ دیو بند کے جتنے مناظر تھے وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ان میں سے صرف مولانا منظور نعمانی اب تک زندہ ہیں، وہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی قوت بازو اوران کے علم واستدلال کی جلالت وجبروت کا کچھ حال ضرور بتا سکتے ہیں کیونکہ بہت سے معرکوں میں وہ ان کے ساتھ نبرد آزما رہے ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت حق وصداقت کی ایسی زلزلہ فگن آواز تھے جس سے پہاڑوں کے کلیجے دہلتے تھے۔وہ عشق ومستی کی ایک دہکتی ہوئی آگ تھے جوان کے قریب بیٹھ جاتا تھاوہ ان کے نفس آتشیں کی آنچ میں تپنے لگتا تھا۔وہ قہرالٰہی کی ایک کڑکتی ہوئی بجلی تھے جس نے باطل کے کتنے ہی خرمنوں کو خاکستروں میں تبدیل کردیا۔وہ عشق مصطفی کا ایک ایسا پیکرمحسوس تھے کہ انھیں دیکھتے ہی اہل ایمان پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔آج وہ ہمارے درمیان موجودنہیں ہیں لیکن ان کی سوانح کے آئینے میں ان کی حق پرست اور وفاشعار زندگی کے بہت سے خدوخال آپ کو نظر آئیں گے۔ان کے نشان قدم پر اپنی آنکھیں جمائے رکھئے کہ اس عہد فتنہ آشوب میں منزل مقصود تک پہنچنے کی وہ بہترین ضمانت ہے۔

بات کی رو میں اپنے موضوع سے بہت دور نکل آیا۔اب پھر پچھلی بحث کی طرف واپس لوٹئے۔طویل انتظار کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی دوسری بنیاد

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی پہلی بنیاد ان کے اکابر کی وہ عبارتیں ہیں جواہانت رسول اورانکار ضروریات دین پر مشتمل ہیں، جنھیں آپ گزشتہ اوراق میں پوری تفصیل

کے ساتھ پڑھ چکے۔ اگر آپ کی نگاہ میں ہمارے ایمانی احساسات کی کوئی قیمت ہے تو آپ نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ان اہانت آمیز عبارتوں کے ردعمل میں علمائے دیوبند کے خلاف ہماری نفرت و بے زاری کبھی ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔

یہی ایک بنیاد ان سے ہماری علیحدگی کے لئے بہت کافی تھی جب کہ یہ معلوم کر کے آپ حیران رہ جائیں گے کہ اس کے علاوہ علمائے دیوبند کے کچھ مخصوص عقائد بھی ہیں جو فاصلہ بڑھانے میں نہایت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ان عقائد کی تفصیل کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) امتی عمل میں انبیاء سے بڑھ جاتے ہیں (تحذیر الناس)

(۲) صریح جھوٹ سے انبیاء کا محفوظ رہنا ضروری نہیں ہے (تصفیۃ العقائد)

(۳) کذب کو شان نبوت کے منافی سمجھنا غلط ہے (تصفیۃ العقائد)

(۴) انبیاء کو معاصی سے معصوم سمجھنا غلط ہے (تصفیۃ العقائد)

(۵) نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانے سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے (صراط مستقیم)

(۶) نماز میں نبی کا خیال زنا کے خیال اور گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے (صراط مستقیم)

(۷) خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے (یکروزی)

(۸) خدا کو زمان و مکان سے منزہ سمجھنا گمراہی ہے (ایضاح الحق)

(۹) جادوگروں کے شعبدے انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہوتے ہیں (منصب امامت)

(۱۰) صحابہ کرام کو کافر کہنے والا سنت جماعت سے خارج نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۱) محمد یا علی جس کا نام ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویۃ الایمان)

(۱۲) ہر مخلوق چھوٹا ہو (جیسے عام بندے) یا بڑا (جیسے انبیاء و اولیاء) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے (تقویۃ الایمان)

(۱۳) جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن اپنا وکیل اور سفارشی سمجھتا ہے وہ ابوجہل کے برابر مشرک ہے (تقویۃ الایمان)

(۱۴) رسول بخش، نبی بخش، غلام معین الدین اور غلام محی الدین نام رکھنا شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان)

(۱۵) رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ امتی بھی رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہوسکتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۶) بزرگان دین کی فاتحہ کا تبرک کھانے سے دل مردہ ہوجاتا ہے (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ (تقویۃ الایمان)

(۱۸) یہ کہنا کہ خدا اور رسول چاہے گا تو فلاں کام ہوجائے گا شرک ہے (بہشتی زیور)

(۱۹) کسی نبی یا ولی کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر کرنا، ان کے مزار پر روشنی کرنا، فرش بچھانا، جھاڑو دینا، لوگوں کو پانی پلانا اور ان کے لئے وضو اور غسل کا انتظام کرنا شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان)

اپنے قارئین کرام سے درخواست کروں گا کہ انصاف و دیانت کے ساتھ آپ دیوبندی مکتب فکر کے ان مخصوص عقائد پر غور فرمائیں۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن سے عقیدۂ توحید کے تقدس کو ٹھیس پہنچتی ہے اور کچھ وہ ہیں جو شان منصب رسالت کو مجروح کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جنھیں اگر صحیح مان لیا جائے تو دنیا کے نوّے کروڑ مسلمانوں کے ایمان واسلام کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور بات یہیں تک نہیں رکتی بلکہ صدیوں پر مشتمل ماضی کے وہ لاکھوں اسلاف کرام بھی زد میں آجاتے ہیں جنھوں نے ان عقائد و اعمال کے مخالف سمت کو اسلامی عقائد و اعمال کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے اہل بریلی کو ایک کنارے رکھئے اور اپنے مذہبی شعور کی بنیاد پر آپ خود بتائیے کہ کیا ان عقائد واعمال کی صحت سے آپ اتفاق کرتے ہیں اور بغیر کسی تردد کے

ہاں یا نہیں میں اس بات کا بھی دوٹوک فیصلہ کیجئے کہ کیا آج کا مسلم معاشرہ انھی عقائد واعمال کی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر نہیں ہے اور یقینا نہیں ہے تو ان علمائے حق کے بارے میں آپ صاف صاف اپنے خیال کا اظہار کیجئے جنھوں نے علمائے دیوبند کے ان خانہ زاد عقائد واعمال سے اختلاف کیا ہے اور اسلام کے ایک پُرجوش محافظ کی حیثیت سے امت کو ان گندے عقائد سے بچانے کی بھرپور جدوجہد کی ہے اور عین اس کے مخالف سمت میں اسلام کے صحیح عقائد کے ساتھ انھیں منسلک رکھا ہے۔

اب جمہور مسلمین ہی کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان علمائے حق کا یہ عظیم کارنامہ ان کے حق میں ہے یا ان کے خلاف ہے اور اپنے ان گراں قدر خدمات کے ذریعہ ان علمائے حق نے امت میں تفرقہ ڈالا ہے یا انھیں ٹوٹنے سے بچایا ہے۔

اگر اس حقیقت سے آپ اتفاق کرتے ہیں کہ آج بھی روئے زمین کے جمہور مسلمین کا وہی مذہب ہے جس کی حمایت ان علماء نے اپنی زبان وقلم سے کی ہے تو اس حقیقت سے بھی آپ کو اتفاق کرنا پڑے گا کہ جمہور مسلمین کے صحیح پیشوا بھی یہی علماء ہیں جو لوگ دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان علماء کے خلاف تفرقہ اندازی کا الزام عائد کرتے ہیں وہ مذہبی تاریخ میں سب سے بڑے احسان فراموش کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپ نہ بھی اپنے آپ کو بریلوی کہیں جب بھی آپ کو علمائے بریلی کے اس عظیم الشان کردار کا شکر گزار ہونا پڑے گا کہ انھوں نے آپ کو دیوبند کے غلط مذہب فکر کا شکار ہونے سے بچا لیا اور اُمت مسلمہ کو صحیح عقائد واعمال کے ساتھ منسلک رکھا۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی تیسری بنیاد

تیسری بنیاد کے ضمن میں علمائے دیوبند کے وہ فتاویٰ اور تحریرات ہیں جن کے ذریعہ انھوں نے جمہور مسلمین کی مذہبی روایات کو حرام اور بدعت وضلالت قرار دیا ہے۔ ذیل میں آپ ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) انبیاء اولیاء کے ساتھ توسل کو وہ حرام اور گناہ قرار دیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

(۲) حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بعطائے الٰہی بھی وہ علم غیب کا عقیدہ تسلیم نہیں کرتے۔

(۳) تقویۃ الایمان کی صراحت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔

(۴) وہ محافل میلاد کے انعقاد اور قیام وسلام کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۵) بزرگان دین اور اموات مسلمین کے لئے ایصال ثواب اور عرس و فاتحہ کو وہ حرام کہتے ہیں۔

(۶) مجلس ذکر شہادت امام حسین اور غوث پاک کی فاتحہ گیارہویں اور غریب نواز کی فاتحہ چھٹی کو وہ حرام کہتے ہیں۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے موقع پر وہ خوشی منانے اور جلسہ و جلوس کے انعقاد کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۸) مزارات اولیاء اور مقابر صلحا پر گنبد کی تعمیر ان کے نزدیک حرام ہے۔

(۹) نعرۂ یارسول اللہ اور یا نبی سلام علیک کو وہ حرام قرار دیتے ہیں۔

(۱۰) عقیقہ وختنہ اور بسم اللہ کی تقریبات میں اعزہ و اقارب اور احباب کو جمع کرنا ان کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۱۱) تیجہ، دسواں، چالیسواں اور شب برأت کا حلوہ ان کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۱۲) شادی، بیاہ، منگنی اور چوتھی میں ان کے نزدیک نہ کسی کو بلانا جائز ہے اور نہ کسی کے یہاں جانا جائز ہے۔

(۱۳) شادی کے موقع پر سہرا باندھنے کو وہ مشرکانہ فعل قرار دیتے ہیں۔

(۱۴) جو شخص مزارات اولیاء پر چادر چڑھاتا ہو، بزرگوں کا عرس کرتا ہو اس کے لڑکے کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کے رشتۂ نکاح کو وہ حرام قرار دیتے ہیں، اس کے جنازے میں شریک ہونے، اس کی بیمار پرسی کرنے اور اسے سلام کرنے سے بھی یہ لوگ منع کرتے ہیں۔

(۱۵) ارواح اولیاء سے فیض حاصل کرنے اور مدد طلب کرنے کو بھی یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں۔

(۱۶) حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۷) رجب کے مہینے میں امام جعفر صادق کی فاتحہ کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۸) رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر مساجد میں چراغاں کرنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۹) اموات مسلمین کی قبروں پر تاریخ وفات کا پتھر نصب کرنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۲۰) نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو بھی یہ لوگ ناجائز کہتے ہیں۔

(۲۱) عید کے دن معانقہ کرنے اور بغلگیر ہونے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

آپ ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی یہ تیسری بنیاد بھی آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کیا آپ علمائے دیوبند کے ان فتوؤں سے متفق ہیں۔ اور کیا یہ فتوے جمہور مسلمین کی روایات کی مخالفت میں نہیں ہیں؟ اور کیا ہمارے معاشرے کا مذہبی اور اجتماعی نظام ان فتوؤں سے مجروح نہیں ہوتا ہے۔ اگر ہوتا ہے اور یقینا ہوتا ہے تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان فتوؤں کے مطابق عام مسلمان صبح سے شام تک اگر حرام ہی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں تو ہمارا اسلامی معاشرہ کہاں ہے؟

یہی وہ منزل ہے جہاں واضح طور پر علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچی ہوگی کہ علمائے دیوبند کی ساری محنت اس بات پر صرف ہوئی کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کو گنہگار و حرام کار ثابت کیا جائے اور علمائے بریلی نے اپنے علم کا سارا زور اس بات پر لگایا کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حرام نہیں ہے اسے کون حرام کہہ سکتا ہے۔ جن مذہبی

اور اخلاقی روایات پر ہمارا معاشرہ کھڑا ہے انھیں بلا وجہ حرام قرار دینا علم اور فکر کی گمرہی بھی ہے اور مسلم دشمنی بھی۔

ہمارے قارئین کرام جذبۂ انصاف سے کام لیں تو انھیں ماننا پڑے گا کہ علمائے بریلی کی ساری جدوجہد جمہور مسلمین کی حمایت میں ہے جب کہ علمائے دیوبند کی ساری کوششیں جمہور مسلمین کی مخالفت میں ہیں۔

اب اس سے بڑھ کر ناقدری اور زیادتی کیا ہوگی کہ جو لوگ آپ پر حملہ آور ہیں وہ آپ کے سب سے بڑے خیر خواہ ہو گئے اور جو علماء اپنی جان اور آبرو جوکھم میں ڈال کر آپ کا دفاع کر رہے ہیں انھیں آپ دشمن سمجھتے ہیں۔

حاصل گفتگو

اختلاف کی پہلی بنیاد سے لے کر یہاں تک جو کچھ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس کا مدعا صرف اتنا ہے کہ آپ اختلافات کی نوعیت کو پوری طرح سمجھ لیں اور ہماری برہمی، بیزاری اور علیحدگی کو کسی اور جذبے پر محمول نہ کریں۔ علمائے دیوبند کے گستاخ قلم کا حملہ ہماری اپنی ذات پر ہوتا تو عفو و درگذر اور مصالحت کی بہت سی راہیں نکل سکتی تھیں لیکن جب انھوں نے منصب رسالت کی عظمتوں کو نشانہ بنا کر اللہ اور اس کے پیارے رسول کو اذیت پہنچائی ہے تو اب ان کے متعلق جو فیصلہ ہوگا وہیں سے ہوگا۔

کسی بھی عالم کے ساتھ ہمارا رشتہ براہ راست نہیں ہے بلکہ نبی کے توسط سے ہے۔ جب اپنا رشتہ وہیں سے کوئی کاٹ لے تو ہمارے ساتھ رشتہ جوڑنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی پاک کے ساتھ وفاداری کے جذبے ہی کا یہ تقاضا ہے کہ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے نہ یہ کہ ان گستاخوں سے ہم اپنا رشتہ منقطع رکھیں گے بلکہ ہماری کوشش جاری رہے گی کہ ہر مومن وفادار کا رشتہ ان سے منقطع کرتے رہیں۔

یہی مشن صاحب سوانح شیر بیشۂ اہل سنت کا تھا اور زمانہ شاہد ہے کہ اپنے مشن میں وہ کامیاب رہے۔ اسی رشتے سے وہ اپنی حیات ظاہری میں بھی اہل محبت کا مرکز عقیدت تھے

اور آج بھی جب کہ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں ہمارے دل کی دھڑکنوں سے قریب ہیں۔

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کے الزامات

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلافات کی تاریخ ادھوری رہ جائے گی اگر ان الزامات کا ذکر نہ کریں جو علمائے دیوبند نے ہمارے خلاف عائد کئے ہیں۔

ہمارے خلاف ان کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ ہم نے صاحب علم وفضل علماء کی تکفیر کی ہے اور ہم کفر کا فتویٰ دینے میں بہت بیباک اور غیر محتاط واقع ہوئے ہیں اور اپنے مسلک میں ہم بہت شدت پسند اور متعصب ہیں......اس الزام کے دفاع میں اس سے زیادہ اور ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ہماری کتاب ''حسام الحرمین'' میں صرف پانچ اشخاص کے خلاف یہ الزام اہانت رسول وانکار ضروریات دین کفر کے فتوے صادر کئے گئے ہیں جن پر حرمین شریفین اور بلاد عرب کے اکابر علماء اور مشائخ نے بھی اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے۔

ان میں چار تو یہی اکابر علماء دیوبند ہیں جن کا تذکرہ پہلی بنیاد کی ضمن میں گزر چکا ہے اور پانچواں مرزا غلام احمد قادیانی کذّاب ہے۔

اب اگر کوئی اپنی شامت عمل سے ان پانچوں میں سے کسی کے بھی کلمات کفریہ کی حمایت کرتا ہے تو اس کے لازمی نتائج اور واجبی تعزیرات کا ذمہ دار وہ خود ہے......علمائے بریلی کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ بلاوجہ کسی کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے۔اہانت رسول اور کلمۂ کفر کی حمایت کر کے اپنی عاقبت برباد کرنے کا انتظام وہ خود کرتے ہیں کسی اور کو مطعون کرنے سے کیا فائدہ۔

ایک ضروری نکتہ

اس مقام پر اس نکتے کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح ایک غیر مسلم کو کلمۂ ایمان واسلام کے اقرار کے بعد مسلم سمجھنا ضروری ہے اسی طرح ایک مسلم کو اگر وہ معاذ اللہ کفر کا مرتکب ہوجائے تو اسے غیر مسلم سمجھنا بھی دین ہی کا ایک فریضہ ہے۔

مخصوص حالات میں یہ ناخوشگوار فریضہ جس طرح علمائے بریلی کو انجام دینا پڑا ہے

علمائے دیوبند بھی اس فرض کی ادائیگی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ثبوت کے لئے مولانا عبدالماجد دریابادی کی مشہور کتاب ''حکیم الامۃ'' میں مولانا امین احسن اصلاحی کا یہ خط ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خط اس دور کا ہے جب مولانا اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے منتظم تھے۔ موصوف کے خط کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے:

''مولانا تھانوی کا فتویٰ شائع ہوگیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمیدالدین فراہی کافر ہیں اور چونکہ مدرسہ انھی دونوں کا مشن ہے اس لئے مدرسۃ الاصلاح مدرسہ کفر وزندقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسے کے (تبلیغی) جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحد و بے دین ہیں۔'' (حکیم الامۃ ص ۴۷۵)

مولانا عبدالماجد دریابادی تھانوی صاحب کے مرید وخلیفہ ہیں اس لئے مولانا امین احسن اصلاحی کا خط موصول ہونے کے بعد انھوں نے ایک معتمد کی حیثیت سے تھانوی صاحب کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انھوں نے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمیدالدین فراہی کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے ان کی عبادت وریاضت، ان کی نماز تہجد اور ان کے زہد وتقویٰ کو ان کے اسلام وایمان کے ثبوت میں پیش کیا تھا......ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسے متدین لوگوں کے خلاف کفر کا فتویٰ حلق کے نیچے نہیں اترتا۔

تھانوی صاحب نے ان کے خط کا جو جواب دیا ہے وہ یہ ہے:

''یہ سب اعمال واحوال ہیں۔ عقائد ان سے جداگانہ چیز ہے۔ صحت عقائد کے ساتھ فساد اعمال واحوال اور فساد عقائد کے ساتھ صحت اعمال واحوال جمع ہوسکتا ہے۔'' (حکیم الامۃ ص ۴۷۶)

اس جواب کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہے کہ شہرت علم وکمال اور فضل وتقویٰ کے باوجود مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمیدالدین فراہی کے خلاف مولانا تھانوی نے کفر کا جو فتویٰ صادر کیا ہے وہ درست اور صحیح ہے۔ تھانوی صاحب کے چاہنے والے معتقدین اس فتویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہی تاویل کریں گے کہ مولانا تھانوی نے ان دونوں حضرات کی تحریر یا تقریر میں کفر کی

کوئی بات ضرور دیکھی ہوگی، بغیر کسی شرعی وجہ کے انھوں نے کفر کا فتویٰ ہرگز صادر نہیں کیا ہوگا۔

اب یہی بات اگر ہم تھانوی صاحب اور دیگر اکابر دیوبند پر الٹ دیں کہ ان حضرات کے خلاف بھی کفر کا جو فتویٰ حرمین طیبین سے صادر ہوا وہ بھی بلا وجہ نہیں تھا۔ تکفیر کی کوئی شرعی وجہ ان کی نظر میں ضرور ہوگی جیسا کہ پہلی بنیاد میں اس کی ساری تفصیل آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اگر مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی شہرت، ان کی تکفیر سے مانع نہیں ہوتی تو اکابر دیوبند کے حق میں آسمان سے کونسی وحی نازل ہوتی ہے کہ کفر اور اہانت رسول کے جرم کے ارتکاب کے باوجود انھیں تکفیر سے مستثنیٰ رکھا جائے گا۔

تصلب اور شدت پسندی کے الزام کا جواب

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کا یہ الزام بھی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں نہایت متصلب اور شدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس الزام کا اس سے زیادہ موزوں اور موثر جواب کوئی اور نہیں ہوسکتا کہ ہم انھیں آئینہ دکھائیں کہ آپ خود اپنی تصویر اس آئینہ میں دیکھ لیں پھر کسی پر انگلی اٹھائیں۔

ابھی مولانا امین احسن اصلاحی کے خط میں تھانوی صاحب کا فتویٰ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر بھی چونکہ انھی کافروں کا مشن ہے اس لئے وہ بھی مدرسہ کفر و زندقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسہ کے جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحد وزندیق ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس سے زیادہ مسلک کی شدت پسندی اور کیا ہوگی۔ تھانوی صاحب اپنے مسلک میں اتنے شدت پسند ہیں کہ جن لوگوں کو وہ بددین سمجھتے ہیں ان کی تحریر بھی وہ اپنے معتقدین کو نہیں پڑھنے دیتے۔ ''کمالات اشرفیہ'' نامی کتاب میں ان کے ملفوظات کا مرتب ان کا یہ ملفوظ نقل کرتا ہے:

> ''بددین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو ان میں ظلمت لپٹی ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوتی ہے۔ اس لئے بے دینوں کی صحبت اور بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہئے۔''
>
> (کمالات اشرفیہ ص ۵۵)

اب ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ جن لوگوں کو اہانت رسول اور ضروریات دین کے انکار کے الزام میں ہم بے دین سمجھتے ہیں اگر ہم بھی ان کی صحبت اور ان کی تقریروں اور ان کی تحریروں کے بارے میں یہی شدت اختیار کریں تو ہم کیوں لائق گردن زنی ٹھہرائے جائیں۔ شریعت کی جو مصلحت ان کے سامنے ہے وہ ہمارے سامنے بھی کیوں نہیں ہونی چاہئے؟

شدت پسندی کی ایک اور مثال

جو لوگ ندوہ کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوبند کے اکابر ندوہ کے سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ ندوہ کے ناظم مولانا محمد علی مونگیری جب ندوہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت لے کر مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے ملنے دیوبند گئے تو انھوں نے نہ صرف دعوت قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جب مولانا مونگیری کی طرف سے اصرار ہوا کہ آپ خود شریک نہیں ہو سکتے تو کم از کم اپنے کسی آدمی کو شرکت کی اجازت دے دیجئے تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

''مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ انجام اس کا بخیر نہیں، اس واسطے میں اپنی طرف سے کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۵)

''انجام اس کا خیر نہیں'' اس الہام خداوندی کا اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج ندوہ پر دیوبندی فرقے کا تسلط ہو گیا ہے اور انجام کی وحشت ناک تصویر اور نمایاں ہو جائے گی اگر اس کا آغاز بھی آپ نظر میں رکھیں۔

مولانا شبلی نعمانی کے بارے میں اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ندوہ کے بانیوں میں ایک موثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا ایک مضمون مقالات شبلی کے حصہ ششم میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اس وقت کا ہے جب مولانا شبلی نعمانی سے ندوہ کے ناظم کی چشمک ہو گئی تھی۔ بتدریج اختلافات یہاں تک بڑھے کہ مولانا کی حمایت میں ندوہ کے طلبہ نے اسٹرائک کر دیا۔ اس کے بعد کی سرگزشت خود مولانا کے قلم سے پڑھئے لکھتے ہیں کہ:

''عین اسی حالت میں مولود شریف کا زمانہ آیا اور طلبہ نے جیسا ہمیشہ کا معمول تھا

مولود شریف کرنا چاہا لیکن اس خیال سے کہ مولود شریف میں بیان کروں گا وہ مولود سے روکے گئے اور تین دن تک یہ مرحلہ رہا۔ آخر لوگوں نے سمجھایا کہ مولود کو روکنے سے شہر میں عام برہمی پھیلے گی مجبوراً شرطوں اور قیدوں کے ساتھ مولود شریف کی منظوری دی گئی۔'' (مقالات شبلی، ج ٦، ص ۱۳۱)

لیکن کیا آج بھی دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطے میں محفل مولود شریف کے انعقاد کی اجازت مل سکتی ہے؟ کیا آج بھی ہمیشہ کا یہ معمول وہاں کے طلبہ میں زندہ اور باقی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ اب ندوہ پر اہل دیوبند کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا ہے۔

غور فرمائیے! وہ آغاز تھا اور یہ انجام ہے اور غضب یہ ہے کہ گنگوہی صاحب کا الہام انجام ہی کے بارے میں ہے۔ آغاز کے بارے میں نہیں ہے۔

شدت پسندی کا ایک اور مکروہ نمونہ

دیوبندی مذہب کے مشہور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے مسلک میں کتنے شدت پسند تھے اس کی ایک مثال ندوہ کے سلسلے میں آپ پڑھ چکے۔ اب ان کی شدت پسندی، سخت مزاجی کا ایک مکروہ نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

بزرگان دین اور ان کے مزارات طیبات سے انھیں اتنی سخت نفرت تھی کہ وہ ان کے عرسوں سے بھی نفرت کرتے تھے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ قطب عالم حضرت عبد القدوس گنگوہی کا مزار مبارک اسی گنگوہ میں ہے جو مولوی رشید احمد صاحب کا وطن مالوف ہے۔ ان کی طرف سے مولوی صاحب کے دل میں کتنی کدورت تھی اور وہ ان کے عرس شریف سے کس قدر نفرت کرتے تھے اس کا اندازہ آپ مولوی زکریا شیخ الحدیث سہارنپوری کی اس تحریر سے لگائیے:

موصوف اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبد القدوس کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے وہ اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا۔ اول اول آپ ان دنوں

گنگوہ چھوڑ دیتے اور رام پور تشریف لے جاتے۔ مگر آخر میں اس اذیت قلبی کے برداشت کرنے کی آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گزارنا پڑا۔

موسم عرس میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہوجاتے اور ان سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیتے۔ ایک بار جناب مولوی محمد صالح صاحب جالندھری جو آپ کے خلفاء اور مجازین میں سے تھے، آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا۔ اگر چہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہ گزرا مگر حضرت امام ربانی نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں اور کب آئے اور کیوں آئے۔

مولوی محمد صالح صاحب کو دو دن اسی طرح گزر گئے۔ حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھا ان کو اس درجہ شاق گذرا تھا کہ اس کو انھی کے دل سے پوچھنا چاہئے۔ آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رورو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتدا ہی سے شوق نہیں۔ واللہ نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ اگر چہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنے والے آرہے تھے اس میں تیسرے تم تھے۔'' (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۹۴)

اب قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر اپنے مسلک میں شدت پسندی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کا مرید عرس شریف میں شرکت کی غرض سے گنگوہ نہیں گیا تھا بلکہ اپنے پیر کی ملاقات کے لئے وہاں حاضر ہوا تھا۔ لیکن صرف اتنی سی بات پر کہ وہ عرس کے زمانے

میں گنگوہ کیوں آیا اسے ایسی ذلت آمیز سزا دی کہ جیسے اس سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کو قطب عالم کے عرس سے اتنی ہی نفرت تھی تو وہ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مرید ہی کیوں ہوئے جب کہ اس سلسلے کے سارے اکابر جن میں خواجہ خواجگان چشت حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین گنج شکر، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین، حضرت صابر پاک، حضرت چراغ دہلی، حضرت بندہ نواز گیسودراز، حضرت ترک پانی پتی، حضرت شیخ عبدالحق ردولوی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری، حضرت اخی سراج، حضرت علاء الحق پنڈوی اور حضرت سلطان اشرف، جہانگیر سمنانی تک کون ایسا بزرگ ہے جس نے اپنے پیروں کا عرس شریف نہ کیا ہو۔

تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صرف اتنی سی بات پر کہ عرس کے زمانے میں ان کا مرید کیوں آیا اس سے منہ پھیر لیا لیکن سلسلہ چشتیہ کے جو مشائخ کبار ساری زندگی اپنے پیروں کا عرس کرتے رہے انھیں وہ اپنا پیر دستگیر مانتے ہیں۔ یہ سوال گنگوہی صاحب کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے کہ جو پیر گنگوہی صاحب کے مسلک کے مطابق خود محرمات و بدعات میں مبتلا ہو وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر خدارسی کی منزل تک کیوں کر پہنچا سکتا ہے؟

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کا دوسرا الزام

جن لوگوں کے اعتقادی مفاسد پر امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے قلم کا نشتر چلایا تھا وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زندگی بھر کراہتے رہے۔ انتقام ہر زخمی کا فطری تقاضا ہے اور فطرت ہی کا یہ بھی داعیہ ہے کہ جب آدمی اپنے مقابل پر قابو نہیں پاتا تو دشنام طرازیوں پر اتر آتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ علم و استدلال کے ذریعہ جو لوگ اپنے خلاف اہانت رسول کے الزام کا دفاع نہیں کر سکے انھیں اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کی یہی صورت نظر آئی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ''مولانا احمد رضا فاضل بریلوی'' کی شخصیت کو مجروح کیا جائے۔

علمی جلالت اور کردار کے تقدس پر انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نہ مل سکی تو یہ الزام تراشا گیا کہ انھوں نے سنتوں کی بجائے بدعتوں کو زندہ کیا ہے۔ حالانکہ مجدد ہونے کی حیثیت سے احیائے سنت اور امتیاز میان حق و باطل ہی اعلیٰ حضرت کا اصل کارنامہ ہے۔ جن کی بے شمار مثالیں ان کے فتاویٰ کی ضخیم مجلدات میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں۔

اس طرح کے الزام تراشنے والوں میں شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کا نام سرورق پر ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو پانی پی پی کر تقریباً چھ سو گالیاں دی ہیں۔ انھی میں ایک گالی ''مجدد البدعات'' کی بھی ہے جس سے ان کی کتاب کا ورق داغدار ہے۔

لیکن اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کردار کی ارجمندی کو بار بار سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے خلاف کذب بیانی اور الزام تراشی کا کاروبار کرنے والے اپنی ہزار دشمنی کے باوجود اب تک یہ الزام ان پر عائد نہ کر سکے کہ وہ بدعتوں کے موجد بھی ہیں۔

''مجدد'' اور ''موجد'' کے درمیان جو معنوی فرق ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ اب جو لوگ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو ''مجدد البدعات'' کہتے ہیں انھیں یہ بتانا ہوگا کہ جن بدعات کو انھوں نے زندہ کیا ہے ان کا موجد کون ہے اور اپنی کارگزاریوں کی یہ رپورٹ بھی پیش کرنی ہوگی کہ علمائے دیوبند نے ان موجدین کو کتنی گالیاں دی ہیں۔

اس وقت میرا موضوع یہ نہیں ہے ورنہ میرے پاس ان بدعات کی ایک لمبی فہرست ہے جن کی ایجاد کا سہرا خود علمائے دیوبند کے سر بندھتا ہے۔ وقت اگرچہ نہیں ہے لیکن مقام کی مناسبت سے علمائے دیوبند کی ایجاد کردہ بدعات کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کر کے گزر جانا چاہتا ہوں تاکہ الزام بغیر سند کے نہ رہے۔ ذیل میں ان بدعتوں کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ دفع بلا اور قضائے حاجات کے نام پر مدرسہ کی مالی منفعت کے لئے ختم بخاری شریف کی بدعت کا موجد کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دار العلوم ہے۔

۲۔ نماز جنازہ کے لئے انتظامی مصلحت کی بنیاد پر نہیں بلکہ غلط اعتقاد کی بنیاد پر احاطہ دار العلوم

میں ایک جگہ مخصوص کرنے کی بدعت کا موجود کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

۳۔ مسلم میت کے کفن کے لئے ''کھدر'' کی شرط لگانے اور کھدر کے بغیر نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے سے انکار کردینے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود شیخ دیوبند مولوی حسین احمد ہیں۔

۴۔ وراثت انبیاء کی سند تقسیم کرنے کے لئے اہتمام وتداعی کے ساتھ صد سالہ اجلاس منعقد کرنے اور ایک نامحرم اور مشرک عورت کو اسٹیج پر لاکر اسے کرسی پر بٹھانے اور اپنے مذہبی اکابر کو اس کے قدموں میں جگہ دینے کی بدعت سیئہ کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

۵۔ دینی درس گاہ کے احاطے میں مشرکانہ الفاظ پر مشتمل قومی ترانہ کے لئے ''قیام تعظیمی'' کی بدعت سیۂ کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

۶۔ کانگریسی امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے انتہائی جدوجہد کو مذہبی فریضہ سمجھنے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود شیخ دارالعلوم دیوبند ہیں۔

۷۔ اپنے اکابر کی موت پر ''اہتمام وتداعی'' کے ساتھ جلسہ تعزیت منعقد کرنے اور ضلالت واباطیل پر مشتمل منظوم مرثیہ پڑھنے اور پڑھانے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دارالعلوم دیوبند ہے۔

۸۔ بالالتزام کسی متعین نماز کے بعد نمازیوں کو روک کر ان کے سامنے تبلیغی نصاب کی تلاوت کرنے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود علمائے دیوبند ہیں۔

۹۔ کلمہ ونماز کی تبلیغ کے نام پر چلہ اور گشت کرنے اور کرانے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود علمائے دیوبند ہیں۔

۱۰۔ دارالعلوم دیوبند میں صدر جمہوریہ کی آمد کے موقع پر قومی ترانے کے احترام میں کھڑے ہونے کا حکم صادر کرنے والے بھی اکابر دیوبند ہیں جو اس وقت اسٹیج پر موجود تھے۔ اب وہی بتائیں کہ یہ بدعت کی کونسی قسم ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار بدعات و منکرات ہیں جن کی ایجاد کا سہرا علمائے دیو بند کے سر ہے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو بدعتی کہتے نہیں تھکتے۔

علمائے دیو بند ہر نو ایجاد چیز پر بے دریغ بدعت وضلالت ہونے کا حکم صادر کر دیتے ہیں اور اسے حرام قرار دے کر مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کے نئے نئے فتنے برپا کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر محفل میلاد ہی کو لے لیجئے۔ اس کے بدعت وضلالت اور حرام ہونے کی ان کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ سات سو برس کی نو ایجاد بدعت ہے۔ موجودہ ہیئت کے ساتھ نہ وہ عہد رسالت میں موجود تھی اور نہ عہد صحابہ وتابعین میں لیکن جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر آپ حضرات کے یہاں صرف نو ایجاد ہونے کی بنیاد پر محفل میلاد بدعت ضلالت ہے تو وہ جن اجزاء پر مشتمل ہے ان میں سے کسی چیز کے بارے میں نشاندہی کیجئے کہ وہ کسی سنت کو مٹاتا ہے یا شریعت کے کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ممنوعات کے زمرے میں آتا ہے تو سوائے خاموشی کے ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر محفل میلاد کے اجزاء یہ ہیں:

(۱) اعلان عام (۲) فرش وتخت اور شامیانہ وغیرہ (۳) روشنی (۴) بخور وعطریات وگلاب (۵) شیرینی (۶) مجمع مسلمین (۷) ذاکر ومیلاد خواں (۸) ذکر الٰہی وذکر رسول (۹) قیام وسلام۔

ان سارے اجزاء میں سے سوائے قیام وسلام کے کوئی جز ایسا نہیں ہے جس پر ان حضرات کا جلسہ سیرت یا جلسہ وعظ یا جلسہ تبلیغ، یا جلسہ دستار بندی یا جلسہ تنظیم وجماعت پر مشتمل نہ ہو۔ اعلان عام بھی ہے، فرش وتخت اور شامیانہ بھی ہے، روشنی بھی ہے، مجمع بھی ہے، واعظ ومقررین بھی ہیں۔ اس لئے ان میں سے کسی جز کو بدعت وضلالت کہہ کر اسے حرام قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود اپنے ہی جلسوں کے خلاف حرام ہونے کا فتویٰ دیں۔

اب رہ گیا معاملہ قیام وسلام کا تو یہ بھی ان کے یہاں وجہ حرمت نہیں ہے کیونکہ بدون قیام بھی محفل میلاد ان کے یہاں حرام ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ان کے مشہور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے تحریر فرمایا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ محفل میلاد کی وجہ حرمت غلط روایتوں کا پڑھنا یا بیان کرنا ہے تو میں عرض کروں گا کہ بروایات صحیحہ بھی محفل میلاد ان کے یہاں حرام ہے۔ جیسا کہ اپنے فتاویٰ میں مولوی رشید احمد گنگوہی اس کی بھی تصریح کر چکے ہیں۔

میں نے متعدد مناظروں میں دیوبندی علماء سے سوال کیا کہ جب ہماری محفل میلاد اور آپ حضرات کے جلسۂ وعظ کے اجزاء ایک ہی ہیں تو آپ کا جلسۂ وعظ جائز اور ہماری محفل میلاد حرام کیوں ہے؟ صرف اس وجہ سے تو کوئی چیز حرام یا حلال نہیں ہو سکتی کہ آپ کے جلسہ کا نام جلسۂ وعظ یا جلسۂ سیرت ہے اور ہمارے جلسہ کا نام جلسۂ میلاد ہے۔

جب ان حضرات سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو میں نے عرض کیا کہ ایک ہی وجہ فرق میری سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر جب ساری کائنات میں خوشی کے ڈنکے بج رہے تھے تو شیطان لعین کے گھر میں ماتم بپا تھا وہ شدت غیظ میں اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا۔

اسے حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تکلیف پہنچی تھی بہت ممکن ہے کہ اس کی پیروی میں آپ حضرات کو ذکر ولادت سے تکلیف پہنچی ہو کیونکہ واقعہ تو گزر چکا اب تو صرف اس کا ذکر ہی باقی رہ گیا ہے۔ آپ حضرات دیوبند میں اپنے دارالعلوم کا جشن صد سالہ مناتے ہیں تو شریعت آپ کا ہاتھ نہیں پکڑتی اور ہمارے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کا دارالعلوم گرجنے اور برسنے لگتا ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والوں نے کہ جب کسی کی ذات سے دل میں کسی طرح کی جلن ہوتی ہے تو اس کے ذکر سے بھی دل جلنے لگتا ہے۔

صاحب سوانح حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان میری نظر میں

چند متفرق واقعات جن کا میں عینی شاہد ہوں

غالباً ۱۹۴۲ء کی بات ہے جب ہم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے۔ ۔۔۔رت شیر بیشۂ اہل سنت ایک جلسہ میں مبارک پور تشریف لائے۔ ان کی شہرت تو بہت سنی تھی

لیکن ان کی زیارت کا یہ بالکل پہلا اتفاق تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں ان کی دلربا شخصیت، ان کی قابلیت، ان کی شان خطابت، ان کی ذہانت و حاضر جوابی، ان کی حق گوئی اور عشق رسول میں ان کی سرشار کیفیت سے میں بے حد متاثر ہوا۔

ایک اثر انگیز واقعہ

عین اس وقت جب کہ وہ مبارک پور میں تشریف فرما تھے فلسطین کے دو مہاجر عرب مبارک پور آئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ آٹھ دس برس کا ایک بچہ بھی تھا جس کا نام جوداللہ تھا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی آمد کی دھوم پورے مبارک پور میں مچی ہوئی تھی۔ وہ لوگ بھی حضرت سے ملاقات کے لئے دار العلوم میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ہم دو چار طلبہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی مجلس میں موجود تھے۔ جس روانی کے ساتھ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے ان سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی ہم لوگ حیران رہ گئے۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ حضرت نے جوداللہ کو کھانے کے لئے کوئی چیز عنایت فرمائی اس نے اس میں سے تھوڑا سا کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے عربی زبان میں ارشاد فرمایا ''کل الکل'' سب کھا جاؤ۔ الفاظ کی تکرار سے جملے کی خوبصورتی پر عرب حضرات بھی محظوظ ہوئے۔ اور ہم لوگ بھی متعجب و مسرور ہوئے۔ اس دن لوگوں کو اندازہ ہوا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت عربی زبان پر کتنی عظیم قدرت رکھتے ہیں۔

مناظرہ دیکھنے کا اشتیاق

مناظرے میں ان کی حاضر جوابی، ان کی قوت استدلال، ان کا زور بیان، ان کے ذہنی استحضار، ان کی قوت حافظہ، ان کی جرأت بے محابا، ان کا انداز گرفت اور ان کی علمی جلالت و جبروت کی ملک گیر شہرت سن کر میرے دل میں ہمیشہ یہ اشتیاق رہا کہ کاش کبھی ان کے مناظرے کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملتا۔

اس اشتیاق میں کئی بار ان مقامات پر جہاں دیوبندیوں کے ساتھ ان کے کسی مناظرے کے منعقد ہونے کی خبر ملتی، ہم وہاں جیسے بھی بن پڑتا حاضر ہوتے لیکن بدقسمتی سے ہر جگہ

پہنچنے کے بعد یہ خبر ملتی کہ دیوبندی مولویوں نے راہ فرار اختیار کر لی اور دل کی تمنا بجھ کے رہ جاتی۔

مہونا ضلع سلطان پور کا مناظرہ

مہونا میں مولوی عبدالشکور کاکوروی کے لڑکے مولوی عبدالاول اور مولوی عبدالسلام کے ساتھ مناظرہ طے پایا تھا۔ اس مناظرے میں سلطان المتکلمین حضرت امین شریعت علامہ شاہ مفتی رفاقت حسین صاحب کی طلبی پر میں بھی حاضر ہوا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں مولوی عبداللطیف مئوی کے ساتھ حضرت موصوف میرا پہلا مناظرہ دیکھ چکے تھے۔ اس تعلق سے انھوں نے مجھے یاد فرمایا تھا لیکن کافی تکلیف اٹھا کر جب میں وہاں پہنچا تو خون تمنا کی یہ خبر مہونا گاؤں میں داخل ہوتے ہی مجھے ملی کہ دیوبندی مولویوں نے نقض امن کے اندیشے کو بنیاد بنا کر پولیس کے ذریعہ مناظرے پر حکم امتناعی نافذ کرادیا...... پولیس کی مداخلت کی وجہ سے مجبوراً اہلسنت کے علماء نے مناظرہ گاہ کو جلسہ گاہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ جلسہ گاہ میں تاحد نظر آدمیوں کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب تھا جس کے اور چھور کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا جنھیں زمین پر جگہ نہیں مل سکی وہ درختوں، دیواروں اور چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے کتابوں کا بکس لئے ہوئے میں اسٹیج تک پہنچا۔ علمائے اہلسنت کے نورانی چہروں سے فتح وظفر کی مسرت دودھیا چاندنی کی طرح پھوٹی پڑ رہی تھی۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی تقریر شروع ہی ہونے والی تھی کہ میں ان کے سامنے سے گزرا انھوں نے مجھے دیکھتے ہی اسٹیج پر بلالیا اور اپنے قریب ہی بیٹھنے کی جگہ مرحمت فرمائی۔ حضرت مفتی اعظم کانپور بھی اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ میری زندگی کا یہ بالکل پہلا اتفاق تھا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے سامنے میں نے دیوبندی مذہب کے ردوابطال میں ایک مدلل تقریر کی۔ میں نے اپنی تقریر میں دیوبندی کتابوں کے حوالوں سے دیوبندی مذہب کے خلاف بالکل نئے مواد پیش کئے تھے۔

نئے الزامات پر مشتمل میری اس تقریر سے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت اتنے مسرور ہوئے کہ اپنی تقریر کے دوران دیر تک وہ اپنی مسرتوں اور نیک تمناؤں کا اظہار فرماتے رہے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی تقریر کے پانچ مراحل

میری تقریر کے بعد جیسے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی تقریر کا اعلان ہوا، سارے مجمع میں ایک تلاطم کی کیفیت برپا ہوگئی۔نعروں کے شور سے دیر تک مہونا کا آسمان گونجتا رہا۔جیسے ہی تقریر شروع ہوئی ساری فضا عشق وایمان کی خوشبو سے معطر ہوگئی۔سوکھی ہوئی رگوں میں غیرت حق کی توانائیوں کا چشمہ ابلنے لگا۔تقریر کیا تھی جلالت شان مصطفی کی تجلی تھی جو بجلی کی طرح کالی گھٹاؤں میں کوندرہی تھی۔دلائل وبراہین کا ایک جوار بھاٹا تھا جو اہل باطل کے قلعہ کی فصیلوں کو خس وخاشاک کی طرح بہائے لئے جارہا تھا۔مجمع میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے دل کی دھڑکن حضرت شیر بیشۂ سنت کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہوگئی ہو۔

پہلا مرحلہ

تقریر سے پہلے سید العلمین، خاتم پیغمبراں حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل جلیلہ اور محامد عظیمہ پر مشتمل ایک ایسا فصیح وبلیغ اور دلکش وایمان افروز خطبہ تھا جو اتنا طویل ہوتا تھا کہ بیس پچیس منٹ اس میں صرف ہوجاتے تھے۔خطبہ اگرچہ عربی زبان میں ہوتا تھا لیکن اس کی سحر آفرینی اور اثرانگیزی کا یہ عالم ہوتا کہ جیسے ہی انھوں نے اپنے مخصوص لہجے میں خطبے کا آغاز کیا اور سارے مجمع پر وجد و مستی کی کیفیت طاری ہوجاتی۔کرسی پر اچھل اچھل کر اپنے آقا کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتے ہوئے وہ خود بھی وارفتگی شوق کے عالم میں ڈوب جاتے اور مجمع کو بھی کوثر وتسنیم کی بارش میں نہلا نہلا کر سرشار رکھتے۔خطبے کے الفاظ اتنے مرصع، پر شکوہ اور دل آویز ہوتے اور پڑھنے کا انداز اس قدر والہانہ ہوتا کہ عربی زبان سے نابلد ہونے کے باوجود عوام پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی۔خطباء اور واعظین کی پوری جماعت میں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا خطبہ اپنی شان میں منفرد تھا۔

دوسرا مرحلہ

اپنی عادت کریمہ کے مطابق خطبہ کے بعد نہایت خوش الحانی کے ساتھ وہ اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت کی کوئی نہ کوئی نعت ضرور پڑھتے تھے۔ان کی آواز اتنی پرکشش اور سحر طراز تھی کہ

دل کھنچنے لگتے تھے اور پڑھنے کا لہجہ بھی اتنا وجد آور اور کیف بار ہوتا کہ سننے والے بے قابو ہو جاتے تھے اور پڑھنے کے دوران ایک ایک شعر کی شرح کرتے ہوئے جب وہ اپنے آقا کے فضائل کا دفتر کھولتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ مجمع پر عشق و مستی کے خزانے لٹا رہے ہیں۔ کبھی کبھی تو جذبۂ ایمان و عقیدت کے تلاطم کی یہ کیفیت ہوتی کہ سفینے کی بات تو الگ رہی، سینے میں دلوں کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا اور وہ وقت تو وارفتگی شوق کے نقطۂ عروج کا ہوتا جب کیف و سرور میں بھیگے ہوئے مجمع کو عالم تصور میں مدینے کی دہلیز پر لے جا کر کھڑا کر دیتے۔ دل کی حضوری وجدان و احساس پر اس طرح چھا جاتی کہ تصویر پیکر محسوس میں تبدیل ہو جاتی۔

اور اسی عالم کیف میں جب زمزمۂ نعت کا تسلسل ٹوٹتا تو لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ ابھی ایک مقدس خواب سے بیدار ہوئے ہوں۔ یہ ان کی تقریر کا دوسرا مرحلہ ہوتا۔

تیسرا مرحلہ

اس مرحلے میں تلاوت کردہ آیت کریمہ پر وہ کسی ایمان افروز تمہید سے اپنی تقریر کا آغاز کرتے۔ تمہید ہی میں لوگوں کو اندازہ ہو جاتا کہ الفاظ و بیان کے تیز گام قافلے کا رخ کس طرف ہے اور تمہید کے بعد نتیجے کے طور پر جب عظمت مصطفیٰ کے جلوؤں سے نقاب الٹتے تو دلوں کی بزم میں خوشی کے چراغ روشن ہو جاتے۔ تکبیر و رسالت کے نعروں سے ساری فضا معطر ہو جاتی۔ سرکار کے فضائل پر تقریر کرتے ہوئے ان کی قوت ایمانی کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ اپنے آقا کے دفاع میں بولنے والے ایک بندۂ وفا کیش کو خود روح الامین شاباشی دے رہے ہیں۔

اس کے بعد تلاوت کردہ آیت کے نکات پر جب وہ علم و عرفان کا دفتر کھولتے تو عقل فتنہ پرداز بھی عشق کی قوت پرداز کے آگے سر جھکا لیتی اور بعض بعض نکتے تو اس غضب کے ہوتے کہ اہل علم چیخ اٹھتے کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت الہام کی زبان میں تقریر فرما رہے ہیں اور اپنے محبوب کی جلالت شان کے اظہار و بیان کے لئے خود مولائے قدیر نے اپنے ایک پاک طینت بندے کا سینہ کھول دیا ہے۔ اب چشمۂ نور کے آبشار میں بھیگی ہوئی زبان کو بجلی کی طرح کوندنے

سے کون روک سکتا ہے۔

ان کی تقریر کا یہ حصہ اتنا رقت انگیز اور پُراثر ہوتا تھا کہ غفلتوں کا سارا نشہ اتر جاتا تھا۔ جنم جنم کے روگی صرف انداز بیان اور قوت استدلال کی برکت سے صحت یاب ہو جاتے اور مہر نیم روز کی طرح یہ حقیقت لوگوں پر واضح ہو جاتی کہ محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتکریم سے منہ موڑ کر خدا کی بندگی کا کوئی صلہ نہیں مل سکتا۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کے تیس پارے کا حاصل ہے۔ اس عقیدے پر ساری حدیثوں کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ سارے انبیاء ومرسلین نے اسی عقیدے کی تبلیغ فرمائی اور یہی عقیدہ سارے ملائکہ اور سارے علمائے امت کا ہے۔ اور اسی عقیدے کا تقاضا پورا کرتے ہوئے ہر مسلمان کو مرنا بھی ہے اور جینا بھی ہے۔

چوتھا مرحلہ

اور عین اس موقع پر جب کہ دلوں کی سرزمین عشق واخلاص کی بارش میں بالکل بھیگ جاتی اور جذبہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سارا مجمع سرشار ہو جاتا وہ دیوبند کے اکابر کی شقاوتوں کا دفتر کھول دیتے۔ کفر اور وہ بھی اہانت رسول کا، گستاخی اور وہ بھی حبیب کبریا کی شان میں، دل کی کدورت اور وہ بھی کلمہ پڑھانے والے معصوم پیغمبر کی طرف سے کون مسلمان ہے جو اسے برداشت کرے گا۔ اس موضوع پر ان کا زور بیان اس درجہ والہانہ اور مدلل ہوتا کہ سارا مجمع ان کی آواز میں آواز ملانے پر مجبور ہو جاتا۔

پانچواں مرحلہ

ان کی تقریر کا یہ آخری حصہ ہوتا تھا۔ اس مرحلے میں وہ ایک دردمند مصلح اور پُرسوز ناصح کی حیثیت سے مسلمانوں کو شریعت کی پابندی، گناہوں سے اجتناب، پنج وقتہ نمازوں پر مداومت، مذہب اہلسنت پر استقامت اور بدعقیدوں کی صحبت سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ تقریر کا یہ حصہ اتنا پُراثر ہوتا تھا کہ لوگوں کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں اور ان کے ناصحانہ کلمات سے بگڑی ہوئی ہزاروں زندگیاں سنور جاتی تھیں۔

ان ہی خصوصیات کے ساتھ مہونا کے جلسہ میں ان کی آخری تقریر ہوئی۔ جلسہ ختم

ہو جانے کے بعد لوگوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ کئی دن کے مناظرے سے حق و باطل کے امتیاز کے لئے جتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ ان کی ایک تقریر سے پہنچ گیا...... کئی دن تک پورے علاقے میں ان کی تقریر کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر تھا۔ تقریر کا جو حصہ جس کے ذہن میں محفوظ ہو گیا تھا وہ جہاں بیٹھتا اس کو دہراتا رہتا۔

احمد آباد کا مناظرہ

مہونا کے مناظرہ کے کئی سال بعد احمد آباد کے دیو بندیوں نے سر اٹھایا اور پالن حقانی جیسے دلآزار گستاخ اور اشتعال انگیز دیو بندی مقرر کو کئی ہفتے کے لئے احمد آباد میں بلوایا۔ اس کی اشتعال انگیز تقریروں سے جب احمد آباد کی فضا مسموم ہونے لگی تو اہلسنت کی طرف سے بھی جوابی تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بہت دنوں تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ احمد آباد کے دیو بندیوں اور عمائدین اہلسنت کے درمیان ایک فیصلہ کن مناظرے کی بات طے پا گئی۔ تاریخ بھی مقرر ہو گئی اور موضوع مناظرہ کا تعین بھی ہو گیا۔

اپنے عوام و خواص کے دباؤ پر دیو بندی جماعت کے مقامی رہنماؤں نے مناظرے کا چیلنج تو دے دیا تھا لیکن انھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ ان کے علماء جب اسٹیج پر اکیلے ہوتے ہیں تو اہانت رسول کے الزامات کی صفائی میں یہ کہہ کر اپنے عوام کو مطمئن کر دیتے ہین کہ ہمارے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ سارا افترا بریلویوں کا ہے۔ انھوں نے صرف ہمیں رسوا کرنے کے لئے ہمارے اکابر کے خلاف یہ الزام تراشا ہے۔

لیکن مناظرے کے میدان میں جب آمنے سامنے دو فریق کی بات ہوتی ہے اور ان کے اکابر کی کتابوں سے وہ اہانت آمیز عبارتیں مجمع میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے مناظر نہ ان کتابوں کا انکار کرتے ہیں اور نہ ان کتابوں کی اہانت آمیز عبارتوں کو جھٹلاتے ہیں اس وقت سب کے سامنے ان کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔

فرار کی حکمت عملی

یہی وجہ ہے کہ مناظرہ کے لئے وہ آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ احمد آباد کے

مناظرے کا بھی یہی انجام ہوا۔ دیوبندی جماعت کے مقامی عمائدین نے اپنی حق پرستی کا ڈھونگ رچانے کے لئے مناظرہ کا چیلنج تو دے دیا تھا لیکن جب وہاں کے ذمہ دار حضرات مناظرین کی تلاش میں دیوبند اور سہارنپور گئے تو انھیں سخت مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن چونکہ احمد آباد کی دیوبندی جماعت کے اعتماد کو ٹوٹنے سے بھی بچانا تھا اور اپنے اکابر کا بھی بھرم رکھنا تھا اس لئے حکمت عملی یہ اختیار کی گئی کہ ملک کے مختلف حصوں سے غیر معروف قسم کے دیوبندی مولویوں کو مناظر کی حیثیت سے احمد آباد میں بلوالیا گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دیوبندی جماعت کے بارسوخ سیاسی اور مذہبی لیڈر مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی دہلی میں کانگریسی حکومت کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے سیاسی اثر ورسوخ سے کام لیتے ہوئے گجرات کے وزیر اعلیٰ پر دباؤ ڈلوایا کہ نقض امن کے اندیشے کے پیش نظر مناظرہ ہرگز نہ ہونے دیا جائے۔

اہلسنّت کو ان خفیہ کارروائیوں کا علم نہیں تھا اس لئے وہ زور شور سے مناظرہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اہلسنت کے وہ سارے مشاہیر جو مناظرہ سے دو تین دن پیشتر ہی احمد آباد پہنچ گئے تھے ان میں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت حافظ ملت، حضرت امین شریعت، حضرت مجاہد ملت، مفتی رضوان الرحمن، مولانا مظفر حسین کچھوچھوی، مولانا ابوالوفا فصیحی، مولانا مشتاق احمد نظامی اور اس فقیر پر تقصیر ارشد القادری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جس دن حضرت شیر بیشۂ اہل سنت تشریف لائے سارے احمد آباد میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ سنیوں کے حلقے میں عید جیسی خوشی تھی۔ جب کہ دیوبندیوں کے خیمے میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔

اپنی اپنی جگہ پر اندیشہ تو اہلسنت کے علماء کو بھی تھا کہ مناظرے سے جان بچانے کے لئے دیوبندی فرقے کے سیاسی حضرات اپنا سرکاری اثر ورسوخ ضرور استعمال کریں گے۔ چنانچہ اندیشہ کے مطابق مناظرہ کی تاریخ سے ایک دن پیشتر ہی احمد آباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مناظرے کے خلاف حکم امتناعی نافذ کر دیا اور اہلسنت کے مقامی منتظمین کو تھانے میں بلوا کر حکمنامہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔

حکومت کے اس اقدام سے احقاق حق وابطال باطل کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اپنی اپنی جگہ پر اہلسنت کے سارے علماء اس واقعے سے نڈھال تھے۔ لیکن حضرت شیر بیشۂ اہل سنت حالات کے سامنے ہتھیار ڈالنے والوں میں نہیں تھے۔ انھوں نے فوراً ہی اہلسنت کے بیرونی علماء اور مقامی منتظمین کی ایک میٹنگ اپنی قیام گاہ پر بلوائی۔ اس میٹنگ میں کافی دیر تک بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ دوسرے بیرونی علمائے اہلسنت اور مقامی عمائدین کا ایک وفد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملاقات کر کے مناظرے کی اجازت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

رئیس وفد کی حیثیت سے خود حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے گفتگو کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی اور مشیر کی حیثیت سے گفتگو میں حصہ لینے کے لئے مولانا ابوالوفا فصیحی، مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، مولانا مشتاق احمد نظامی، یہ راقم الحروف اور مناظرہ کمیٹی کے صدر و سکریٹری منتخب کئے گئے۔

دوسرے دن صبح دس بجے ہم لوگ مقررہ وقت پر ڈی ایم کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ اس نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ وفد کا خیر مقدم کیا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے دستور ہند میں دئے گئے شہری اور مذہبی حقوق کو بنیاد بنا کر جس حکیمانہ انداز میں ڈی ایم سے گفتگو فرمائی ہم حیران رہ گئے۔

اس دن پہلی بار ہمیں مشاہدہ ہوا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مذہبی موضوعات کے علاوہ سیاسی موضوعات پر بھی ایک ماہر قانون کی طرح معلومات کی پوری بصیرت کے ساتھ بحث کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ہم علمائے اہلسنت اور علمائے دیوبند کے درمیان چند ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو دوملتوں میں ہمیں تقسیم کرتے ہیں۔ پالن حقانی صاحب کی اشتعال انگیز اور دلآزار تقریروں کے نتیجے میں ادھر چند مہینوں سے ہماری اور دیوبندی علماء کی تقریروں اور جوابی تقریروں کا سلسلہ جاری ہے۔ الگ الگ اسٹیجوں پر دونوں

فریق اپنی اپنی بات کرتے ہیں۔عوام سخت کشمکش میں ہیں کہ کون صحیح بول رہا ہے اور کون غلط بول رہا ہے۔کون ہمیں دھوکہ دے رہا ہے اور کون صحیح راستے پر لے جانا چاہتا ہے۔اس لئے عوام کے مطالبے پر دونوں فریق کے ذمہ دار حضرات نے طے کیا ہے کہ دونوں فریق کے علماء کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور دونوں فریق کے ترجمان آمنے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اپنے مذہب کا حق ہونا ثابت کریں۔ فریقین کی موجودگی میں کسی کو بھی کسی کے خلاف جھوٹا الزام عائد کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔اس طرح دونوں فریق کے وکیلوں کی بحث سے عوام یقیناً اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے۔

اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا:

احمد آباد کے مسلمانوں کی دعوت پر ہم اور ہماری جماعت کے علماء اپنے مذہب کی وکالت کرنے کے لئے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ مناظرے پر آپ کی طرف سے پابندی عائد کردی گئی ہے۔آپ کے پاس ہمارے علماء وعمائدین کا وفد اسی لئے آیا ہے کہ آپ سے باصرار تمام گزارش کرے کہ آپ پابندی اٹھا لیجئے اور دونوں فریق کو مجمع عام میں اپنی اپنی بات پیش کرنے کا موقع دیجئے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی اس گفتگو کے جواب میں ڈی ایم صاحب نے کہا:

''میرے پاس شہر کے انتظامیہ کے کارپردازوں کی طرف سے برابر یہ اطلاع موصول ہو رہی ہے کہ دونوں فریق کے عوام کے درمیان زبردست اشتعال ہے۔ اگر انھیں ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا جائے تو نقض امن کا سخت اندیشہ ہے۔ اس لئے میں شہر میں امن وامان کی بحالی کے مسئلے کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کے اجتماع کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔''

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے ڈی ایم صاحب کے اس جواب پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آپ جیسے دانشمند اور تجربہ کار منتظم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی بیمار کی تکلیف کے ازالہ کے لئے یہ طریقہ اگر عقل وحکمت کا تقاضا پورا کرتا کہ اسے زہر کا انجکشن دے کر موت کی نیند سلا دیا جائے کہ نہ بیمار رہے نہ بیماری تو حکومت کی طرف سے شفاخانوں کے قیام، معالجین کی تقرری اور علاج کے وسائل کی فراہمی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح عوام کے شہری حقوق پر پابندی عائد کر کے امن وامان کا مسئلہ حل کیا جائے تو پولیس، فوج اور عدالتوں کی ضرورت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس لئے میں آپ سے پھر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں اور یہاں کے عوام کے مذہبی اور شہری حقوق پر پابندی عائد کرنے کے بجائے آپ ایک بیدار مغز اور باہمت منتظم کی طرح امن وامان کی بحالی کے لئے اپنے انتظامی وسائل سے کام لیں اور دونوں فریق کو قانون کا پابند رکھنے کے لئے اپنے آئینی اختیارات استعمال میں لائیں۔''

شیر بیشۂ اہل سنت کے اس جواب سے ڈی ایم صاحب بہت زیادہ متاثر ہوئے اوران کے حسن استدلال اور پیرایۂ بیان کی تعریف کرتے ہوئے انھوں نے ایک معذرت خواہ کے انداز میں جواب دیا:

''آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ کسی بھی ضلع منتظم کے اختیارات ریاست کے سربراہ کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کے دفتر سے مجھے بار بار یہ ہدایت موصول ہو رہی ہے کہ مناظرے کی اجازت کسی حال میں بھی نہ دی جائے۔ اس لئے میں اس کے خلاف ورزی کرنے سے معذور ہوں۔''

گفتگو ختم ہوجانے کے بعد جب ہم لوگ ڈی ایم صاحب کے چیمبر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ دیوبندی مولویوں کا ایک وفد کانگریسی لیڈروں کے ساتھ انتظار میں کھڑا ہے۔

ڈی ایم صاحب کے ساتھ ایک قانون داں کی طرح ان کی گفتگو سن کر ہمیں اندازہ ہوا

کہ دستور کی زبان پر بھی انھیں قدرت حاصل ہے۔ قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد شہر کے لوگوں نے بتایا کہ مناظرے کے نام پر مختلف مقامات سے جو دیو بندی مولوی آئے تھے ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اپنے مستقر کی طرف واپس لوٹ گئے۔

اسی دن شام کو اہلسنت کی طرف سے جشن فتح کا جلسہ ہوا۔ اتفاق سے اس دن ہندوؤں کی دیوالی بھی تھی۔ سحبان الہند حضرت مولانا ابوالوفا فصیحی جب تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو انھوں نے یہ شعر سنایا جسے فی البدیہہ موزوں کیا تھا۔

اللہ رے کس شیر سے اب پڑ گیا پالا
ہندو کی دیوالی ہے وہابی کا دیوالا

دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ غیر معینہ مدت کے لئے احمد آباد کے میونسپل ایریا میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان ہو رہا ہے۔ اس اعلان کے نتیجے میں جلسہ وجلوس پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ اس لئے دوسرے دن اہلسنت کے مناظرین بھی اپنے اپنے مستقر کے لئے روانہ ہو گئے۔

جمشید پور کا آخری سفر

عرصۂ دراز سے جمشید پور کے مسلمانان اہلسنت حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے دیدار کے مشتاق تھے۔ کئی خطوط کے بعد جب حضرت پر واضح ہو گیا کہ دینی ضرورت کے تحت یہ سفر ضروری ہے تو انھوں نے میری دعوت کو شرف قبول بخشا اور وہ جمشید پور تشریف لائے اور اہل سنت کے ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب فرمایا۔ شہر کے علاوہ دور دراز خطوں سے بھی ہزاروں کی تعداد میں مشتاقان دید کا اجتماع ہوا۔ علالت کے باوجود حضرت نے ایسی ایمان افروز اور باطل سوز تقریر فرمائی کہ مہینوں جمشید پور کے گلی کوچوں میں حضرت کی اس تقریر دل پذیر کا چرچا رہا۔

جیسے ہی جمشید پور میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر اشتہارات واخبارات کے بعد مشتہر ہوئی جنوبی بہار میں ایک دھوم مچ گئی۔ دھنباد کولی فیلڈ کی سنی تنظیموں اور جماعتوں کی طرف سے خطوط پر خطوط اور وفود پر وفود میرے پاس جمشید پور آنا شروع ہو گئے کہ کولی فیلڈ کے لئے کوئی

تاریخ دی جائے۔ چنانچہ جمشید پور سے فارغ ہوکر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کاروں کے قافلے کے ساتھ دھنباد تشریف لے گئے۔ یہ فقیر بھی شریک سفر تھا۔ جلسہ میں جھریا کولی فیلڈ کے سارے علاقوں سے عاشقان رسول کا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا۔

حضرت نے وہاں ایسی پُر جوش اور ایمان افروز تقریر فرمائی کہ جھریا کولی فیلڈ کی سیاہ زمین پر نور برسنے لگا۔ تقریر ایسی دل پذیر تھی کہ بہت دنوں تک وہاں کی فضاؤں میں حضرت کی آواز گونجتی رہی۔ دھنباد سے حضرت پیلی بھیت کے لئے روانہ ہو گئے اور میں جمشید پور واپس لوٹ آیا۔ اس لحاظ سے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا یہ سفر تاریخی تھا کہ ان کے اصلاحی اور تبلیغی مشن کا یہ بالکل آخری سفر تھا۔ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ وعن سائر المومنین۔

ایک چبھتا ہوا سوال اور اس کا جواب

میرا یہ پیش لفظ پڑھنے کے بعد ہر خالی الذہن شخص کے دماغ کی سطح پر یہ سوال ضرور ابھرے گا کہ ہندوستان میں دیوبندی فرقے کے علاوہ اور بھی بہت سارے باطل فرقے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ کسی اور فرقے کے خلاف علمائے اہلسنت اس طرح صف آرا نظر نہیں آتے۔ جیسی صف بندی ان کے یہاں اہل دیوبند کے مقابلے میں نظر آتی ہے۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بحمدہ تعالیٰ علمائے اہل سنت نے ہر باطل فرقے کے خلاف تحریر وتقریر اور بحث ومناظرہ کے ذریعہ رد وابطال کے فرائض جس گرم جوشی اور دیانتداری کے ساتھ انجام دیے ہیں وہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہیں۔ دین حق کے خلاف اٹھنے والے فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں ہم نے کبھی اہل زمانہ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ شیعوں، قادیانوں اور غیر مقلدین وغیرہ کے رد میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بہت سارے رسائل لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ان کے بعد ان کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین ومتبعین نے تحریرات وخطبات کے ذریعہ جو خدمات انجام دی ہیں ان کے اثرات سے زمین کا کوئی خطہ بھی خالی نہیں ہے...... ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے فرقہائے باطلہ کے لئے کوئی نرم گوشہ ہمارے دلوں میں موجود ہے۔

دیوبندی فرقے کے خلاف شدت پسندی کی وجوہات

اب رہ گئی یہ بات کہ دیوبندی فرقے کے خلاف علمائے اہلسنت کا رویہ اتنا سخت کیوں ہے تو اس کی متعدد وجوہات ہیں جنھیں ٹھنڈے دل سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

پہلی وجہ

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جن کفریات وضلالت کی وجہ سے دیوبندی فرقے کے ساتھ ہمارا بنیادی اختلاف ہے ان کا تعلق عقائد سے ہے اور وہ عقائد یا تو ان کے دلوں میں ہیں یا ان کی کتابوں کے اوراق میں چھپے ہوئے ہیں۔اب جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ظاہر میں بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی اذان دیتے ہیں، بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی تراویح پڑھتے ہیں، بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی عیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔ظاہری سطح پر ان کے ظاہر میں کوئی ایسی واضح علامت موجود نہیں ہے جس کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی شناخت ہو سکے۔اس لئے ان کے متعلق عوام کا غلط فہمی میں مبتلا ہونا بالکل یقینی امر ہے۔اسی بنیاد پر یہ ضرورت داعی ہوئی کہ عقیدے کی سطح سے عوام میں ان کا اتنا واضح تعارف کرایا جائے کہ انھیں پہچاننے میں کوئی دشواری نہ پیدا ہو۔

لیکن جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو جہاں انھوں نے اذان دی یا نماز کی نیت باندھی تو فوراً پتہ چل گیا کہ یہ اور ہیں اور ہم اور ہیں۔یہی حال غیر مقلدین کا بھی ہے۔ان کی فرض نمازیں، ان کی وتر اور ان کی تراویح اور ان کی عیدین نماز چیخ چیخ کر عوام کو تنبیہ کر دیتی ہیں کہ یہ دوسرے مذہب کے لوگ ہیں۔اس لئے عوام کو ان سے خبردار کرنے کی اتنی سخت ضرورت نہیں ہے جتنی سخت ضرورت عوام کو دیوبندی فرقے سے بچانے کی ہے۔

دیوبندی حضرات سنی عوام کو کس طرح بدعقیدہ بناتے ہیں

یہ گھس پیٹھیے ہیں جو ہماری صفوں میں گھس کر اور ہمارا بن کر ہمارے عوام کو مختلف ترکیبوں سے قریب کرتے ہیں اور جب وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو وہ مختلف طریقوں سے انھیں اپنی جماعت کے اکابر کا عقیدتمند بناتے ہیں اور اس کے بعد انھیں اتنا بدل دیتے ہیں کہ وہ

اہلسنت کے ان سارے عقائد وروایات جنھیں وہ ایمان کی طرح عزیز رکھتے ہیں اب شرک و بدعت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کے دلوں پر بدبختیوں کی ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ نہ وہ قرآن کی کوئی بات سنتے ہیں اور نہ حدیث کی۔ واضح رہے کہ یہ ساری باتیں میں مفروضے کے طور پر نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ یہ ہمارے دن رات کے مشاہدات ہیں۔ ان حالات میں اہلسنت کے سادہ لوح عوام کو انبیاء واولیاء کی جناب میں بدعقیدہ ہونے سے بچانے کے لئے ہمارے پاس سوا اس کے اور کیا راستہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو دیوبندیوں کے عقائد اور ان کے مکر وفریب کے ہتھکنڈوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔

دوسری وجہ

دیوبندی مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہوجاتی ہے کہ قرآن حکیم میں منافقین مدینہ کی جو خصلتیں بیان کی گئی ہیں ان ساری خصلتوں کے یہ حقیقی وارث ہیں۔ مثال کے طور پر منافقین کے پاس دو زبانیں تھیں۔ ایک زبان تو یہ تھی جو صرف ان کے اپنے لوگوں میں کھلتی تھی، اور دوسری زبان وہ تھی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے سامنے کھولتے تھے۔

قرآن نے ان کی اس خصلت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا إِنَّا مَعَكُمْ ۙ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ (البقرہ: ۱۴)

اور جب وہ نبی کے جاں نثاروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری ہی طرح جاں نثار ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقت میں تمہارے، ساتھ ہیں۔ ہم تو صحابہ کے ساتھ صرف مذاق کررہے تھے۔

ٹھیک یہی حال دیوبندی فرقے کا بھی ہے۔ ان کے پاس بھی دو زبانیں ہیں۔ ایک زبان تو وہ ہے جو انبیاء اولیاء کے وفاداروں اور عقیدت مندوں کے سامنے کھلتی ہے اور دوسری زبان وہ ہے جس زبان میں وہ اپنے گروہ کے لوگوں سے باتیں کرتے ہیں۔

عقیدہ وعمل کے تضاد کا ایک دلچسپ قصہ

اس کی زندہ مثال دیکھنی ہو تو آپ دہلی تشریف لائیے۔ یہاں جمیل الیاسی نام کے ایک مشہور شخص ہیں جو اپنی پیدائشی سرشت وخمیر کے اعتبار سے کٹر دیوبندی وتبلیغی ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ ''الیاسی'' کا پیوند ہی ان کے اندر کا سارا حال بتا دیتا ہے۔ ایک طرف دہلی میں وہ دیوبندیت وتبلیغیت کے اتنے سرگرم مبلغ ہیں کہ شاید ہی دہلی میں کوئی مسجد بچی ہو جسے دہلی وقف بورڈ اور وقف کونسل ممبر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے تبلیغی جماعت کی چھاؤنی میں تبدیل نہ کر دیا ہو۔

لیکن اب ان کی تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے اور سر پیٹیے کہ دہلی کے بائیس خواجگان کی شاید ہی کوئی ایسی درگاہ ہو جہاں عرس کے موقع پر وہ پیش پیش نہ رہتے ہوں۔ مسٹر راجیو گاندھی جب پہلی بار وزیر اعظم ہوئے تو ان کی چادر لے کر یہی حضرت اجمیر شریف گئے اور ان کی طرف سے خواجہ کے مزار شریف پر چڑھایا۔

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ قصہ یہ ہے کہ جس زمانے میں شریمتی اندرا گاندھی وزارت عظمیٰ کی کرسی سے اتار دی گئی تھیں اور اپنی ناکامی کے کرب میں زندگی گزار رہی تھیں تو خوش آئند مستقبل کی نشاندہی کرنے والے جوتشیوں کی طرح یہ حضرت بھی ایک دن وہاں پہنچ گئے اور اندرا گاندھی سے کہا کہ دنیا میں صرف ایک ہی ذات ہے جو آپ کا گیا ہوا تخت وتاج واپس دلا سکتی ہے اور وہ ہے غوث اعظم کی ذات جن کا مزار مبارک بغداد شریف میں ہے۔

اندرا گاندھی کو اور کیا چاہئے تھا فوراً بغداد شریف کے سفر کا انتظام کرا دیا اور یہ بغداد شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں مزار شریف پر پندرہ دن تک چلہ کش رہے اور واپس آکر اندرا گاندھی کو خوشخبری دی کہ وہاں مجھے مزار شریف سے بشارت ہوئی ہے کہ نو مہینے کے بعد آپ کے دن پلٹ آئیں گے۔

انصاف کیجئے! اپنے عقیدے کے ساتھ اتنی زبردست جنگ سوائے دیوبندی فرزندوں کے اور کون لڑ سکتا ہے...... دیوبندی زبان کے محاورے میں قبروں کی پرستش بھی کرتے رہے اور

مشرک بنانے والوں کو اپنا امام بھی مانتے رہے......اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ایسے لوگوں سے بچنا کتنا مشکل ہے جن کے کئی چہرے ہیں۔ دیوبند اور سہارنپور میں کچھ ہے اور بغداد اور اجمیر چلے گئے تو کچھ اور بن گئے!

دیوبندی مذہب کا ایک اور جنازہ

جن حضرات نے ''تقویۃ الایمان'' اور ''بہشتی زیور'' کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ علمائے دیوبند کے نزدیک قبروں سے مدد مانگنا شرک جلی ہے، لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کی قبروں کے بارے میں وہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں اسے سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

اپنی اس کتاب میں وہ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کے پیرومرشد میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے سفر آخرت کا ذکر کرتے ہوئے حاجی صاحب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ اپنے مرض الموت میں ان کے پیرومرشد نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ ومشقت لوں گا لیکن مشیت باری سے کوئی چارہ نہیں۔ پیام سفر آخرت آ گیا ہے۔ جب حضرت نے یہ کلمات فرمائے تو میں پالکی کی پٹی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے۔ فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا۔'' (تاریخ مشائخ چشت، ص: ۲۰۴)

میاں جی نور محمد کی قبر سے متعلق ایک عبارت ان کی سوانح حیات سے بھی ملاحظہ فرمائیے جو ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون سے شائع ہوئی ہے اور جس پر قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تقریظ ہے۔ مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پرفتوح سے وہی فیضان وعرفان کا سرچشمہ جاری اور آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے مزار مقدس سے بھی وہی فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں جو آپ کی ذات قدسی

صفات سے ہوتے تھے۔''(سوانح حیات میانجیوص ۷۸)

اب اس دعوے کے ثبوت میں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی قبر سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جوان کی ظاہری زندگی میں ہوتا تھا،ان کی سوانح حیات کے مصنف نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

''ایک بار حاجی امداداللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار پر حاضر ہوا اور فاتحہ کے بعد اس نے عرض کی کہ حضرت میں بہت پریشان اور تنگی معاش میں مبتلا ہوں اور میری کچھ دستگیری فرمایئے۔حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے روز ملا کریں گے۔ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ قبر کی پائینتی سے ملا کرتا ہے۔''(سوانح میانجیوص ۷۹)

انصاف کیجئے! دیوبندی فرقے کی مشہور کتابوں تقویۃ الایمان،بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ میں نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کسی قبر پر حاضر ہو کر مدد مانگنا اور مصیبتوں میں ان سے دستگیری کی درخواست کرنا صریح شرک ہے۔لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس واقعہ میں شرک کا وہ سارا فتویٰ ایمان کے لباس میں تبدیل ہو گیا۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس فرقے کے چہرے پر نفاق کے اتنے دبیز پردے ہوں کہ اپنے ہی مذہب کے عقیدے چھپالیں اس کی پہچان کتنی مشکل ہے۔

دیوبندی فرقے کے اسی دورنگی مذہب کے مفاسد سے بچانے کے لئے علمائے اہلسنت کو ضرورت پیش آئی کہ عوام کو ان کے حقیقی چہرے کے خدوخال سے بار بار واقف کرائیں تا کہ وہ ان کے فریب میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں۔

بدعت کی بحث

دیوبندی فرقے کے یہاں بدعت کا لفظ بھی بہت کثیر الاستعمال ہے۔بات بات پر اہلسنت کو بدعتی کہنا ان کی عام بول چال ہے۔یہاں تک کہ انھوں نے اہلسنت کا نام ہی بدعتی رکھ دیا ہے۔جیسا کہ اپنی اسی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں مولانا زکریا نے حاجی امداداللہ صاحب

کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

''میں کسی کو بیعت کرنے سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ وہ شخص کسی بدعتی کے پنجے میں نہ گرفتار ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ فرمادیں کہ وہ تمہارے پاس گیا تھا تم نے کیوں رد کر دیا جس کی وجہ سے وہ ایسی جگہ پھنسا......''

(تاریخ مشائخ چشت ص ۲۶۶)

اس عبارت کا مطلب سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ حاجی صاحب چونکہ دیوبندیوں کے پیرومرشد ہیں اس لئے تنہا وہی سنت کے طریقے پر ہیں باقی دوسرے مشائخ طریقت تو سرتاسر بدعتی ہیں۔

اب اسی مقام پر تصویر کا دوسرا رخ بھی آپ کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ اسی کتاب میں مولانا زکریا نے لکھا ہے کہ حاجی صاحب نے اپنے پیرومرشد میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے مزار پر پتھر کا ایک کتبہ نصب کیا ہے جس پر یہ اشعار کندہ ہیں:

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ   مسکن و ماویٰ ہے جس جا آپ کا
مولیٰ پاک آپ کا ہے اور مزار   اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
اس جگہ ہے مرقد پاک جناب   سر جھکاتے ہیں سب شیخ و شاب
جس کو ہوئے شوق دیدار خدا   ان کے مرقد کی زیارت کو وہ جا
دیکھتے ہی اس کے مجھ کو ہے یقیں   اس کو ہو دیدار رب العٰلمین

غور فرمایئے! مرقد پاک کی زیارت کرنے کے لئے جانا اور مرقد پاک کے دیدار سے رب العٰلمین کا دیدار کرنا کیا ساری باتیں دیوبندی مذہب میں جائز ہیں؟ مولانا زکریا سے لے کر دیوبندی فرقے کے سارے اصاغر و اکابر کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ تقویۃ الایمان، بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ میں بیان کردہ عقائد کی روشنی میں وہ ثابت کریں کہ یہ اشعار دیوبندی مذہب کے مطابق ہیں۔ لیکن بات پھر وہیں پلٹ کر آتی ہے کہ یہ عمل چونکہ اپنے گھر کے بزرگ کا ہے اس لئے آنکھ بند کر کے اسے جائز ماننا ہی پڑے گا۔

اپنے بزرگوں کی خاطر اصولوں کا خون کرنا دیو بندی فرقے کا یہی وہ دورنگی مذہب ہے جس کا پردہ چاک کرنے کے لئے علمائے اہلسنت کو کتابیں بھی لکھنا پڑیں، مناظرہ بھی کرنا پڑا اور اسی کلمہ حق کو اپنی زندگی کا مشن بھی بنانا پڑا۔

کچھ اس کتاب کے مصنف کے بارے میں

اپنے پیش لفظ کے آخری مرحلے میں اس عظیم الشان کتاب کے مصنف حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مدظلہ کے متعلق بھی کچھ لکھنا اپنے قلم کا واجبی حق سمجھتا ہوں۔ موصوف ہماری جماعت میں قدیم وجدید علوم وفنون کے مجمع البحرین ہیں۔ تدریس، تقریر اور تحریر تینوں اصناف میں وہ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ایشیا کی شہرۂ آفاق درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے انھوں نے سند فراغت امتیازی نمبروں سے پاس کر کے حاصل کیا اور مادی وسائل کے بغیر خود اپنی محنت وہمت کے بل پر انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کئی سال رہ کر اپنے لئے ایک نئے مستقبل کی تعمیر فرمائی۔

وہاں سے عربی زبان وادب میں ایم اے، ایم فل کرنے کے بعد انھوں نے ایک اہم موضوع پر پی ایچ ڈی کیا۔ اور ایک محقق کی حیثیت سے وہ ملک کے دانشوروں کے سامنے آئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات (سنی) میں تقریباً چار سال تدریسی فرائض انجام دئے۔ اب وہ جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے ایک نیک نام اور باوقار استاد کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

وہ کئی گرانمایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا قلم نہایت شگفتہ اور نئے اسلوب تحریر کے جملہ محاسن سے آراستہ ہے۔ ان کے قلم کی سب سے عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وہ پامال زمین پر قدم نہیں رکھتے، بلکہ اپنی خامہ فرسائی کے لئے اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان کی مخصوص انداز تحریر کی جھلک اس کتاب کے ورق ورق پر آپ کو محظوظ کرے گی۔

مبلغ حق وصداقت، داعی عشق ومحبت، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سوانح حیات پر اس سے پہلے بھی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن جامعیت وتحقیق اور ترتیب وتعبیر کی جو

دل آویزی اس کتاب میں ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔حضرت مصنف نے ایک صدی کی بکھری ہوئی تاریخ کے ملبے سے شیر بیشۂ اہل سنت کی علمی، دینی، تبلیغی اور روحانی کارناموں کے مواد جس عرق ریزی اور حزم واحتیاط کے ساتھ جمع کئے ہیں وہ انھی کا حصہ ہے۔اس عظیم اور بے مثال قلمی خدمت کے لئے وہ پوری جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اہلسنت میں اصحاب ثروت کی کمی نہیں ہے لیکن بمبئی کے سیٹھ الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب کو اشاعت مذہب حق کے ساتھ جو والہانہ شیفتگی ہے وہ حد درجہ قابل تحسین و پذیرائی ہے۔خصوصیت کے ساتھ اپنے مرشد طریقت آقائے نعمت حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات وتحریرات اور ان کے علمی و دینی کارناموں کی نشر و اشاعت کا جو جذبۂ شوق ان کے دل میں مچلتا رہتا ہے اس کا زندہ ثبوت یہ کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب کے ذریعے دین کا جو نفع بھی حاصل ہوگا اس کے ثواب میں مصنف اور معاون دونوں شریک رہیں گے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے محاسن وکمالات کے بیان پر مشتمل اس گرانمایہ کتاب کے تعارف میں اپنا پیش لفظ اس شعر پر تمام کرتا ہوں۔

ترے جمال کی زیبائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے خوش بیانی سے

وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و حزبہ اجمعین

ارشد القادری غفرلہٗ
بانی ومہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۲۵

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۱۹ر جولائی ۱۹۹۲ء

کلمۂ تقریب

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی

شیخ الحدیث دار العلوم شمس العلوم گھوسی ضلع مئوناتھ بھنجن یوپی

کہتے ہیں کہ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خان لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ۸ رمحرم ۱۳۸۰ھ کو دن میں دس بجے رحلت فرما گئے۔ ان کے ساتھ ایک قرن ختم ہو گیا۔ تاریخ کا ایک دوران کے آنکھ بند کرتے ہی تمام ہو گیا اور ایک ہنگامہ پرور عالم ان کے ساتھ ہی ابدی نیند سو گیا۔ محبت رسول کی کتنی محفلیں سونی ہو گئیں۔ معاندین رسالت سے مجادلے اور مناظرے کی کتنی بساطیں سرد پڑ گئیں اور دنیائے ملت مرحومہ کی پاسبانی کرنے والے ایک چوکس دید ہمیشہ کے لئے یہاں سے محروم ہو گئی۔

آہ! ایک متبحر عالم نہیں رہا، ایک شب زندہ دار عابد نہیں رہا، ایک زبان داں مناظر نہ رہا، ایک زندہ دل صوفی نہ رہا، ایک عندلیب زمزمہ سنج نہ رہا، ایک دھاڑنے والا شیر نیستاں نہ رہا بلکہ سچ پوچھو تو وہ کیا گیا آثار سلف کا ایک اور تاج محل ڈھے گیا۔ جب تک وہ رہا اپنوں کی سرد مہری، غیروں کی ایذا رسانی، دوستوں کی مہربانی اور دشمنوں کی عداوتوں کے طوفان میں مضبوط چٹان کی طرح جما رہا۔ وقت کا کوئی دھارا اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ لا سکا وہ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے لڑتا رہا اور ان کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کرتا رہا اور عواقب و نتائج سے بے پرواہ کبھی کفر و طغیان سے صلح نہ کر سکا۔ بجلیاں چمکتی رہیں بادل گرجتے

رہے طوفان آنکھ دکھاتا رہا اور مصائب وآلام نے بار بار جھنجھوڑا لیکن اس کی زبان حق بیان سے شمع حقیقت کی لو کسی طرح نہ بجھی نہ تھرتھرائی۔

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ　　اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

وہ جس کو خلوص قلب کے ساتھ حق سمجھتا رہا وہی کہتا رہا۔ چاہے دوست خفا ہوں یا دشمن ناراض۔ اپنے ساتھ چھوڑ دیں یا غیر نیزے سنبھالیں، خویش واقارب سرزنش کریں یا پرائے موت کا جام تیار کریں، اور عجب نہیں کہ اس کی اس ادا پر کل میدان محشر میں رحمت کو جوش آجائے اور پکار اٹھے۔

یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

خدا سمجھے مخالف پریس نے اپنی پوری طاقت صرف کردی ہے اور باہری دنیا میں ڈھول پیٹ دی ہے کہ طبقہ اہل سنت وجماعت فسادی، مسلمانوں کی جماعت میں آگ بھڑکانے والا، اپنے حلوے مانڈے کی خاطر جلب منفعت اور حصول زر کے لئے اپنی ارادت وپیری کی دوکان چمکانے کے لئے مسلمانوں کو ملنے نہیں دیتا اور ان میں کفر وفسق کی چنگاریوں سے آگ بھڑکاتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں انھیں حضرت علامہ حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کی ذات پر دعویٰ کی دلیل اور ہر جھوٹ کی شاہد بتائی جاتی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے پیش نظر ہم تو سمجھتے ہیں کہ جب تنہا ایک شخص حصول زر کی خاطر غیر منقسم ہند کے تقریباً دس کروڑ منقسم ہند کے تقریباً چھ کروڑ مسلمانوں کو لڑاتا رہا تو کم از کم نواب حیدرآباد جتنا مالدار ضرور ہوگیا ہوتا، آغا خاں یا ملا طاہر جتنا سرمایہ دار تو ضرور ہوگا۔ اگر حصول زر کا یہ طریقہ اتنا ہی کامیاب ہے تو ہر شہر میں اس کی کوٹھیاں ہوں گی اور ہر علاقہ میں اس کی عشرت گاہیں، لیکن یہ کتنی دردناک حقیقت ہے کہ جب ان کا وصال ہوا تو وہ اپنی معیشت سے تنگ تھے تدفین کا انتظام نہ تھا اور ان پر کافی قرض لدا ہوا تھا اور وہ اپنے بچوں کو تحریر کرتے ہیں:

''عزیزو! طویل علالت کے سبب بالکل تنگ ہوگیا ہوں اور آمدنی محدود سے محدود تم لوگ کسی طرح گزربسر کرو اور تعلیم حاصل کرو۔''

جبکہ دوسری طرف کتنے شیخ الاسلاموں، امن کے علمبرداروں اور ملت کے خیرخواہوں، حکیموں کی موت وحیات میں بغیر کسی مادی سبب کے روپیوں کی ریل پیل اور سرمایوں کا انبار ہے جس کے سہارے عظیم کوٹھیوں اور طویل خانقاہوں کا جال بچھا ہوا ہے اور حضرت کے قدم جہاں پہنچ جاتے ہیں ایک نئی بلڈنگ جنم پالیتی ہے۔ نہ معلوم یہ کونسا خفیہ دست غیب ہے کہ یہ بدنام فسادی بے چارہ بقول معاندین زندگی بھر حصول زر کے لئے لوگوں کو لڑاتا رہا لیکن وفات پائی تو معلوم ہوا کہ ہاتھ خالی ہے۔

اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ الزام تراشیوں سے قطع نظر ہم ان کی تحریک کا مبصرانہ جائزہ لیں۔ آیا واقعی ان کا پیغام غیر مفید اور باعث ضرر تھا یا اسلامی تنظیم کا ایک ناگزیر عمل تنقید ہے جس کے بغیر کوئی جماعت زندہ نہیں رہ سکتی اور کوئی حق باطل میل سے نہیں بچ سکتا۔ مولانا علیہ الرحمہ اپنی ساری زندگی مشہور ومعروف بتان محراب ومنبر کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ جو تقدیس کے گنبد میں بیٹھ کر ایک طرف تو اسلام کی عزت اس کے ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے کھیلتے ہیں ان کا قلم مذہبی عیاشیوں میں مبتلا اور دماغ فکری بے راہ رویوں سے داغدار رہا۔ دوسری طرف بزعم خویش مذہبی سربراہی اور قیادت دینی کے بھی دعویدار تھے اور بدقسمتی سے عوام وخواص کی ایک بھیڑ بھی ان کے ساتھ اردگرد جمع ہوگئی تھی جو ان کا ہر مصرع اٹھاتی اور ہر شعر پر گرہ لگاتی۔ مولانا علیہ الرحمہ نے اس پورے طائفہ کے خلاف دین ودیانت کی پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک مقدس تحریک جاری رکھی اور پوری شدت کے ساتھ یہ ظاہر کرتے رہے کہ دین میں نئی راہ نکال کر یہ لوگ خود دین سے نکل گئے ہیں۔ خدا اور رسول کی بغاوت کر کے اسلام کے دائرے سے الگ ہوگئے ہیں۔ اس لئے مسلمان ان گمراہوں سے آگاہ رہیں ان سے رسم و راہ نہ بڑھائیں ان سے تعلقات مہر ومحبت نہ قائم کریں ان سے شادی بیاہ نہ کریں ان کو اپنے سے الگ رکھیں کہیں وہ اپنی بیماری صحت مند مسلمانوں میں نہ پھیلا دیں کہیں یہ لوگ گمراہی کے جراثیم صحیح العقیدہ مسلمانوں میں بھی نہ داخل کریں۔ (ماخوذ از فیض الرسول)

شیر بیشۂ اہل سنت ایک نظر میں

ولادت	۱۳۱۹ھ	۱۹۰۱ء
تکمیل حفظ قرآن	۱۳۲۹ھ	۱۹۱۱ء
تکمیل تجوید وقرأت	۱۳۳۵ھ	۱۹۱۷ء
منظر اسلام بریلی میں داخلہ	۱۳۳۵ھ	۱۹۱۷ء
بریلی شریف میں رہائش ۲۵؍رجب المرجب	۱۳۳۶ھ	۱۹۱۸ء
پہلا مناظرہ (ہلدوانی)	۱۳۳۸ھ	۱۹۲۰ء
اعلیٰ حضرت کے ساتھ بھوالی کا سفر	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
دستار فضیلت اور منظر اسلام میں مدرسی	۱۳۴۰ھ	۱۹۲۲ء
شردھانند کے بالمقابل اعلان صداقت	۱۳۴۲ھ	۱۹۲۴ء
مناظرۂ راندیر اور شیر بیشۂ اہل سنت کا خطاب	۱۳۴۴ھ	۱۹۲۶ء
دوسری شادی	۱۳۴۵ھ	۱۹۲۷ء
علاقہ ناسک میں تبلیغی دورہ	۱۳۴۶ھ	۱۹۲۷ء
پیلی بھیت میں مستقل سکونت	۱۳۴۷ھ	۱۹۲۸ء
دورۂ رنگون	۱۳۴۹ھ	۱۹۳۱ء
چندوسی کا فیصلہ کن مناظرہ	۱۳۵۰ھ	۱۹۳۲ء
والد ماجد کا سفر آخرت	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۳ء

مناظرہ ادری ولاہور	۱۳۵۲ھ	۱۹۳۴ء
مناظرہ ملتان	۱۳۵۳ھ	۱۹۳۵ء
مناظرہ گیا	۱۳۵۴ھ	۱۹۳۶ء
قاضی رفعت اللہ سے فقہی مباحثہ	۱۳۵۵ھ	۱۹۳۷ء
مناظرہ نانپارہ	۱۳۵۶ھ	۱۹۳۸ء
فیض آباد کورٹ کا مقدمہ	۱۳۶۴ھ	۱۹۴۶ء
شیشن جج کا فیصلہ اور نمایاں فتح	۱۳۶۶ھ	۱۹۴۸ء
دارالعلوم مسکینیہ دھوراجی کی صدر مدرسی	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
پہلا سفر حج	۱۳۷۰ھ	۱۹۵۱ء
دوسرا سفر حج	۱۳۷۷ھ	۱۹۵۷ء
دعوت طعام میں زہر	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء
وصال	۱۳۸۰ھ	۱۹۶۰ء

پہلا باب

ذاتی حالات

حیات

تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترقی پذیر دنیا میں نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے، کتنی نسلیں وجود میں آئیں اور فنا ہوگئیں گل و بوٹے کھلے اور مرجھا گئے، موسم بہار آیا اور خزاں کا شکار ہوگیا۔ الغرض پیہم گردش لیل ونہار سے یہ منکشف ہوتا ہے کہ ہر روز کا سورج نئی حیات اور نئی زندگی لے کر طلوع ہوتا ہے اور اپنا سفر طے کرنے کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ نتیجتاً تاریکی مسلط ہوجاتی ہے۔ عالم پر سناٹا طاری ہوجاتا ہے اور ہر متنفس دن کی دوڑ دھوپ سے تھک ہار کر آرام سے سوجاتا ہے۔

لیکن اسی دنیا میں کچھ ایسے بھی لوگ پائے گئے جنھوں نے نہ دن کو دن اور نہ رات کو رات سمجھا، اپنے جہد مسلسل سے زمانہ کا رخ موڑ گئے، زمانہ کی رفتار پر خود چلنے کے بجائے زمانہ خود ان کے تابع وفرمانبردار ہوگیا، تاریکی کی طرف رخ کیا روشنی پھیل گئی، صحرا میں قدم رکھا ہزاروں بہاریں قربان ہونے لگیں، زبان کھولی تو تحریکوں نے جنم لیا، ان کا ہر نشان قدم پچھلوں کے لئے مشعل راہ بنا، ان کا ہر عمل قابل تقلید قرار پایا، ان کی ہر ادا نقش ہدایت ثابت ہوئی۔ ایسی چیدہ وچنیدہ شخصیتیں صدیوں میں جنم لیتی ہیں، چودہویں صدی ہجری میں جن عبقری شخصیتوں نے جنم لیا اور اپنے کارناموں اور خداداد صلاحیتوں سے زمانہ اور اہل زمانہ کو انگشت بدنداں کردیا۔ انھی جلیل القدر شخصیات میں شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی کا نام نامی اور اسم گرامی بھی ہے۔

شہر لکھنؤ سے جانب مشرق چند میل کے فاصلے پر ایک مشہور قصبہ ''امیٹھی'' ہے۔ جہاں ایک

بزرگ آسودۂ خواب ہیں، جن کا نام نامی حضرت بندگی میاں (علیہ الرحمہ) ہے انھی کی امیٹھی کی مناسبت سے اس قصبہ کو امیٹھی کہا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں وہاں سے عبقری علماء نے جنم لیا ہے۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر (وفات ۱۷۰۷ء) کے استاذ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۱۳۰ھ) جو علم وفضل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اسی مردم خیز قصبہ میں پیدا ہوئے۔

شیر بیشۂ اہل سنت کا خاندان وہیں پروان چڑھا، اس قصبہ میں ان کی ایک ممتاز حیثیت تھی۔ اسی مردم خیز قصبہ کے متدین آفریدی النسل گھرانے میں ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

''محمد حشمت علی خاں بن ابوالحفاظ نواب علی خاں بن جناب محمد حیات خاں بن جناب محمد سعادت خاں بن محمد خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔''

مکمل سلسلہ نسب نہ حاصل ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد کے بقول ۱۸۵۷ء کے غدر کے ہنگاموں میں دادی صاحبہ مرحومہ کے پاس سب کاغذات شجرۂ نسب وآراضی ومعافیات ونقشہ جات تلف ہوگئے۔ مورث اعلیٰ محمد خان صاحب آفریدی درۂ خیبر سے آئے اور فوجی افسر ہوکر اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں معافیات کے حقدار ہوئے۔ یہ معافیات امیٹھی میں ملی تھیں۔ آپ کے آباواجداد آج بھی قصبہ امیٹھی میں اپنی آراضی میں استراحت پذیر ہیں۔

آپ کے دادا جناب محمد حیات خاں کا آپ کے والد ماجد حافظ نواب علی خاں کی کم عمری میں انتقال ہوگیا تو آپ کی دادی جو شہر لکھنؤ کی تھیں حافظ نواب علی اور دوسری چار بہنوں کو لے کر لکھنؤ چلی گئیں۔ امیٹھی کے کھیتوں اور باغوں کو فروخت کردیا اس طرح شہر لکھنؤ میں حافظ نواب علی خاں اوران کی بہنوں کی تربیت وپرورش بڑے نازونعم سے ہوئی۔

جناب محمد حیات خاں کی اولاد میں اولاد علی سب سے بڑے تھے اس لئے ولی عہد کی حیثیت انھی کو حاصل تھی۔ جملہ کاغذات میں انھی کا نام اور عمل دخل تھا۔ ان کی شادی بارہ بنکی کے قدوائی خاندان میں چودھری واجد علی خاں کی صاحبزادی سے ہوئی اور آپ کے والد ماجد حافظ

نواب علی خاں کی شادی جناب امیر بخش خان صاحب ساکن ''ملایاں'' ضلع اناؤ کی دختر نیک اختر سے ہوئی، یہی حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی والدہ محترمہ ہیں جو عابدہ زاہدہ پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی حافظہ تھیں۔

زندگی کے ابتدائی ایام آپ نے امیٹھی اور لکھنؤ میں گزارے، مگر جب شعور کی منزل کو پہنچے اور بریلی کے مشہور عالم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے آپ کی ملاقات ہوئی تو قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ وہ ملاقات ایسی ہوئی کہ پھر ہمیشہ کے لئے انھوں نے آپ کو اپنے قریب کرلیا، اس طرح علم وفضل کا قافلہ امیٹھی اور لکھنؤ سے منتقل ہوکر پیلی بھیت میں آبسا اور پھر جو آپ نے یہاں سکونت فرما کر علم وفضل کے جوہر دکھائے ہیں اس سے انصاف پسند مورخین اور دانشور بے خبر نہیں، پیلی بھیت جو ایک گمنام قصبہ تھا شیر بیشۂ اہل سنت کے فضل وکمال کے سبب شہرتوں کی بلندیوں پر پہنچ گیا، اس قصبہ کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے۔

پیلی بھیت کا پس منظر

پیلی بھیت صوبہ یوپی میں نیپال کی ترائی میں ایک قدیم شہر ہے۔ حافظ الملک رحمت خاں روہیلہ نے یہ شہر ۱۷۶۲ء میں آباد کیا تھا۔ پہلے اس کا نام ''حافظ آباد'' رکھا گیا تھا بعد میں حافظ رحمت خاں روہیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی کی تعمیر کروائی جس کی بنا پر یہ شہر ''حافظ آباد'' سے ''پیلی بھیت'' ہوگیا۔

حافظ رحمت خاں اور ان کے جانشینوں نے افغانی طرز کی خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں اور بیچ شہر میں جامع مسجد کی طرز پر ایک مسجد بھی تعمیر کروائی، یہ مسجد اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے اور ایک سال کی مدت میں بن کر ۱۱۸۱ھ/۱۷۶۷ء میں تیار ہوئی۔ ''المجسد بیت المتقین'' مسجد کے سال تعمیر کا مادۂ تاریخ ہے۔

(ماہنامہ پیام احمد، قاری احمد پیلی بھیتی مضمون ''حافظ الملک کی واپسی'' کراچی ستمبر ۱۹۶۷ء)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس ضلع کی اہمیت پرگنہ کی تھی، جس کا ضلعی تعلق نینی تال سے تھا، یہاں ایک انگریز مجسٹریٹ مسٹر کارمیکل کا تقرر تھا لیکن اس آزادی کی جنگ میں وہاں

کے مسلمانوں نے جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی عملداری ختم ہوگئی اور وہاں خاں بہادر خان کی حکومت قائم ہوگئی۔ بعد میں کچھ غیر مسلم اس شہر پر چڑھائی کر کے خود قابض ہونا چاہتے تھے۔ لیکن جب مسلمان دوسو کی تعداد میں شہر پیلی بھیت سے چند میل دور ''کمر پور'' کے مقام پر آٹھ ہزار مسلح ہندوؤں سے برسر پیکار ہوئے تو دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ذوقی رام جو اس فساد کا بانی تھا اسی جنگ میں مارا گیا۔ اس کی ساری فوج تتر بتر ہوگئی اور مسلمان فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوگئے۔ (محمد عمر خاں: دوقومی نظریہ مطبوعہ پشاور ۱۹۶۷ء)

اس شہر میں صوفیاء اور علماء ربانیین کی ایک اچھی خاصی تعدا موجود ہے۔ ''شاہ کلیم اللہ میاں، شاہ نعمت اللہ میاں نقشبندی، شاہ لطف اللہ شاہ میاں، شاہ عبدالسبحان شاہ میاں اور شاہ مستان شاہ میاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ (خواجہ رضی حیدر: تذکرہ محدث سورتی ص ۲۷ کراچی ۱۹۸۱ء)

اس مرجع انام شہر کو حضرت شیر بیشۂ سنت نے اپنا مسکن بنایا اور اس طرح کارہائے نمایاں انجام دے کہ خود آپ کی ذات گرامی بھی مرجع خلائق بن گئی۔ علم وفضل کے آپ نیر تاباں تھے ہی جسمانی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسین وخوبصورت پیکر میں ڈھالا تھا۔ لکھنوی تہذیب وتمدن اور لب ولہجے نے آپ کی قدر ومنزلت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ جہاں کہیں بھی رہتے آپ کی شخصیت نمایاں رہتی۔ داغ عشق مصطفیٰ سے دل تو چمک ہی رہا تھا سجدۂ عبودیت کی مداومت نے پیشانی کو بھی روشن کر رکھا تھا۔

حلیۂ مبارکہ

جنھیں ان کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے اور اس قلمی خاکہ سے ان کے سراپا کا تصور کر سکتے ہیں۔ موزوں ومتوسط سڈول بدن، میانہ قد، گندمی رنگ کا صاف نکھرتا ہوا رعبدار چہرہ ابھری ہوئی پھبتی ناک، متوسط عقابی نگاہیں جو اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ کی صحیح ترجمان اور پھر اس پر حق نمائی کا عینک، چہرہ پر داڑھی نہ گھنی نہ ہلکی مگر ہر ہر بال سے عابد شب زندہ دار ہونے کا ثبوت فراہم، سینہ اخلاص ومحبت کا مدینہ، شکم جس کی خوراک قوت لا یموت، رفتار میں متانت، کردار میں پاکیزگی، گفتار میں لکھنوی چاشنی، لب ولہجہ میں شگفتی، ذہن مناظرانہ، گفتگو

بے باکانہ، ہر قدم شرع کا پابند۔

شیر بیشۂ اہل سنت ان خوبیوں کے حامل تھے۔ان کی ذات ستودہ صفات ان حقائق کی مکمل آئینہ دار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے ملت اسلامیہ نے انھیں مظہر اعلیٰ حضرت، امام المناظرین، سید المتکلمین، ناصر الاسلام والمسلمین جیسے اہم القابات وخطابات سے نوازا ہے لیکن وہ خطابات جو بارگاہ رضا سے ملے تھے انھیں زیادہ محبوب تھے۔اس کے علاوہ ''شیر بیشہ اہل سنت'' کا خطاب علمائے گجرات نے ایک مناظرہ میں زبردست کامیابی پر انھیں عطا کیا تھا۔یہ خطاب اتنا مشہور ہوا کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ سے ''ولد مرافق'' اور ''ابوالفتح'' کا خطاب اس وقت ملا تھا جب آپ انیس سال کی عمر میں بریلی کے مولوی یٰسین خام سرائی کو جو اپنی جماعت کا پیشوا تھا ہلدوانی میں ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں شکست فاش دے کر آئے تھے۔ابوالفتح آپ کو اتنا پسند آیا کہ زندگی بھر اپنے نام کے ساتھ ''ابوالفتح'' لکھتے رہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا پیدائشی نام محمد صدیق ہے۔(عبدالوہاب: مظہر اعلیٰ حضرت ص ۷ مطبوعہ لکھنؤ ۱۴۰۲ھ) جو بعد میں محمد حشمت علی ہو گیا ہے۔اعلیٰ حضرت سے قربت کی بنیاد پر اپنے کو ان سے منسوب کر کے ''عبید الرضا'' (رضا کا حقیر غلام) لکھا کرتے تھے۔ چونکہ شعر وسخن کا بھی مذاق تھا اس لئے ''عبید'' تخلص کے طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔غوث پاک سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ عقیدت کے سبب اپنے کو اس بارگاہ کا کتا کہا کرتے تھے۔ چنانچہ ''سگ بارگاہ بغداد'' جس سے ان کی سال پیدائش کی تاریخ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) برآمد ہوتی ہے اس کی طرف واضح اشارہ ہے۔دوسری جس باکمال شخصیت کا انھوں نے اپنے کو کتا بتایا ہے وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری کی ذات گرامی تھی۔ جہاں انھیں علم وفن کا انمول خزینہ ملنے کے علاوہ عقیدت ومحبت، بیعت وارادت کی لازوال دولت بھی ملی تھی۔ چنانچہ انھوں نے نعت کے ایک شعر میں ''سگ ہوں میں عبید رضوی غوث ورضا کا'' کہہ کر اس کی تصدیق بھی کی ہے اور بانگ دہل اعلان بھی کیا ہے۔

تعلیمی سفر

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے والد ماجد حافظ قرآن تھے۔ دینی علوم ومذہبی امور سے انھیں گہری دلچسپی تھی، انھوں نے آپ کی ''رسم بسم اللہ خوانی'' کی تقریب بڑی دھوم سے منائی اور ایک صوفی بزرگ الحاج کریم بخش کی ذات بابرکت سے اس مبارک رسم کی ادائیگی عمل میں آئی۔ قواعد بغدادی اور ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کے لئے حافظ قاری غلام طٰہٰ کی خدمات حاصل کی گئیں، حافظ صاحب آپ کو گھر پر ہی تعلیم دینے تشریف لاتے۔ جب آپ نے ناظرہ قرآن پاک ختم کرلیا تو حفظ قرآن کریم کے لئے والد ماجد نے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل کردیا۔ اور دس سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن کریم مکمل فرمایا۔ والد محترم حافظ محمد نواب علی خاں نے حفظ قرآن کی تقریب بڑی شان سے منائی مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے تمام چھوٹے بڑے طلبہ و مدرسین کو شیرینی تقسیم کرائی عزیزوں اور محلہ بھر میں مٹھائی کی تقسیم ہوئی پھر ایک دن محفل میلاد شریف منعقد ہوئی اور ضیافت کا اہتمام ہوا مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تکمیل حفظ کی دستار بندی ہوئی اور اس سال اپنے والد ماجد کی منت کے مطابق آپ نے سب سے پہلے قطب شمالی ہند حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵ء) کے مزار پرانوار کی مسجد میں تراویح سنائی (عبدالوہاب مظہر انور، ص:۶) اس کے بعد تراویح ومحراب سنانے کا سلسلہ زندگی کے آخری ایام تک بدستور جاری رہا۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے تمام طلبہ میں آپ کی ذہانت کا بڑا چرچا تھا حفظ کلام اللہ کے بعد آپ نے تجوید کی طرف توجہ کی۔ قاری محمد صدیق بنگالی جو بہترین مجود قرآن تھے۔ ان سے تجوید پڑھ کر ۱۳۳۱ھ میں بارہ سال کی عمر میں ''روایت حفص'' اور تیرہ سال کی عمر میں ''قرأت سبعہ'' کا امتحان پاس کیا۔ قاری عبدالرحمن الہ آبادی نے تجوید کا امتحان لیا۔ شاندار الفاظ میں تعریف کی، اعلیٰ نمبر دئے۔ ہزاروں کے مجمع میں قرأت کی دستار بندی ہوئی۔ علامہ مشتاق احمد نظامی کے بقول:

> ''فن قرأت وتجوید میں بھی وہ اپنے وقت کے امام تھے۔'' ولا الضالین کے مخرج کی ادائیگی میں انھیں جو کمال حاصل تھا وہ شاید ہی کسی کو ہو۔''
>
> (پاسبان الہ آباد ص ۱۰ اگست تمبر ۱۹۶۰ء)

ابتدائی فارسی کے استاد مولوی احمد حسین لکھنوی تھے۔ لکھنؤ ہی میں منشی شمس الدین اعجاز رقم سے خطاطی بھی سیکھی، بہت عمدہ لکھتے تھے، تحریروں میں کشش و جاذبیت بھی ہوتی تھی۔

مدرسہ فرقانیہ کے تمام مدرسین آپ پر بہت مہربان تھے، مولانا عین القضاۃ صاحب آپ کو اپنے مدرسہ کا آفتاب کہا کرتے تھے اور مولانا صاحب نے آپ کا آٹھ روپئے ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا اور جب ''میزان الصرف'' شروع کی تو دس روپئے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی والدہ ماجدہ علیہا الرحمہ جب حضرت مولانا ہدایت رسول خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئیں تو پیرو مرشد نے ان کو امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا تصنیف کردہ مشہور رسالہ ''تمہید ایمان بآیاتِ قرآن'' اور اس کے ساتھ چند دیگر رسائل اپنی طرف سے عطا فرمائے۔ حضرت مولانا جب بھی لکھنؤ تشریف لاتے تو والد محترم علیہ الرحمہ کے پاس ضرور ملاقات کے لئے آتے اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے لئے خصوصاً اور سب بچوں کے لئے دُعائیں فرماتے۔ حضرت علامہ محمد ہدایت رسول صاحب قبلہ نے ہی آپ کے ایک بھائی کا نام محمد فاروق (مراد حضرت محبوب ملت علیہ الرحمہ ہیں جن کا نام ان کے والد ماجد ابو الحفاظ محمد نواب علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ''محمد محبوب علی خاں'' رکھا تھا) اور چھوٹے بھائی علیہ الرحمہ کا نام محمد عمر رکھا (حضرت شیر بیشۂ اہل سنت وحضرت محبوب ملت کے تیسرے بھائی حضرت علامہ حافظ ابو النصر عطاء الرضا محمد عمر خاں صاحب قادری علیہ الرحمہ، جن کا وصال ۲۷ رصفر المظفر ١٩٥٦ء کو پیلی بھیت میں ہوا۔)

چونکہ سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتب مبارکہ بالخصوص تمہید ایمان شریف آپ کے مطالعہ میں رہا کرتی تھی۔ اس کی برکت سے آپ کو یقین ہو گیا کہ مدرسہ فرقانیہ کے کچھ مدرسین تقیہ کر کے تنخواہ کی لالچ میں اور اپنے مفاد کے لئے اپنے آپ کو سنی ظاہر کر کے مدرسہ میں پل رہے ہیں۔ جیسا کہ مناظرہ موراواں کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے جو حضرت نے وہابیہ کے اعتراض کرنے پر جواب دیا تھا۔

> ''اس مناظرہ میں ایک موقع پر نور محمد ٹانڈوی نے کہا۔ مولانا آپ نے ابتداء میں دیوبندیوں سے پڑھا ان میں رہے اب انھیں کو کافر و مرتد کہتے ہیں۔ آپ سے

بڑھ کر احسان فراموش اور نمک حرامی کرنے والا کون ہے؟

حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! یہ حق پسندی حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کریمہ ہے کہ جب حق واضح ہوگیا تو فوراً جدا ہوگئے اور اسی کے خلاف محاذ قائم فرما کر اعلان حق فرمایا۔ کیا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی احسان فراموش (معاذ اللہ) کہہ سکتے ہو۔

ربّ قدوس جل جلالہٗ نے اپنے پیارے کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعلین کریمین کا صدقہ مجھ گنہگار کو بھی عطا فرمایا کہ فراعنۂ وہابیت ونماردۂ دیوبندیت ہی میں میری پرورش کرائی اور آج بعون اللہ تعالیٰ وبعون حبیبہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم۔ ان کو مذہب کی طرف ہدایت ورہنمائی کر رہا ہوں۔

اور یہ جواب بھی میرا اِرخائے عِنان کے طور پر ہے۔ ورنہ میں نے کسی دیوبندی وہابی کے مدرسے میں ہرگز پرورش نہیں پائی۔ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں پڑھتا تھا۔ جس کے بانی جناب مولوی عین القضاۃ صاحب تھے۔ ان کو ہرگز دیوبندی نہیں کہا جاسکتا۔ ان کا رسالہ ''نہایۃ الارشاد الیٰ احتفال المیلاد'' موجود ہے۔ جس میں مجلس میلاد شریف وقیام تعظیمی وتعین وتداعی وزینت وغیرہا کو بدلائل شرعیہ جائز ومستحسن ثابت کیا ہے۔ اور مسئلہ مردودہ امکان کذب کو کفر بتایا ہے۔ بلکہ بہت سے دیوبندی مولوی اسی مدرسہ میں نوکر تھے جو تھانوی کی سنت پر قائم ہوکر محض تنخواہ کے لئے تقیہ کئے ہوئے اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عبدالشکور کاکوروی کی دیوبندیت وہابیت جب ظاہر ہوئی تو مولوی عین القضا صاحب نے فوراً بہزار ذلت ورسوائی اپنے مدرسے سے نکال دیا اور پھر عمر بھر کبھی کاکوروی کی صورت نہ دیکھی۔ تو جس مدرسہ سے دیوبندی مولوی پلتے رہے اسی مدت میں بھی پڑھتا رہا۔ پھر کسی دیوبندی کی مجال ہے کہ طعن وتشنیع کے لئے اپنے لب کھول سکے؟ نور محمد ٹانڈوی اس کا جواب

سوائے سکوت وخاموشی کے اور کچھ نہ دے سکے۔"

(مناظرہ موراواں، ص: ۱۱۰، سن اشاعت ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۳ء)

لہٰذا سیدنا اعلیٰ حضرت کی ایمان افروز کتب مبارکہ کا فیضان تھا کہ آپ نے والد ماجد سے سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے شرف بیعت حاصل کرنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔

سلسلہ قادریہ رضویہ میں بیعت

بریلی شریف حاضر ہوکر حضور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔اس شیخ کامل کی نگاہِ کرم کا فیضان کہ آپ کا رنگ اور تیز ہوگیا۔

حضرت جب اُن مدرسین کی بدعقیدگی سے واقف ہوئے اور تعلیم کا حرج ہوتے دیکھا تو حضور سیدنا اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پورا واقعہ لکھا۔حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے تحریر فرمایا کہ فوراً آجاؤ۔ یہاں سب انتظام ہوجائے گا۔آپ کے بریلی شریف پڑھنے جانے کی خبر مولانا عین القضاۃ صاحب کو ہوئی تو آپ نے والد صاحب قبلہ اور حضرت دونوں کو بلایا اور بہت سمجھایا کہ ذہین اور سمجھدار طالب علم ہے ہمارے مدرسہ کا نام ہوگا۔ اب میں دس کے بجائے پچیس روپے ماہانہ وظیفہ دیا کروں گا۔مگر والد محترم اور حضرت نے اس کو منظور نہ فرمایا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت تو امام احمد رضا کی علمی عبقریت کا اعتراف کرہی چکے تھے۔ان کی محبت اور عقیدت دل میں ہر طرح راسخ ہوچکی تھی۔ بحث ومباحثہ سے گھبرائے بغیر مسلک اہل سنت کی حقانیت سے متعلق مدرسہ فرقانیہ کے اساتذہ کے سامنے سوالات کی بوچھار کرتے رہے۔ پہلے تو اساتذہ نے استادی کا حق جتاتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرنا چاہا مگر آپ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم وارفتگی کی حد تک پہنچ چکا تھا کہاں خاموش ہونے والے تھے۔ صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر اپنے سوالات کے جوابات کا مطالبہ فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ ہر روز آپ جوابات کا تقاضہ کرتے۔کسی میں ہمت نہ تھی جو آپ کے سوالوں کا جواب دے۔جب ہر طرح خاموشی نظر آئی اور تمام مولویوں کی زبانوں پر مہر سکوت دیکھی تو آپ ان سے

بیزار ہو گئے اور خود ہی جا کر اپنے والدین سے فرمایا کہ اب میں اس مدرسہ میں پڑھنے نہیں جاؤں گا۔ والدین کا منشا تو یہی تھا ہی سنتے ہی خوشیوں سے سرشار ہو گئے۔ شفقت و محبت سے فرمایا اب تو بریلی شریف پڑھنے چلے جاؤ۔

یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شیر بیشۂ اہل سنت کے ذہن و دماغ میں انقلاب پیدا کرنے والی کتاب ''تمہید ایمان'' ہی ہے۔ مگر اس تبدیلی فکر کا طریقہ بعض دوسرے سوانح نگاروں نے یہ بتایا ہے۔

> ''جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت علامہ ہدایت رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں تو انھوں نے شیر بیشۂ سنت کی والدہ ماجدہ کو اعلیٰ حضرت کے کچھ رسائل عطا فرمائے۔ جس میں رسالہ تمہید ایمان بآیات قرآن بھی تھا۔ ان کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ صاحبزادے کی روش تو غلط ہے یہ کتابیں میرے کس کام آئیں گی۔ تو پیر و مرشد نے فرمایا ''رکھو کام آئیں گی'' پیر و مرشد کا فرمایا ہوا جملہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔

پیر و مرشد کے دیے ہوئے اس کتابی عطیہ کو آپ کی والدہ ماجدہ بڑی قدر و منزلت سے دیکھتی تھیں اور جان سے زیادہ اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتیں اور کبھی کبھار دھوپ میں رکھ دیتیں تاکہ خراب نہ ہوں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ کتابیں دھوپ میں رکھی ہوئی تھیں کہ اچانک اس موقع سے آپ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے آئے، اعلیٰ حضرت کی کم مائیگی علم و فضل اور بے بضاعتی فکر و فن کے بارے میں مدرسہ فرقانیہ کے مولویوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا ہی اس طرح ان اساتذہ نے ان کے ذہن و دماغ اعلیٰ حضرت کے خلاف بھر دئے تھے مگر جب اعلیٰ حضرت کی تصنیف کردہ کتابیں باہر پھیلی ہوئی دیکھیں اور اس میں ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' پر نظر پڑی تو جھٹ سے اٹھا لیا اور مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ ادھر پیر و مرشد کی پیشین گوئی کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا۔ امام احمد رضا کے ایمان افروز کلمات نے اپنا اثر دکھایا۔ ادھر کتاب پڑھتے جارہے ہیں اور ادھر بے اختیار ان کی زبان حق ترجمان سے یہ کلمات جاری ہیں۔ یقیناً وہ

کا فر ہیں، یقیناً وہ کافر ہیں'' والدہ ماجدہ اس وقت باورچی خانہ میں روٹی پکا رہی تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا ان کے کان میں جیسے ہی یہ جملے پہنچے فوراً روٹی پکانا چھوڑ کر سجدے میں گر گئیں اور روتے روتے بے ہوش ہو گئیں۔ کئی گھنٹے بعد جب ہوش آیا تو پیر و مرشد کی یہ بات یاد آئی ''یہ کتابیں رکھو کام آئیں گی'' آج میرا لڑکا گمراہی سے نکلا اور راہ راست پر آیا۔

(قاضی علی محمد تبلیغی: مناظرہ ملتان ص ۵ مطبوعہ ۱۴۰۵ھ)

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی طبیعت مدرسہ فرقانیہ سے اچاٹ ہو چکی تھی والد ماجد کی دلی خواہش تھی کہ آپ کو حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حصول تعلیم کی غرض سے بریلی بھیجا جائے والد ماجد نے موقع غنیمت جانا اور بغیر کسی تاخیر کے آپ کو ۲۵ ؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء منظر اسلام بریلی شریف میں داخلہ کر دیا۔ یہاں امام اہلسنت فاضل بریلوی کی سرپرستی اور شب و روز کی رفاقت و عنایت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ کی زندگی میں نکھار شروع ہو گیا۔ منظر اسلام میں داخلہ لیتے ہی پہلے تو آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر بیعت کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ نے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا۔ امام اہل سنّت نے آپ کو خرقۂ ارادت سے سرفراز فرمایا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

> ''خرقۂ ارادت اس کو دیا جائے گا جو اس کا اہل ہوگا اہل سے اس راہ کے شرائط کا مطالبہ نہ کریں گے صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیاء کی صحبت اختیار کر شاید اس کی برکت اسے خرقۂ ارادت کا اہل کر دے۔''

(ہدایۃ البریہ الی شریعۃ الاحمدیہ، ممبئی، ص:۶۶)

اس خرقۂ ارادت کو بعض خرقۂ خلافت سے تعبیر کرتے ہیں کیوں کہ اس میں ان تمام چیزوں کا پاس و لحاظ رکھنا پڑتا ہے جس طرح خرقہ خلافت حاصل کرنے والا رکھتا ہے۔ امام اہل سنت نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے وہ فرماتے ہیں:

> ''دوئم بیعت ارادت کہ وہ اپنے ارادہ کے اختیار سے باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ

رشد ہادی برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے اسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اس کے لئے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے اپنی عقل کا قصور جانے اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے۔'' (فتاویٰ افریقہ، ص: ۱۵۰، دہلی ۱۹۹۴ء)

خرقۂ ارادت جیسی عظیم دولت سے سرفراز ہونے کے بعد پیرومرشد کے زیر سایہ انہماک کے ساتھ تعلیمی سفر شروع کیا۔

اس وقت ایک پریشانی یہ تھی کہ بریلی سے لکھنؤ گھر آنے جانے کی وجہ سے تعلیم کا کافی نقصان ہوتا تھا۔ یہ تعلیمی نقصان ناقابل برداشت تھا۔ اس لئے انھوں نے بریلی شہر میں مستقل سکونت کے لئے مرشد گرامی سے اظہار خیال فرمایا۔ آپ کی یہ بات مان لی گئی اور مسجد بی بی جی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے پر مامور کر دیا گیا۔ منظر اسلام میں تعلیم و تعلم اور مسجد بی بی کی امامت و خطابت سے جو وقت بچتا وہ حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں گزارتے۔ شیخ کامل کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو کندن بنا دیا۔ بزرگوں کی بارگاہ میں حاضری بھی کیا عجیب شی ہے ان کی ایک نگاہ التفات نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ مدرسہ منظر اسلام کے اساتذہ جن میں حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت کی شخصیت کی تعمیر میں ان حضرات کا اور آپ کے پیرومرشد حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اہم حصہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ شیر بیشۂ اہل سنت اگر اعلیٰ حضرت سے وابستہ نہ ہوئے ہوتے تو جو قدر و منزلت انھیں حاصل تھی شاید اس سے محروم رہتے۔

شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر آپ نے مدرسہ منظر اسلام سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد سند فراغ حاصل کیا اور مسجد بی بی جی صاحبہ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ اس حسین موقع پر مذکورہ اساتذہ نے آپ کو اپنی خلافتوں اور نیابتوں سے نوازا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے اپنا جبہ مبارکہ آپ کے زیب تن فرمایا۔

اساتذہ

جن اساتذہ کے سامنے آپ نے زانوے تلمذ تہہ کر کے اکتساب علم کیا ان میں:

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری (وصال ۱۳۴۰ھ)

(۲) صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی مصنف ''بہار شریعت'' (وصال ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء)

(۳) حضرت مولانا مولوی رحم الٰہی رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۲۳ء)

(۴) حضرت مولانا مولوی نور الحسن رام پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۵) حضرت مولانا مولوی ظہور الحسین رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء)

تدریسی ذمہ داریاں

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ منظر الاسلام بریلی شریف ہی سے کیا۔ وہاں جس زمانے میں آپ درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ کی علمی صلاحیت کا بڑا چرچا تھا۔ ساتھ ہی ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' بریلی کے مفتی بھی رہے۔ آپ کی تدریسی صلاحیت کا اندازہ حضرت مولانا مفتی رضوان الرحمن مفتی مالوہ (وفات ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳) کی اس گفتگو سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء کو مدن پورہ کی جامع مسجد میں بیان کیا۔ فرماتے ہیں:

''میں مدرسہ منظر اسلام میں پڑھتا تھا۔ حضرت (شیر بیشۂ سنت) تفسیر جلالین، مشکوٰۃ شریف، میر قطبی اور نور الانوار کا درس دیتے تھے۔

ایک بار رام پور سے تین معمر علماء آئے اور مدرسہ کے حالات معلوم کرتے ہوئے آپ کو نوجوان دیکھ کر آپ کے درس میں بیٹھ گئے۔ آپ نے سلام ومصافحہ و مزاج پرسی کے بعد درس شروع کر دیا۔ تینوں علماء بغور سنتے رہے۔ ایک جگہ ایک صاحب نے اعتراض کیا آپ نے فوراً اس کا جواب دیا۔ انھوں نے پھر کچھ سوال کیا آپ نے اس کا بھی اطمینان بخش جواب دیا۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔ مدرسہ میں جب یہ خبر پھیلی تو تمام مدرسین بھی اس کمرے میں جمع ہو گئے۔ پھر دوسرے عالم صاحب نے کچھ سوالات کئے۔ آپ نے ان کے جوابات دیے۔ انھوں نے مزید شک پیش کئے آپ نے ان کے بھی جوابات دے کر شکوک دفع کئے وہ بھی مطمئن ہو گئے۔ پھر تیسرے صاحب نے اعتراض کیا آپ نے انھیں بھی جوابات دئے۔ انھوں نے اور شبہات پیش کئے آپ نے وہ بھی دور کئے۔ یہاں تک کہ وہ بھی مطمئن ہوئے اور تینوں حضرات بہت خوش ہو کر تشریف لے گئے۔ یہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی علمی صلاحیت اور اعلیٰ ترین قابلیت تھی۔'' (سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۴۹)

آپ نے وہاں دو سال بڑے انہماک کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں اور اس قلیل مدت میں مسلک اہلسنت کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دیوبندی اس شہرت سے خار کھانے لگے اور دیوبندیوں نے آپ پر جادو کرا دیا۔ ہوا یوں کہ انھیں ایام میں ۴/۵/۶/ر جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء کو پادرہ میں مولانا اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی کفری عبادت پر مولوی ثناء اللہ امرتسری اور مولوی محمد حسین کے مابین تحریری مناظرہ تھا۔ اس مناظر میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے فریق مولوی ثناء اللہ امرتسری کو شکست فاش دے کر ذلت وخواری کے گھاٹ اُتارا جس کی تفصیل خود مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفتہ وار اخبار ''اہل حدیث'' میں کچھ ترمیم کے ساتھ شائع کی ہے۔ مناظرہ چوں کہ تحریری تھا اس لئے زیادہ گربڑ نہ کر سکے۔

اس شکست فاش سے دیوبندیوں میں بڑی رسوائی ہوئی، انھوں نے آپ پر جادو کرا دیا جس

کے باعث آپ کو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا حکیموں اور ڈاکٹروں نے علاج کرنے سے منع کر دیا تو آپ کے والد ماجد آپ کو وہاں سے بریلی شریف لے آئے آستانہ پاک (بغرض علاج) پر حاضری دی اور بفضلہٖ تعالیٰ اور بعون حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ سے آپ کو شفا یابی ملی اور آپ نے غسل صحت فرمایا:

جسے آرام گر ملتا نہ ہو سارے زمانے سے
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک ان کے آستانے سے

ذہن و دماغ چونکہ مناظرانہ تھا اس لئے تدریسی ذمہ داریوں کو آپ زیادہ عرصہ نہ نبھا سکے اور ان ذمہ داریوں سے مکمل طور پر سبکدوش ہو کر آپ نے اپنی پوری زندگی اشاعت دین حق اور دشمنان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکوبی میں صرف کر دی۔ دوران تدریس جن تشنگان علوم نے آپ سے اپنی پیاس بجھائی ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ چند اہم تلامذہ کے اسماء ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

(۱) سید العلماء حضرت مولانا الحاج مفتی سید آل مصطفی قادری برکاتی صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) حضرت بابرکت الحاج مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں نبیرۂ حضور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہما

(۳) حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی

(۴) حضرت مولانا مفتی احمد میاں قادری مفتی دھوراجی

(۵) حضرت مولانا مفتی ابوالطاہر محمد طیب داناپوری مفتی جاورہ (ایم پی) رحمۃ اللہ علیہ

(۶) حضرت مولانا شاہ سید حسن میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی زیب سجادہ قادریہ برکاتیہ قاسمیہ مارہرہ شریف

(۷) خلف اکبر حضرت علامہ شاہ محمد مشاہد رضا خاں قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ رضویہ

چشتیہ پیلی بھیت شریف

(۸)　حضرت مولانا قاری احمد حسن قادری پانی پتی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

شادی خانہ آبادی

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے دو شادیاں کیں۔ دونوں شادیاں یکے بعد دیگرے نہیں ہوئیں بلکہ جب پہلی بیوی اللہ کو پیاری ہوگئیں تو آپ نے دوسرا عقد فرمایا۔

پہلی شادی کب ہوئی اس کی تاریخی سند مشکوک ومشتبہ ہے۔ مگر اتنا یقینی ہے کہ آپ کا پہلا عقد حافظ محمد صادق کی دختر نیک اختر محترمہ صابرہ بیگم سے ہوا۔ جس زمانے میں نوساری ضلع سورت کے بدعقیدہ لوگوں نے آپ پر مقدمہ چلایا تو اس مقدمہ کی پیروی اور بار بار آنے جانے کی وجہ سے مصروفیت اس درجہ تھی کہ بس! گھر میں آپ کی اہلیہ محترمہ کے یہاں ایک لڑکی کی ولادت ہوئی جن کا نام ناظرہ بیگم رکھا گیا۔ پیدائش کے چھ دن بعد لڑکی کا انتقال ہوگیا اور اس کے آٹھویں دن اس کی والدہ کا۔ اس طرح زچہ بچہ دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر شیر بیشۂ اہل سنت مقدمات کی پیروی میں اس درجہ مصروف رہے نہ تو بچی دیکھ سکے اور نہ ہی اہلیہ محترمہ کی تیمارداری کو آسکے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی دوسری شادی جناب شاہ میر خاں قادری برکاتی کے توسط سے پیلی بھیت میں ہوئی۔ یہ شادی ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ شادی کی برات میں اکابر علمائے کرام کی شرکت کی وجہ سے نور وعرفان کا سماں بندھا ہوا تھا۔ اس شادی میں شہ بالا سید العلماء مولانا شاہ سید آل مصطفی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن پر پھولوں کے گجرے پڑے ہوئے تھے۔ نکاح سے پہلے حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں خود وکیل نکاح بنے اور خود ہی نکاح پڑھایا۔ دس ہزار روپے سکہ رائج الوقت پر مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد چھوہارے لٹائے گئے اور حاضرین کی شربت سے ضیافت ہوئی۔ اس مبارک مجلس کے دوسرے باراتیوں میں درج ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں:

(۱) حضرت تاج العلماء مولانا شاہ مفتی سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی (وصال ۱۹۵۲ء)

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفی رضا خاں قادری (وصال ۱۹۸۱ء)

(۳) حضرت مولانا شاہ محمد ضیاء الدین قادری برکاتی

(۴) سلطان الواعظین حضرت مولانا الحاج عبد الاحد قادری برکاتی (وصال ۱۹۵۲ء)

(۵) حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن قادری برکاتی (وصال ۱۹۸۱ء) علیہم الرحمۃ والرضوان

دوسری شادی کے بعد حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے والد ماجد کی اجازت سے پیلی بھیت میں زمین خریدی، مکان بنوایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس طرح ایک عرصہ لکھنوی کہلانے کے بعد آپ پیلی بھیتی ہو گئے۔

حج وزیارت

حرمین شریفین کی زیارت فریضۂ خداوندی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی معراج بھی ہے۔ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جسے زیارت حرمین شریفین کی سعادت میسر ہو۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبارہ حصہ میں آئی اور تیسری بار کاغذی کارروائی مکمل ہونے کے باوجود بھی اس سعادت سے مشرف نہ ہوسکے اور یہ تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

پہلا سفر حج

ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء میں جب پہلی بار آپ حج بیت اللہ شریف کے لئے روانہ ہوئے تو سنی علماء کی ایک کثیر جماعت بھی آپ کے ساتھ گئی۔ اس پہلے سفر میں دوسرے علمائے کرام اور بزرگان دین کی جھرمٹ میں ۱۸ نمبر گودی سے نعرۂ تکبیر ونعرۂ رسالت کی گونج میں جہاز حجاج کرام کو لے کر جدہ کی طرف روانہ ہوا۔

اس سفر کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اگر ایک طرف آپ کے معتقدین ومحبین علماء آپ کے ساتھ تھے تو اسی جہاز میں دوسری طرف دیوبندی علماء کی ایک بھیڑ تھی جس کی قیادت مولوی منظور نعمانی سنبھلی کررہے تھے۔

ہندوستان کے مختلف شہروں میں آپ مولوی منظور سنبھلی کی مناظرہ میں شکست فاش دے چکے تھے۔ اس پیہم شکست فاش کی ذلت ورسوائی کے سبب بحیثیت مناظر انھوں نے آپ کے سامنے نہ آنے کا تہیہ کرلیا تھا۔ مگر اس روز اس کے حمایتی آپس میں محاذات یلملم سے متعلق اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ اس سے خلاصی کی کوئی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔ چھوٹے بڑے تمامی دیوبندی اسی میں پریشان تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ہم لوگ حاکم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے "یلملم" پر احرام باندھتے ہیں۔ احرام باندھنا شرعی مسئلہ ہے اس میں کسی کافر کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اس پیچیدہ مسئلہ کی گتھی سبھی لوگ سلجھانے میں منہمک تھے۔ منظور سنبھلی کو جب اس کا علم ہوا تو وہ آپ کی جناب میں اس مسئلہ کو لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے منٹوں میں اس مسئلہ کا تسلی بخش جواب دے کر واپس کردیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل مناظرانہ صلاحیت کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ آپ جہاں بھی رہے اپنے تشخص کے ساتھ دین حق کی اشاعت میں سرگرم عمل رہے۔

سرزمین حجاز مقدس کے حرم محترم میں نیازمندانہ حاضری مسلک حق کی اشاعت اور پورے تشخص کے ساتھ حج کی ادائیگی اس سعودی حکومت کی موجودگی میں ایک زبردست مسئلہ ہے لیکن قربان جایئے شیر بیشۂ اہل سنت کی جرأت وہمت پر سعودی پولیس اظہار عقیدت ومحبت پر بار بار رکاوٹیں ڈالتی رہی مگر ؎

هزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ
اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

تو تو میں میں بھی ہوئی، بحث ومباحثہ اور مناظرے کی نوبت بھی آئی۔ مفتیٔ اعظم ممبئ کے پاس مکہ معظمہ شریف سے جو بھی خط آتا اس میں کسی نہ کسی سعودی حکمراں اور پولیس کے درمیان بحث ومباحثہ کی تفصیل ضرور ہوتی۔ تیسرا خط جسے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۳ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۴ راکتوبر ۱۹۵۱ء کا محررہ روانہ کیا۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''پرسوں سہ شنبہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۷ھ کو طواف بعد الصبح کر کے مقام ابراہیم پر نماز واجب الطواف پڑھ کر برنجی جالیوں کو جس کے اندر مقام ابراہم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رکھا ہوا ہے، بوسہ دینے لگا۔ ایک نجدی سپاہی بگڑ گیا کہنے لگا تقبل الحدید والحجران ھذا شرک عظیم لوہے اور پتھر کو چومتے ہو یہ بڑا شرک ہے۔

میں نے کہا نحن لانقبل الحدید والحجر انما نقبل ماله النسبة الی حضرت ابراھیم خلیل علیه الصلوٰۃ والسلام یعنی ہم لوہے اور پتھر کو نہیں چومتے ہیں ہم تو اس نسبت کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل ہے۔

نجدی بولا: او ھذا المقام ھو معبود ک کیا یہ مقام ابراہیم ہی تمہارا معبود ہے؟

میں نے کہا: او ھذا الکعبۃ ھی معبود ک؟ کیا یہ کعبہ معظّمہ ہی تیرا معبود ہے۔

نجدی بولا: معبودی ھو اللہ رب الکعبۃ میرا معبود وہ اللہ ہے جو کعبہ کا رب ہے۔

میں نے کہا: معبودنا ھو اللہ رب المقام و رب الکعبۃ و رب ابراھیم ہمارا معبود وہ ہے جو مقام ابراہیم کا رب ہے جو کعبہ کا رب ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب ہے۔

نجدی بولا: سلم انت علی ھذا المقام تم اس مقام ابراہیم کو سلام کرو۔

میں نے کہا: فسلم انت علی ھذہ الکعبۃ تو اس کعبہ کو سلام کر۔

نجدی بولا: تقبیل غیر الکعبۃ شرک کعبہ کے سوا کسی کو بوسہ دینا شرک ہے۔

میں نے کہا: فالتقبیل عندکم عبادہ خاصة للمعبود ولایجوز ان تکون لغیر المعبود فثبت ان الکعبۃ المعظمۃ ھی معبودکم چومنا تم وہابیوں کے نزدیک معبود کی عبادت خاص ہوئی اور یہ غیر معبود کے لئے جائز نہیں تو ثابت ہوا کہ کعبہ معظّمہ ہی تم نجدیوں کا معبود ہے۔

نجدی بولا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

میں نے کہا: لا حول و لا قوۃ الا باللہ

پھر میں نے کہا: اسمع کلامی ھل یجوز تقبیل غلاف الکعبۃ الشریفہ میری بات سن کیا کعبہ معظمہ کے خلاف کو چومنا جائز ہے۔

نجدی بولا: نعم ہاں جائز ہے۔

پھر اس نجدی کے جواب میں آپ نے عربی زبان میں ایک طویل تقریر فرمائی جس کا مفہوم یہ تھا:

''غلاف کعبہ کیا چیز ہے وہ روئی اور ریشم ہے۔ دونوں دھنکے گئے پھر بٹے گئے۔ پھر بنے گئے پھر سلے گئے تو غلاف ہوگیا پھر وہ کعبہ مکرمہ پر ڈالا گیا تو کعبہ معظمہ کی مجاورت سے اس غلاف کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی اور اس کے بعد اس غلاف کو چومنا بھی جائز ہوا تو تعظیم اس نسبت کے لئے ہے جو اس غلاف کو کعبہ مقدسہ سے حاصل ہوئی اور کعبہ خود ایک گھر ہے جس کو حضرت سیدنا خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائفین وعاکفین وقائمین وراکعین وساجدین کے لئے بنایا اور یہ وہ مقام ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ مشرفہ بنانے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ تو ان دونوں کعبہ اور مقام ابراہیم کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت حاصل ہوئی اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ حجر اسود شریف جنت کے یاقوت میں سے ایک یاقوت ہے نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور چومتے ہیں کیونکہ ہم کو علم ہے کہ یقیناً حضور سید نا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم نے اس کو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ تو اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس مقام کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف وعظمت و بزرگی ہے اور اس کی تعظیم اور اس کا چومنا اللہ کی عبادت ہے جس طرح حجر اسود کو چومنا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔''

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۱۸۲)

نجدی ان باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ ٹھیک اسی طرح ہکا بکا رہ گیا بلا تشبیہ و تمثیل جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے نمرود مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس طرح کی کئی بحثیں ہوئیں جس میں شیر بیشۂ اہل سنت نے نجدیوں کو مبہوت ولاجواب کر دیا۔ ان بحثوں کی تفصیلات سوانح شیر بیشۂ اہل سنت نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس بحث و مباحثہ کے سبب ہندوستان میں دیوبندی مولویوں نے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دی کہ سعودی عربیہ میں دوران حج بحث و مباحثہ کرنے کے سبب انھیں گرفتار کر لیا گیا ہے اور گولی مار دی گئی ہے۔ ہم خود آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں ان وظیفہ خوار مولویوں نے ہندوستان میں اس طرح کذب بیانی سے کام لیا۔ لیکن ۱۱ رصفر المظفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۱ رنومبر ۱۹۵۱ء کو جب آپ حج مبرور سے واپسی پر بمبئی تشریف لائے تو ''انجمن تبلیغ صداقت'' کے زیر اہتمام آپ کا زبردست استقبال کیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے خیر مقدم کیا۔ پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ پے در پے تہنیت کے چار جلسے ہوئے۔ آپ کی واپسی پر دیوبندی مولوی دم دبائے گلی کوچوں میں دبے پاؤں چلنے لگے۔ اس طرح آپ کے انتقال کی کئی بار افواہیں پھیلائی گئیں۔ مگر لعنۃ اللہ علی الکاذبین جو خدا اور رسول کو جھوٹا گردانیں بھلا وہ کب سچ بول سکتے ہیں۔

دوسرا سفر حج

مدتوں پہلے مدینے میں بلایا تھا مجھے
یہ کرم بارِ دگر ہو تو مزہ آجائے

دوسرا سفر حج آپ نے ۱۳۷۷ھ میں فرمایا۔ آپ کے ساتھ اس سفر میں الحاج حکیم صوفی حیات علی بھاؤپوری اور جناب صوفی الحاج خاموش شاہ صاحب جیسی جلیل القدر ہستیاں تھیں۔ اس سفر میں بھی آپ نے نجدی وظیفہ خوار ملاؤں سے کئی مناظرے کئے جس کے سبب دیوبندی مولویوں نے پہلے کی طرح اس بار بھی ہندوستان میں یہ خبر پھیلا دی کہ مولانا حشمت علی کو سعودی حکومت نے گرفتار کر لیا اور گولی مار دی۔ اس سلسلہ میں اپنے ایک والا نامہ میں جسے انھوں نے ۹ رمحرم الحرام ۱۳۷۸ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۵۸ء کو اپنے برادر اصغر مولانا محبوب علی خان صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے پاس ارسال کیا تھا۔اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''میرے متعلق وہابیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوگا لیکن پریشان نہ ہونا پچیس نجدی ملاؤں سے حکومت نجدیہ کے قائم کردہ مرکز "ھیئۃ الامر بالمنکر و النھی عن المعروف'' میں تقریباً ڈھائی گھنٹے زبردست مباحثہ ومناظرہ ہوا جس کا خاتمہ ''رئیس الھیئۃ'' کے اس جملے پر ہوا "سامحونا فقد کلفنا کم'' ہمیں معافی دیجئے ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی۔''

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۲۳۲)

۱۹ راگست ۱۹۵۸ء سہ شنبہ کو دوسری بار حج سے بمبئی واپسی ہوئی۔آپ کے عقیدت مندوں اور اخباری نمائندوں کا آپ کے استقبال کے لئے تانتا بندھا ہوا تھا۔تکبیر ورسالت کے فلک شگاف نعروں سے آپ کا استقبال کیا گیا۔چونکہ دیوبندی مولویوں نے آپ کی گرفتاری کی خبر پھیلا رکھی تھی اس لئے وہابی اور خصوصیت سے اخباری نمائندے اس جشن خیر مقدم میں شامل تھے۔۱۹ راگست کو بمبئی اور اجلاس تہنیت میں شرکت کے سبب آٹھ یوم بعد ۲۸ راگست کو وطن مالوف پیلی بھیت تشریف آوری ہوئی۔اس طرح پہلے سفر حج کی طرح دوسرا سفر حج بھی از ابتدا تا انتہا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے طفیل بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ کامیابیوں سے ہمکنار رہا۔

سفر آخرت

حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان حرمین شریفین کی زیارت سے دوبار مشرف ہوئے تھے۔ایک سچے عاشق رسول کو جو کیف وسرور مدینہ کی گلیوں میں ملتا ہے وہ روئے زمین پر کہیں میسر نہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی آخری خواہش اور تمنا یہی تھی کہ تیسری بار حرمین شریفین کی زیارت ہو اور پھر وہیں کوچہ رسول میں آخری آرامگاہ ہوجائے۔اپنی اس تمنا کا اظہار بھی وہ بارہا ان اشعار کے ذریعے کرتے رہے۔

بلا لیجئے مدینے میں خدا را نہیں اب ہند میں اپنا گزارا
تمہارا در ہو اور ہو سر ہمارا اسی کوچہ میں ہو بستر ہمارا
قضا آئے تو آئے اس گلی میں رہے باقی نہ حسرت کوئی جی میں

انھوں نے اپنے برادر خورد حضرت مولانا مفتی محمد محبوب علی خان مفتی اعظم بمبئی کو خط لکھا کہ ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے کوشش کرو، آپ نے معلومات کر کے خط لکھ کر پانی کے جہازوں کے ٹکٹ تو مہینوں ہوئے ختم ہو کر ویٹنگ لسٹ بھی ختم ہو گئی، اب ہوائی جہاز سے حاضری ہو سکتی ہے۔اس کے قواعد وضوابط سے مولانا محبوب علی نے آپ کو روشناس کرایا۔آپ نے شوق زیارت میں دو ہزار روپے اپنے احباب سے قرض مانگے جن کے ملنے میں دیر ہوئی اور ہوائی جہاز کے بھی ٹکٹ ختم ہو گئے اور بظاہر تیسری بار حاضری نصیب نہ ہو سکی اور یہ تمنا لے کر نصف صدی سے زائد ۵۹ سال کی عمر پا کر تبلیغ دین متین کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یوں تو ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے لیکن مثل مشہور ہے ''حیلۂ رزق بہانۂ موت'' ہر موت کا کوئی نہ کوئی بہانہ اور سبب ہوتا ہے۔آپ کی موت کا یہ سبب بتایا جاتا ہے کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے کئی فاتحانہ مناظرے کئے اور ہر بار دیو بندیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔لکھنؤ اور دیو بند کے تمام حمایتی ان کی مدد نہ کر سکے جس کے سبب ان دیو بندی مولویوں کو شکست پر شکست کھانی پڑی۔اس پیہم شکست سے معاشرہ میں جو ان کی ذلت ورسوائی ہوئی اس کی تاب نہ لا کر انھوں نے کسی طرح حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو رسولی ضلع، بارہ بنکی میں پان میں زہر دے دیا۔وہ زہر چونکہ فوری اثر کرنے والا نہ تھا اس لئے حضرت کو اس کا احساس نہ ہوا لیکن آہستہ آہستہ زہر اپنا کام کرتا رہا اور بدن میں ضعف و نقاہت اور آواز میں پستی آتی گئی۔مگر تبلیغ دین متین کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں ممبئی تشریف لے گئے۔ضعف بدن کے باوجود تبلیغ دین مصطفی کرتے رہے۔عرس رضوی میں شرکت ہوئی مگر کمزوری اس درجہ غالب تھی کہ آپ وہاں وعظ نہ کر سکے۔ پھر ۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء کو پیلی بھیت میں عرس ضیائی میں شرکت کی۔کمزوری بے حد تھی تمام علماء نے آپ کو وعظ فرمانے سے منع کیا مگر نہ مانے اور ایمان افروز تقریر فرماتے ہوئے فرمایا۔

''یہ عرس میرا ہی قائم کیا ہوا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کے بعد اس عرس میں شریک ہوسکوں گا یا نہیں۔'' (سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۴۲)

ایک گھنٹہ شیرانہ لب ولہجہ میں مدلل تقریر فرمائی۔ سارے مجمع پر سکوت طاری تھا۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے آپ نے اپنی اس زہر خورانی کا کسی سے ذکر نہ فرمایا۔ اس کا پتہ لوگوں کو اس وقت چلا جب ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے ''ردّ خوارج نمبر'' میں مولانا مشتاق احمد نظامی کے نام ایک خط میں اس واقعہ کا مختصراً ذکر کیا۔

بہر حال ہوا وہی جو فرمایا سچ ہوا۔ سال آئندہ عرس ضیائی کی تاریخ آنے سے پہلے ہی آپ راہیٔ ملک عدم ہوگئے۔

اس سلسلہ کا دوسرا واقعہ محمد عثمان قادری گلبرگہ شریف کی زبانی سنئے فرماتے ہیں:

''ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ میں اپنے وطن میں تھا۔ ایک روز خیال آیا کہ بمبئی چلیں محرم میں حضرت تشریف لائیں گے زیارت بھی ہوجائے گی اور بیان بھی سنیں گے۔ رات کو خواب دیکھا کہ بہت بڑا مجمع ہے سب نورانی شکل وصورت والے لوگ ہیں سب ایک جنازے کے ساتھ جارہے ہیں۔ جنازے پر بہت پھول ہیں اتنے میں حضرت میرے پاس آئے اور فرمایا اب میری تم سے ظاہری ملاقات نہ ہوگی میں آج تم سے ملنے آگیا ہوں۔ یہ دیکھو میرا جنازہ ہے اور ۸ رمحرم الحرام ۱۳۸۰ھ یاد رکھو یہ فرما کر تشریف لے گئے۔'' (سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۳۵۵)

آنکھ کھلی تو فجر کا وقت قریب تھا۔ اٹھ کر حیرانی میں پڑ گیا آخر معاملہ کیا ہے۔ بمبئی آیا۔ بمبئی حضرت کو بلانے کی خبریں سنیں، دعوتیں دی گئیں مگر آپ تشریف نہ لائے۔ ۸ رمحرم کی تاریخ آگئی مگر بمبئی آپ کا آنا نہ ہوا۔ ۸ رمحرم کے تصور سے دل کانپتا رہا۔ یہاں ۹ رمحرم کی تاریخ آگئی۔ تو مغرب کے قریب پیلی بھیت سے ۸ رمحرم میں گیارہ بجے کا روانہ کیا ہوا ٹیلی گرام ملا کہ ۸ رمحرم الحرام کو حضرت کا وصال ہوگیا۔ یہ ہیں اللہ والے، کہنے والے نے سچ کہا ہے:

''لوح محفوظ است پیش اولیا''

زندگی کی آخری سانس تک تبلیغ دین متین اور مسلک سنیت کی اشاعت کے ساتھ بیعت وارادت کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔ ۸رمحرم الحرام یعنی وصال سے ایک دن قبل دوشنبہ کودھوراجی کے ایک صاحب جناب عبدالرزاق حشمتی کے ساتھ کانپور سے پیلی بھیت شریف بیعت ہونے کے لئے ۸رمحرم الحرام صبح ۹ ربجے پہنچے۔ آپ نے انھیں مرید فرمایا۔ ان لوگوں نے حضرت کی شفایابی کی دعائیں کیں تو آپ نے فرمایا نہیں اب تو حسن خاتمہ کی دعا کیجئے۔ فقیر کو اس کی ضرورت ہے۔ عبدالرزاق حشمتی یہ آخری مرید ہیں جنھوں نے نذر پیش کی اور فرمایا بھیتا یہ لو غلام یٰسین کا قرض ادا کر دو حضور سرکار مشاہد ملت کو لوگ پیار میں بھیتا کہتے تھے۔ قرض ادا کردی گئی باقی رقم حضرت علیہ الرحمہ کو دینے لگے تو آپ نے فرمایا بھیتا یہ رقم اپنے پاس رکھو کام آئے گی۔ صبح نو بجے کا واقعہ ہے ۱۰ ربج کر ۲۰ رمنٹ پر وصال ہو گیا وہی رقم تدفین میں کام آئی۔ بہر حال وہ حضرات تشریف لے گئے۔ صحن میں دھوپ ہوگئی تھی چارپائی اندر دالان میں بچھائی گئی۔ حکیم مرتضیٰ خان نے جو حضرت کے معالج تھے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا مشاہد رضا خاں صاحب سے کہلوایا کہ حکیم صاحب سے کہہ دو کہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم ہند کی اہلیہ علیل ہیں وہاں تشریف لے جائیں اب میرا وقت آ گیا ہے اس کے بعد فرمایا گرمی معلوم ہو رہی ہے کرتا اتار دیا اور قبلہ کی طرف رخ کر کے لیٹ گئے۔ فرمایا سب لوگ ہٹ جاؤ میں کچھ پڑھوں گا۔ سب لوگ ہٹنے لگے۔ مولانا مشاہد رضا خاں آپ کے پاس سامنے بیٹھے تھے۔ وہ خدمت کے ارادے سے بیٹھے تھے تو ان سے مکرر فرمایا بھیا جاؤ کچھ پڑھوں گا تو وہ بھی اٹھ گئے۔ حضرت نے سورۂ یٰسین شریف شروع کی اور بلند آواز سے تلاوت کرتے رہے۔ سورۂ مبارکہ پڑھ کر اور کچھ پڑھنا شروع کیا آواز کم ہونے لگی۔ جب زیادہ کم ہوئی تو گھر کے تمام لوگ قریب آ گئے۔ مولانا مشاہد رضا خاں نے نبض پر ہاتھ رکھا تو نبض نہ ملی۔ حضرت نے اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھا اور تبسم فرماتے ہوئے ۸رمحرم الحرام ۱۳۸۰ھ مطابق ۳رجولائی ۱۹۶۰ء بروز یکشنبہ دن میں ۱۰ ابج کر ۲۰ منٹ پر دنیائے فانی سے آغوش رحمت باری میں چلے گئے۔ اس طرح وہ مرد جانباز بڑی خاموشی سے مسکراتے ہوئے ابدی نیند سو گیا۔ بلاشبہ وہ

بقول شاعر ''کانہ بنیان قوم تھدما'' کے مصداق تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر علماء وفضلاء نے تاریخیں نکالیں اور قطعات لکھے جن کا انتخاب ذیل میں دیا جارہا ہے:

الحاج شیر بیشۂ سنت	۱۳۸۰ھ
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم	۱۳۸۰ھ
طال رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۸۰ھ
فادخلوہا طالب خلودا	۱۳۸۰ھ
موت العالم موت العالم	۱۳۸۰ھ
الجمع علامہ دہر مولانا حشمت علی	۱۳۸۰ھ
رضی اللہ عنہ یا محی	۱۳۸۰ھ
رضوان ربہ علیہ	۱۳۸۰ھ

اس طرح علماء وشعراء نے متعدد تاریخی مادے نکالے ذیل کا تاریخی مادہ آپ کے برادر اصغر مفتی اعظم بمبئی حضرت مولانا مفتی محبوب علی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔

مرضی الرحمن ہے جب تاریخ رحلت آپ کی

۱۳۸۰ھ

''خلد میں داخل ہو'' حضرت قبلہ ام حشمت علی

۱۳۸۰ھ

آپ کے وصال کے بعد دنیائے سنیت میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا اور اب تک وہ پُر نہ ہوسکا تقریر ومناظرہ اور اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے آپ نے دن متین کی وہ خدمت انجام دی جس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔ محدث اعظم ہند حضرت سید محمد اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء) کا وہ جملہ جو انھوں نے عرس رضوی کے موقع پر دعا مانگتے ہوئے فرمایا تھا اور سارا مجمع دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا قابل ذکر ہے فرماتے ہیں۔

''ہمارا شیر کھو گیا ہے ہم کو شیر چاہئے''

(مظہر انور، عبدالوہاب قادری ص ۱۴۱ چمن حشمتی بلرام پور ۱۴۰۲ھ)

جب حضور شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں قادری برکاتی کا وصال ہوا تو پوری دنیائے سنیت جس کرب و اضطراب کا شکار ہوئی اس کا صحیح اندازہ تو اس دور کے اخبار و جرائد سے لگایا جا سکتا ہے اس موقع سے خانوادہ برکاتیہ پر کیا گذری اس کا اظہار حضور سید العلماء نے اپنے ان مکتوبات میں کیا ہے جو انھوں نے مشاہد ملت حضرت مولانا محمد مشاہد رضا اور حافظ محمد عسکری کے نام لکھے ہیں حضور مشاہد ملت کے نام سید العلما اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''حضرت سیدی و استاذی شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مفارقت کا غم صرف ان کے اہل ولد و عشیرت کا ہی غم نہیں بلکہ وہ میرا غم ہے، میری خانقاہ کا غم ہے، میرے اہل بیت کا غم ہے، سارے برکاتیوں رضویوں کا غم ہے، بلکہ تمام سنی مسلمانوں کا غم ہے، مولیٰ عز وجل آں حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فردوس بریں میں مقام اعلیٰ علیین عطا فرمائے اور ان کے اعقاب خصوصاً تم سب بچے بچیوں اور تمہاری مادر گرامی قدر سلمہم ربہم کو صبر جمیل و اجر جزیل بخشش فرما کر تم سلمہ کا ان کا صحیح جانشین اور حقیقی معنی میں خلف و خلیفہ بنائے آمین بجاہ النبی الامین المکین علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

دعا گو فقیر برکاتی سید آل مصطفےٰ قادری غفرلہ

دوم صفر المظفر ۱۳۶۰ھ چہار شنبہ

جو خط حافظ عسکری رضا کو لکھا اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا لکھتے ہیں۔

''فرزندم تم کیا یتیم ہو گئے ہماری اور سارے سنیوں کی روحانیت یتیم ہو گئی لیکن رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ آؤ ہم تم مل کر دعا کریں کہ مولیٰ عز وجل انھیں اپنی رحمت کاملہ میں لے کر ان کے فیوض و برکات کو ہم سب پر عام و تام فرمائے۔

آمین ثم آمین

تمہاری مارہرہ والی اماں لکھتی ہیں کہ ''مولانا کی وفات سے میرا دل الٹ سا گیا ہے معلوم نہیں کہ میرا بچہ کہاں ہے؟ کہ اس کو تعزیت لکھ دیتی میں نے ان کو تمہارا

پتا لکھ دیا ہے وہ تمہیں نامہ صبر لکھیں گی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں ۔تم کو

پیارودعا۔ والدعا

تمہارے مارہرہ والے ابا

سید آل مصطفیٰ قادری غفرلہ

حضور شیر بیشہ سنت کی رحلت کے بعد خود حضور سید العلماء نے ایک گرامی نامہ حافظ عسکری کے نام اس مضمون کا بھی ارسال کیا تھا۔جس میں فرزند مصطفیٰ نور چشم من عسکری رضا سلمہ ربہ سے مخاطب کرتے ہوئے حضور سید العلماء لکھتے ہیں۔

''نامہ فرزند ملا خورسند کیا میں نے اپنے آنے کا نظام الاوقات عزیز گرامی مشاہد میاں کو لکھ دیا ہے دعا کرتے رہو کہ میں جلسہ ۔۔۔کر کے وقت مقررہ پر تمہارے پاس پہنچ سکوں۔

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کا چہلم کیا اوس کی روداد مفصل حضرت مجاہد اہل سنت اسد الملۃ محب الرضا زیدہ مجدھم السامی سے سنو گے وہ مع اہل وعیال ۱۱ر۱۰ کی گاڑی سے روانہ ہو چکے ہیں ۔ مارہرہ شریف میں تمہاری سب سے چھوٹی بہن علیل ہوگئی تھی غالباً اسی لئے تمہاری مارہرہ والی اماں تمہیں خط نہ لکھ سکیں ،مگر وہ آج کہہ رہی ہیں کہ میں نے خط لکھ دیا ہے ۔غالباً مل گیا ہوگا۔وہ تمہاری دونوں بہنیں تمہیں دیکھنے کی بہت متمنی ہیں انشاءاللہ تعالیٰ موقع مناسب پر تم ضرور مارہرہ شریف آؤ گے تمہاری ساتھی بہن تو چھ مہینے کی ہی ہو کر گذر گئی تھی ،اب تمہارے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے سید آل رسول حسنین ہیں اوران کے بعد چار چھوٹی چھوٹی بہنیں ،انشاءاللہ وقت آئے گا تو تم سب سے ملوگے ،مولیٰ عزوجل تمہیں برکات رضائے قاسم علیہما الرحمہ سے دونوں حظ وافر عطا فرما کر ایمان وامان ،علم وعمل ودولت وعزت سے نوازے اور

اپنے والد ماجد قدس سرہ کا صحیح پرتو بنائے آمین۔ اچھا بیٹے خدا حافظ!

تمہارا مارہرہ والا ابا

فقیر برکاتی سید آل مصطفےٰ جمعرات ۱۷ صفر المظفر

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری آپ کی جرأت وبہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہر حال شیر بیشۂ اہل سنت ایک شیر تھے جس کی ایک للکار اعدائے دین کو لرزہ بر اندام کر دیتی تھی'' (مظہر انور ص ۴۳)

مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی (وصال ۱۹۸۱ء) اپنے ایک خط میں آپ کے تعلق سے اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں۔

''فقیر کے قلب میں اس کے اظہار کی استطاعت کہاں۔۔۔ حضرت علیہ الرحمہ کے کمالات ظاہریہ شہرہ آفاق تھے۔ کمالات باطنیہ اہل باطن جانیں اور ایمان سوز تحریک وہابیت کی تحریک ہے جو کفر محض کو اسلام خالص اور کافر و مرتد کامل الایمان ظاہر کر کے لاکھوں کو گمراہ و بددین بنا رہی ہے۔ اس امر مخصوص میں حضرت علیہ الرحمہ اپنے انداز میں فرد تھے''۔ (مظہر انور ص ۴۳)

حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی (وصال ۱۹۷۶ء) جلال پور وہ کے عظیم الشان جلسے میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضور شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا دامن مبارک اللہ جل شانہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہے۔'' (مظہر انور ص ۴۴)

دوسرا باب

خاندانی شخصیات

حافظ نواب علی خاں

امیٹھی ضلع لکھنؤ کا مشہور زرخیز قصبہ ہے۔ یہ قصبہ کئی خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ کئی اہل علم وادب شخصیتوں نے یہاں جنم لیا۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد گرامی حضرت ملا جیون علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعلق اسی قصبہ سے تھا۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے جد اعلیٰ حضرت محمد خاں آفریدی رحمۃ اللہ علیہ جب درۂ خیبر سے ہندوستان آئے تو یہاں ان کا تقرر فوجی افسر کی حیثیت سے ہوا۔ چونکہ حرب وضرب اور اس سے متعلق دیگر معاملات میں انھیں بڑی مہارت تھی اس لئے وہ اپنے حسن کارکردگی کی بنا پر معافیات کے حقدار ہوئے اور کچھ عرصہ بعد یہ معافیات انھیں بندگی میاں صاحب کی امیٹھی میں تفویض ہوئیں۔ معافیات سے متعلق جملہ کاغذات ہنگامۂ غدر کی نذر ہو گئے اور جائیداد کو نہ جانے کن کن لوگوں نے ہتھیا لیا مگر اتنا ضرور ہے کہ محمد خاں آفریدی اپنے خاندان کے محمد سعادت خان اور محمد حیات خاں کے ہمراہ آج بھی حضرت ملا جیون کے مزار مقدس کے کچھ فاصلہ پر اپنی آراضی میں آرام فرما ہیں۔ (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ سنت، ص ۳۵)

محمد خاں آفریدی کے پوتے محمد حیات خاں کی شادی لکھنؤ کے ایک شریف متمول گھرانے میں ہوئی۔ ان سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ بڑے صاحبزادے کا نام جناب اولاد علی تھا اور چھوٹے صاحبزادے کا نام نواب علی یہی حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔

محمد حیات خاں کا جب انتقال ہو گیا تو نواب علی خاں کی والدہ اپنی تمام اولاد کو لے کر

لکھنؤ چلی گئیں اور تمام بچوں کی ناز ونعم کے ساتھ وہیں پرورش کی۔ بڑے بیٹے اولاد علی کی شادی بارہ بنکی کے قدوائی خاندان میں چودھری واجد علی خاں کی صاحبزادی سے ہوئی جب کہ نواب علی کا عقد مبارک عالی جناب امیر بخش خاں ساکن ملایاں ضلع اناؤ کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ یہی دختر نیک اختر حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی والدہ ماجدہ تھیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے والدین کریمین دونوں عمدہ حافظ قرآن اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ جناب نواب علی خاں کی یادداشت کا عالم یہ تھا کہ انھیں لوگ ''ابوالحفاظ'' کہا کرتے تھے۔ ذہن ودماغ ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں تقویٰ اور دینداری رچی بسی تھی۔ خلاف شرع کسی کام کے کرنے سے صرف گریز نہیں کرتے تھے بلکہ کرنے والوں کو بری نگاہ سے دیکھتے بھی تھے۔ حضرت مولانا ہدایت رسول رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اس لئے امام اہل سنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی سے بھی آپ کو بے پناہ عقیدت تھی۔ مرشد کی آپ پر خصوصی توجہ رہتی۔ اسی توجہ کا نتیجہ ہے کہ آپ کے بیٹے نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی اور کتنے گم گشتگان راہ کو دامن اسلام سے وابستہ کیا۔ یہ باتیں والدین کے لئے یقیناً عزت وافتخار اور نیک نامی کا باعث بنیں۔

آپ کے بڑے والد جناب محمد اولاد علی خاں نے اپنی پانچ اولادیں چھوڑیں بڑی بیٹی شہزادی بیگم لاولد فوت ہوئیں اور بڑے بیٹے محمد معشوق علی خاں صاحب اولاد ہوئے۔ منجھلی بیٹی دو بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہوئیں۔ چھوٹے بیٹے مولانا محمد اشتیاق علی خاں قادری برکاتی صاحب اولاد ہیں اور سب سے چھوٹی بیٹی، ایک بیٹی اور ایک بیٹا محمد حیات عرف تاریخی ''عمران رضا'' کو چھوڑ کر ۲۷ رجمادی الآخری ۱۳۶۲ھ کو لکھنؤ میں فوت ہوئیں۔ آپ کا نام آپ کے والد ماجد نے ''محمد حشمت علی'' اور حضرت مولانا شیر اسلام محمد ہدایت رسول قادری برکاتی نے ''محمد صدیق'' رکھا۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنا سن ولادت ''سگ بارگہ بغداد'' (۱۳۱۷ھ) سے نکالا ہے۔

۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء میں جب حضور شیر بیشۂ اہل سنت دورۂ رنگون پر تھے تو لکھنؤ میں

آپ کے والد ماجد کا وصال پُرملال ہوگیا۔ جب اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو رنگون میں ملی تو صدمہ سے دوچار ہوگئے۔ مگر اشاعت دین حق کا ایسا پُرپیچ مسئلہ درپیش تھا کہ اسے چھوڑ کر فوراً گھر نہ آسکے۔ اس حادثہ رحلت سے متاثر ہوکر جناب سیٹھ محمد ہارون انصاف نے درج ذیل قطعہ لکھا۔

نواب علی جنھیں کہتا ہے زمانہ
تھے مردِ خدا صاحبِ دل صاحبِ ایمان
انصاف سنادو یہ نویدِ سنِ رحلت
فردوس میں ہیں آج وہ نواب علی خاں

(محبوب علی، سوانح شیر بیشۂ سنت، ص ۱۲۱)

حضرت مولانا محبوب علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

غازیٔ ملت حضرت مولانا مفتی ابوالظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں صاحب قادری مفتیٔ اعظم بمبئی حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر تھے۔ لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ حفظ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم ''دارالعلوم منظر اسلام'' بریلی شریف میں حاصل کی۔ ''دارالعلوم حزب الاحناف'' لاہور میں حضرت مولانا سید دیدار علی الوری قدس سرہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔

(محمود احمد: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۲۳۲)

اللہ تعالیٰ نے حق بولنے وحق لکھنے کی بے پناہ صلاحیت آپ کو عطا کی تھی۔ تحریر سے آپ کو اس درجہ شغف تھا کہ تادم زیست پرورش لوح وقلم اور پھر اس کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ آپ نے اکثر اصلاح عقائد فاسدہ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ خوب لکھا ہے اور حق ادا کر دیا ہے۔ تصنیفات کا موضوع خالص علمی رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ کتابوں کے مطالعہ سے مصنف کی علمی دقیقہ رسی اور نکتہ شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی جملہ تصانیف کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اتنا لکھنے میں ضرور حق بجانب ہوں کہ وہ درجنوں اہم کتابوں کے مصنف تھے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد ایک عرصہ لکھنؤ میں دین حق کی اشاعت فرماتے رہے۔ آپ کی تحریروں میں وہ جاذبیت تھی جو پڑھتا بغیر متاثر ہوئے نہیں رہتا۔ انھی خوبیوں کے تحت آپ کو پٹیالہ آنے کی دعوت دی گئی۔ آپ پٹیالہ تشریف لے گئے پھر وہاں آپ کی جو پذیرائی ہوئی اس کی تصدیق اس عبارت سے لگائی جاسکتی ہے۔

''مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت سے متاثر ہو کر حضرت قبلہ مولانا مولوی مفتی محبوب علی خاں کو لکھنؤ سے پٹیالہ تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ آپ تشریف لائے اس وقت تک پٹیالہ میں تیس کے قریب وعظ ہو چکے ہیں۔ آپ کا وعظ بے حد پُرتاثیر ہوتا ہے۔ پٹیالہ میں اس وقت علم وعرفان کی ایسی بارش ہو رہی ہے کہ ہر ایک اہلسنت و جماعت مسلمان مفتی صاحب قبلہ کا والہ وشیدا بنا ہوا ہے۔ جامع مسجد میں بے شمار نمازی آنے لگے ہیں اور حضرت مولانا صاحب قبلہ کو جامع مسجد میں تمام نمازیوں نے مفتی مقرر کر لیا ہے اور دستار پہنا دی گئی ہے۔ پٹیالہ شہر اور مضافات اور ریاست کے تمام مسلمان آپ کے تقرر سے بے حد خوش ہیں اور پٹیالہ میں اس وقت مسلمانوں میں خاص محبت اور اتفاق پیدا ہو رہا ہے۔

ہم حضرت قبلہ مفتی صاحب کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے ہیں جس کی وجہ سے پٹیالہ کو یہ نیک دن دیکھنا نصیب ہوا۔'' (الفقیہ امرتسر اگست ۱۹۳۷ء ص ۱۰)

حضرت مفتی صاحب نے علم دین کی جو شمع روشن کی ہے اس سے اپنے تو اپنے بیگانوں کے قلوب بھی منور ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ کتنوں کو آپ نے داخل اسلام کیا۔ ایسا جادوئی لب ولہجہ خدا نے آپ کو عطا کیا تھا کہ ہر تقریر میں کوئی نہ کوئی دشمن رسول، عاشق رسول ضرور بن جاتا۔ پٹیالہ میں اشاعت اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے چودھری اختر علی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں ایمانی روح اور مذہبی بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ چنانچہ مخالف کو بھی آپ کے وعظ میں آ کر سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔ قدرت نے عجب مبارک طریقۂ استدلال آپ کو ودیعت فرمایا ہے۔ ۲۰؍ جمادی الاولیٰ بروز جمعہ مبارکہ ۱۳۵۳ھ کو قبل نماز جمعہ جب کہ وہ وعظ فرما رہے تھے ایک شخص مسمیٰ مکندا ولد بھاگ ساکن تیرنک ضلع حصار نے برضا ورغبت خود ہزاروں مسلمانوں کے روبرو حضرت علامہ کے دست حق پرست پر ہندو مذہب سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا۔ اسلامی نام ''محمد بخش'' رکھا گیا۔''

(الفقیہ امرتسر ۲۱؍ اگست ۱۹۳۷ء ص ۱۰)

اسی طرح ایک اور وعظ میں ایک عیسائی اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔ جس کا ثبوت درج ذیل کی عبارت میں ملتا ہے۔

''حضرت مولانا محبوب ملت پٹیالہ میں تشریف لائے ہیں۔ حقانیت اسلام وصداقت بانی اسلام پر خوب خوب بدلائل عقلیہ وعظ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آج ۱۵ر شعبان روز پنجشنبہ ۱۳۵۶ھ کو بعد نماز ظہر جامع مسجد پٹیالہ میں بحضور خاص وعام ایک عیسائی مسمیٰ تواری آتمارام ساکن ریاست ''نہندانبالہ'' برضا ورغبت خود صداقت اسلام معلوم کر کے حضرت علامہ ابوالظفر مفتی صاحب پٹیالہ کے دست حق پرست پر عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث سے توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسلامی نام عبدالرشید خاں رکھا گیا۔'' (الفقیہ امرتسر ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۷ء ص ۱۸)

عروس البلاد بمبئی عظمیٰ میں سنیت کی اشاعت آپ ہی کی شبانہ روز جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ پٹیالہ میں ایک عرصہ خدمت دین انجام دینے کے بعد حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے حکم سے بمبئی جیسے عظیم شہر میں افتاء کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر کے آپ کو ''مفتی اعظم بمبئی'' جیسے اہم لقب سے نوازا گیا۔ ابتدائی دور میں ماحول ناموافق ملنے کی وجہ سے تھوڑی پریشانی ضرور ہوئی مگر بعد میں آپ نے اپنی نرم خوئی اور لب ولہجہ کی متانت، مخلصانہ رویے سے بمبئی والوں کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ مذہب کا بڑا بڑا کام ان سے لینے میں ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اسی دور میں اشاعت دین کی خاطر کتب خانہ اہلسنت کا قیام عمل میں آیا جس کے زیر اہتمام کئی درجن اہم اصلاحی اور علمی کتابیں طبع ہو کر ارباب ذوق تک پہنچیں۔

بمبئی میں یوں تو نہ جانے کس کس طرح پریشانیوں سے آپ دوچار رہے مگر مقدمہ بمبئی اور انقلاب اینڈ کمپنی کی سازشوں کا شدید جال آپ اور آپ کے مخلصین اہلسنت کا ایک عظیم امتحان تھا جو دنیائے سنیت کی روشن تاریخ ہے اور آج بھی منزلوں کے پیچ وخم میں ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ زندگی کے اس سخت ترین موڑ پر آپ کی محبت کا، خلوص نیت کا، عزم اور حوصلہ کا، جذبہ وفاداری کا، جانثاری اور استقامت فی الدین کا جس جس طرح بھی امتحان لیا گیا تو آپ اسلام

وسنیت کی نشرواشاعت کی خاطر اہل باطل کے ہزار ہا باطل طوفانوں میں نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ برابر مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ رفیقوں کے قدم ڈگمگا گئے اور احباب کے چہروں پر اداسی چھا گئی مگر کوئی زلزلہ آپ کے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکا اور نہ آپ کے عزم محکم میں کسی قسم کی جنبش پیدا ہوئی۔ اللہ اور اس کے رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شاندار کامیابیوں سے ہمکنار کیا کہ بمبئی ہی نہیں بلکہ مہاراشٹر کی تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکی۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی اس عظیم الشان فتح ونصرت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ (حشمت میگزین ۱۹۸۶ء)

شریعت کا انھیں بے حد پاس تھا۔ زہد وتقویٰ کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ ضرور لے لیتے۔ فرائض وواجبات پر عمل تو تھا ہی، مستحبات ومسنونات کی بھی ان کے یہاں بڑی قدر اور اہمیت تھی۔ زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے بھی بہرہ مند تھے۔ بیعت وارادت کا بھی سلسلہ تھا۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت کرتے تھے۔ سیکڑوں مریدین ان کے دامن ارادت سے وابستہ ہیں۔ آپ کے مریدین ''محبوبی'' لکھتے ہیں۔ آپ خود اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ آپ کے مریدین میں خلوص ومحبت کا جذبہ آپ ہی کی طرح ہے۔ قاری ممتاز محبوبی جو آپ کے خادم خاص ہونے کے ساتھ ایک زمانے میں میرے رفیق درس بھی تھے ان کے رکھ رکھاؤ اور آداب گفتگو سے غازی اہلسنت مفتی اعظم بمبئی کی عظمت اور کردار واطوار کا اندازہ ہو چلا تھا۔ مثل مشہور ہے درخت اپنے پھل اور پیر اپنے مرید سے پہچانا جاتا ہے۔ جب تک بقید حیات رہے اشاعت دین حق کو مقصود زندگی سمجھتے رہے۔ ۲۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ راکتوبر ۱۹۶۵ء کو سفر آخرت کیا۔ (منصور علی: خوابوں کی بارات ص ۱۵ بمبئی ۱۹۸۲ء) ہزاروں سوگواروں کو روتا بلکتا چھوڑ کر یکہ وتنہا سامان آخرت لے کر آخرت کی طرف چل پڑے۔ یادگار میں صاحبزادے اور صاحبزادیوں کے علاوہ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی آپ کی تصانیف ہیں جو رہتی دنیا تک آپ کی علمی عظمت کا اعتراف اہل علم وفن سے کراتی رہیں گی۔

صاحبزادگان میں سنی جامع مسجد مدنپورہ ممبئی کے سابق امام وخطیب حضرت مولانا

قاری محمد منصور علی اور ان کے برادر اصغر فاضل اشرفیہ مولانا محمد مقصود علی صاحبان ہیں۔ موخر الذکر اسلام وسنیت کی اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔ اول الذکر نے خطابت کا خوب ملکہ پایا ہے۔ ہندوستان کے اطراف ونواحی میں ان کی خطیبانہ شوکت وحشمت کے چرچے تھے۔ وعظ وتبلیغ کی مصروفیت کے سبب غالباً تحریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا موقع نہیں ملتا پھر بھی ردومناظرہ کے موضوع پر ان کی دو کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی تھیں۔(۱) تبلیغ یا دھوکہ (۲) خوابوں کی بارات۔ اوّل الذکر حضرت مولانا قاری محمد منصور علی خاں اکتوبر ۲۰۱۵ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت وانوار کی بارش نازل فرمائے۔(آمین)

مولانا مقصود علی بھی تحریری وتقریری دونوں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ذہن ودماغ دونوں بھائیوں کا مناظرانہ ہے۔ جس کا اظہار نوک زبان اور رشحات قلم سے ہوتا رہتا ہے۔ اپنے والد ماجد کی حیات طیبہ سے متعلق "حالات محبوب ملت" کے عنوان سے ایک مبسوط سوانح ان کے زیر قلم ہے (خوابوں کی بارات ص ۱۶ بمبئی ۱۹۸۲ء) خدا کرے وہ کتاب جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر لائبریریوں کی زینت بنے۔

حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ زبان وقلم دونوں کے دھنی تھے۔ آپ کی جتنی تحریریں راقم کی نظر سے گزری ہیں سب میں دلائل وبراہین کا ایک انبار ہے جس سے آپ کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور علمی تحقیقی جستجو کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی بیشتر تصانیف مختصر مگر جامع ہیں۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا جو سلیقہ آپ کو تھا وہ کم مصنفین کے یہاں ملتا ہے۔

آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور خوب لکھا ہے۔ جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے سیر حاصل بحث کی۔ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہنے دیا۔ ایک محتاط روایت کے مطابق آپ کی تصانیف کی کل تعداد بہتر (۷۲) بتائی جاتی ہے۔ جس میں ضخیم مطبوعات کے علاوہ رسائل بھی شامل ہیں۔ اشتہارات اور کتابچے اس پر مستزاد ہیں۔

ردومناظرے کے موضوع پر آپ کی بیشتر تصانیف ہیں۔ باقی تصانیف مسائل شرعیہ سے بحث کرتی ہیں۔ چونکہ تادم زیست آپ سے ایک خلقت مسائل دریافت کرتی رہی اور آپ

بحیثیت مستند مفتی کے یہ دینی امور انجام دیتے رہے۔اس لئے آپ کی تصانیف میں گہرائی وگیرائی کے ساتھ تحقیقی مواد بھی ہے۔آپ کی جتنی تصانیف راقم السطور کے مطالعہ میں رہی ہیں یا کتابوں کے اسماء نظر سے گزرے ہیں اس کی روشنی میں آپ کی جملہ تصانیف کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) سیرت وسوانح (۲) مسائل شرعیہ (۳) ردومناظرہ

الف) سیرت وسوانح

(۱) خصائص ابوحنیفہ (۲) تلامیذ ابوحنیفہ (۳) کرامات صحابہ کرام (۴) کرامات سادات و آل اطہار (۵) فضل واعزاز امیر معاویہ (۶) فضائل سیدنا فاروق اعظم (۷) مشاہدۂ مولانا حشمت علی۔

ب) مسائل شرعیہ

(۱) نور کی تفسیر (۲) تفسیر حدیث لولاک (۳) اربعین شدت (۴) فضائل شب برأت (۵) فضائل ماہ رمضان مع مسائل صیام (۶) فضائل مدینۃ الرسول (۷) اسلامی قانون تجارت (۸) اولیاء کرام کی نذر و نیاز (۹) الاقوال باحکام تجویز الفاتحہ (۱۰) سبیل وطعام نذر ونیاز حسین (۱۱) دعائے ثانی کا ثبوت (۱۲) مراۃ حسن بے مثال (۱۳) ثبوت ہلال کے چند طرق (۱۴) تھانوی کے حمایتی پر شرعی فتویٰ (۱۵) تنویر الایقان (۱۶) الحج الکلام فی منع قرأۃ خلف الامام (۱۷) ترجمہ جامع مسانید امام اعظم (۱۸) بخشائش عزیزاں۔

ج) ردومناظرے

(۱) مطالع تہذیب دیوبند (۲) دلائل خلافت راشدہ (۳) الصوارم الحمدیہ علی کفرۃ المرزائیۃ الدیوبندیہ (۴) برق خداوندی رد بے دینی وہابی دیوبندی (۵) تاریخ اعیان وہابیہ (۶) تواریخ مجددین حزب وہابیہ (۷) دیوبندی ترجموں کا آپریشن (۸) مودودی صاحب کاالٹا مذہب (حصہ اول) (۹) مودودی صاحب کاالٹا مذہب (حصہ دوم) (۱۰) مودودی تحریک کی جلی

خصوصیات (۱۱) قہر معبودی بر جسارت مودودی (۱۲) قدر و منزلت تقلید (۱۳) وہابیہ کے آئینہ خط وخال (۱۴) کل وہابیۂ ہند سے ستر سوالات (۱۵) نجوم شہابیہ تردیر اصحاب وہابیہ (۱۶) تکفیری افسانے کے تجزیے حصہ اول و دوم (۱۷) العذاب الباس علی راس الیاس (۱۸) تبلیغی جماعت کیا ہے اور کیا چاہتی ہے؟ (۱۹) ابن عبدالوہاب کی کہانی (۲۰) سیوف پیر بگلوئے مانعین باب یادستگیر ۲۱۰) سل الحسام علی النظلام (۲۲) الرجم برائے اقوال ایڈیٹر النجم (۲۳) کھرا کھری کا مباحثہ (۲۴) قبائح حفظ الایمان والمہند (۲۵) بوارق الٰہیہ (اس کے علاوہ آپ کے خطبات دو مبسوط جلدوں میں ہیں جن میں چوبیس چوبیس تقریریں ہیں۔

جس زمانے میں آپ ریاست پٹیالہ میں دینی ومذہبی عظیم عہدے پر فائز تھے ان ایام میں آپ نے سیکڑوں فتاوے قرآن واحادیث کی روشنی میں دیئے وہ فتاویٰ آج کئی مبسوط ضخیم جلدوں میں اشاعت پذیر ہوئے مگر افسوس ان کا مجموعہ تقسیم ہند کے ہنگاموں کی نذر ہوگیا۔

جس انہاک اور لگن کے ساتھ آپ نے لوح وقلم کی پرورش کی ہے اس کی نظیر اور کہیں مشکل سے ملتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ پورے ملک کا دورہ فرما کر تقریر ومناظرہ کے ذریعے خدمت دین واشاعت حق کا فریضہ انجام دے رہے تھے تو ان کے برادر اصغر حضرت محبوب ملت مولانا محبوب علی خاں علیہ الرحمہ سنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی اپنے حجرے میں بیٹھ کر نہایت خاموشی لیکن حد درجہ مستعدی وباخبری کے ساتھ اپنے قلم کے ذریعے دین متین ومسلک اہلسنت کی اشاعت کی خدمت انجام دیتے ہوئے پوری ملت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے تھے اور ہر باطل کے لئے ان کا قلم تیر ونشتر بنا ہوا تھا جس کی کسک اور تڑپ آج بھی فرقہائے باطلہ محسوس کر رہے ہیں۔ (سوانح شیر بیشہ سنت: ص ۲۴)

اللہ تعالیٰ قوم مسلم کو ان کا کوئی بدل عطا کرے اور ان کے صاحبزادہ کو ان کا صحیح اور سچا جانشین بنا کر ان کی نیابت کا بھرپور حق ادا کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

اولاد

مشاہد ملت حضرت مولانا مشاہد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ادب سے سر جھکا کر اور تسلیمیں بجا لاکر
رقم کرتا ہے خامہ حال کچھ اب پیر و مرشد کا

اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے یہ دنیا خالی نہیں یہ انھی حضرات کی نیک نیتی، پاکیزہ خصلت، شرافت نفس اور خلوص وللٰہیت کا نتیجہ ہے کہ انسانی سماج اور ملک دونوں بہت ساری برائیوں سے محفوظ ہے، ورنہ جن حالات سے آج ملک وملت دو چار ہے اس سے کسی حال میں بہتری کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے، مادیت پرستی نے انسانوں کو اندھا بنا دیا ہے، حق وباطل کی تمیز ختم ہو چکی ہے، رشوت ستانی اور گھوٹالوں کا بازار گرم ہے۔ ہوس پرستی نے اشرف المخلوقات انسانوں کو درندہ صفت بنا دیا ہے، ظلم وتشدد، مذہب بیزاری، جنسی بے راہ روی اور خانہ جنگی جیسی کون سی ایسی برائی ہے جن سے آج کا معاشرہ دو چار نہیں، ایسے ماحول میں اولیائے کرام صوفیائے عظام اور علمائے حق ہی کی برگزیدہ شخصیتیں مینارہ نور اور مشعل ہدایت کا اہم فریضہ انجام دے سکتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بڑی ہی خاموشی کے ساتھ خلق خدا کی رشد وہدایت اور تزکیہ نفس میں مصروف رہتے ہیں، وہ گوشۂ خمولیت میں بیٹھ کر بندگان حق کی اصلاح باطن کر کے ان کے قلوب میں عشق الٰہی اور محبت رسول کی شمع روشن کرنے کا اہم کردار نبھاتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندے کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں اس کی صحیح تفصیل تو انھی لوگوں کے پاس ہوگی جن کے قلوب عظمت بزرگان دین واولیائے ربانیین کی شمع فروزاں سے منور وتاباں ہیں۔

مرشد گرامی عالم باعمل، پیکر صدق وصفا، مظہر شیر رضا، مناظر اہل سنت حضرت مولانا شاہ مفتی محمد مشاہد رضا خاں قادری کی شخصیت ایسی ہی نفوس قدسیہ میں سے ایک تھی، جس نے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اصلاح عقائد اور تزکیہ نفس کا اہم فریضہ انجام دیا۔ وہ خود کہیں کم جاتے تھے خلق خداخودان کی طرف کھنچی چلی آتی تھی۔ وہ سلسلہ عالیہ قادریہ کی ایک بڑی شاخ سلسلہ رضویہ حشمتیہ کے چشم و چراغ اور صاحب سجادہ تھے۔

آپ کی پیدائش مناظر اعظم ہند شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں قادری رحمۃ اللہ عالیہ کے گھر ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء جمادی الاخریٰ کے مہینہ میں اس وقت ہوئی جب وہ دورۂ رنگون پر تھے۔ اسی سال آپ کے دادا حافظ نواب علی خاں کا بھی وصال ہوا تھا۔ رنگون میں جب آپ کے والد کو اپنے فرزند کی ولادت کی خبر ملی تو اظہار مسرت فرماتے ہوئے تاریخی نام ''مختار علی'' تجویز کر کے ارسال کر دیا۔ جب کہ اس سے پہلے شیر بیشہ اہل سنت علیہ الرحمہ کے برادر اصغر حضرت مولانا شاہ محمد محبوب علی خاں علیہ الرحمہ اپنے بھتیجے کا نام ''محمد'' تجویز کر چکے تھے اس طرح یہ نام مل کر ''محمد مختار علی'' ہو گیا۔ مگر شہرت آپ کو اپنے لقبی نام ''محمد مشاہد رضا'' سے ملی۔

گھر کا ماحول دینی تھا اس لئے بچپن سے ہی دین کی محبت دل میں رچ بس گئی تھی، نماز سے شوق اور مذہبی کتابوں سے لگاؤ جو بچپن میں پیدا ہوا وہ زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہا۔ خاندانی رسم ورواج کے مطابق بسم اللہ خوانی کرائی گئی والدین کی آغوش تربیت میں نشوونما ہوئی، جب کسی قدر شعور بالغ ہوا اور ابتدائی سطح کی دینی اور عربی وفارسی کتابوں کی تدریس سے فارغ ہو گئے تو ملک کی عظیم درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ میں جو آج ''الجامعۃ الاشرفیہ'' کے نام سے مشہور ہے داخلہ لیا۔ اس ادارہ میں اس وقت ایسے اساتذہ مسند درس وتدریس کی زینت تھے جن کے علم وفضل کی گونج پورے ہندوستان میں تھی۔ انھی حضرات کی خدمت میں رہ کر اکتساب علم کرنا شروع کر دیا۔ وقت کی قدر کی۔ انتہائی محنت لگن اور توجہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے اور جلد اپنی گونا گوں خوبیوں کے باعث ادارہ میں ممتاز اور نمایاں ہو گئے۔ اس ادارہ کو اپنے جن فارغین پر ناز ہے ان میں آپ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے۔ نحو وصرف، ادب

وبلاغت، معانی وبیان اور منطق وفلسفہ جیسے مشکل ترین مضامین میں آپ کو بڑی مہارت تھی۔ان علوم میں بالا دستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صراح، تاج العروس جیسی معرکۃ الآرا لغات کی طویل عربی وفارسی عبارتیں انھیں زبانی یاد تھیں، جنھیں وہ بحث ومباحثہ کے دوران بطور دلیل پیش کر کے اپنا موقف ثابت کیا کرتے تھے۔آپ کے رفقائے درس میں اس وقت وہی لوگ تھے جو اس زمانے میں صاحبان فکر ونظر، ارباب لوح وقلم، مسند نشین درس وتدریس اور دنیائے خطابت کے شہ سوار کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کے حامل ہیں، بانی الجامعۃ الاشرفیہ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی ثم مبارک پوری (وصال ۱۹۷۶ء)، جامع معقولات حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی (وصال ۱۹۷۱ء) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی (وصال ۲۰۱۲ء) اور دیگر اساتذہ علم وفن کی شبانہ روز مساعی نے ملک وملت کی دینی مذہبی اور سماجی رہنمائی کے لئے جن فرزندان قوم کو منتخب کیا اور دنیائے کفر وضلالت کو شمع ایمان سے منور کرنے کے لئے جن ارباب فہم وبصیرت کی نشاندھی کی ان میں آپ کا نام نامی اسم گرامی بھی جلی حرفوں میں مرقوم تھا۔بلا شبہ ان حضرات نے سماج سے جہالت وگمراہی کی تاریکی دور کرنے کے لئے جو علم وعرفان کی شمع روشن کی تھی اس کی کرنوں سے بندگان الٰہی کے قلوب آج بھی روشن وتابندہ ہیں۔چراغ سے چراغ جلنے کی کہاوت بہت پرانی ہے ان روشن چراغوں سے علم وعرفان اور فکر وفن کے کئی ایک ایسے چراغ روشن ہو چکے ہیں جن کی کرنوں سے بلا شبہ کفر وطغیان کے بادل چھٹیں گے اور علم وعرفان کا اجالا پھیلے گا۔

حضرت مولانا شاہ محمد مشاہد رضا قادری کا عقد مبارک ۲۰؍رجب المرجب ۱۳۷۸ھ مطابق ۳۰؍جنوری ۱۹۵۹ء کو ہوا تھا اس موقع سے آپ کے والد ماجد نے جو دعوت نامہ احباب اہل سنت اور مخلصین کو بھیجا تھا وہ منظوم تھا ذیل میں وہ دعوت نامہ بعینہٖ نقل کیا جارہا ہے

حمد بے حد برائے رب احد ۔۔۔ حی وقیوم وفرد ووتر وصمد
ہے وہی لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔۔۔ ہے وہی رب احد واحید
دائما بے عدد درود وسلام ۔۔۔ ہوں نثار رسول رب انام

ان کے اصحاب واولیاء پر بھی اہل بیت واتقیاء پر بھی
غوث اعظم امام اعظم پر سب امام دین اقوم پر
شاہ احمد رضائے مرشد پر دین احمد کے اس مجدد پر
سارے احباب اہل سنت پر میرے آقا کی ساری اُمت پر
میرے سنی عزیز اور بھائی غوث وخواجہ رضا کے شیدائی
ہوں اسلام اور رحمتیں تم پر رب اعلیٰ کی برکتیں تم پر
بعد تسلیم کے نگارش ہے مخلصاً با ادب گزارش ہے
ہے مشاہد رضا مرا فرزند عالم وفاضل وسعادت مند
اس کی شادیٔ کتخدائی ہے مصطفیٰ نے خوشی دکھائی ہے
جمعہ کو شب براُت کی پچیس دس بجے دن کو ہے یہ عقد نفیس
دوسرے دن جو روز شنبہ ہے صبح کو دعوت ولیمہ ہے
ہے کرم آپ کا جو آئیں مجھ کو مرہون فضل فرمائیں

فقیر ابوالفتح عبیدالرضا محمد حشمت علی خاں قادری برکاتی رضوی غفرلہ ربہ
(محلہ بھورے خاں پیلی بھیت)

مشاہد ملت حضرت مولانا مشاہد رضا حشمتی برادران کے درمیان ہی صرف نہیں بلکہ اہل سنت کے درمیان ''بڑے بھیا'' کے نام سے مشہور تھے۔آپ کے علمی وفنی کمالات کا اعتراف اصاغر اور کابر سب نے کیا ہے۔وہ نکتہ سنج اور دقیقہ رس تھے،جس مسئلہ پر توجہ فرماتے تحقیق انیق کا حق ادا کردیتے،آپ کے مجموعہ فتاوی سے آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مسائل شرعیہ کے اصول وفروع پر گہری نظر تھی،کسی اختلافی مسئلہ میں آپ کی رائے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔آپ نے دیہات میں جمعہ کے جواز وعدم جواز کے تعلق سے اپنی تصنیف جمعہ فی القریٰ میں اس موضوع پر مدلل گفتگو کی ہے۔بلاشبہ اہل سنت کے ان مفتیان کرام میں آپ کا شمار ہوتا تھا جن کی تحریریں درجہ استناد کو پہنچی ہوتی تھیں۔ان فتاویٰ کی علمی نوعیت کیا ہوتی تھی اس

کا اندازہ تو مجموعہ فتاویٰ سے ہوگا۔

مشاہد ملت نے دار العلوم حشمت الرضا کے علاوہ کہیں درس وتدریس کی خدمت انجام نہیں دی، البتہ ان سے استفادہ کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جو ملک کی مختلف درسگاہوں میں مسند درس وتدریس پر رونق افروز ہوکر ذمہ دارانہ حیثیت سے علم وعرفان کا اجالا پھیلانے میں مصروف ہیں۔ مشغلہ درس وتدریس میں بندش ہوتی ہے ایک جگہ مستقل قیام فرما کر چشمۂ علم وفن سے تشنگان علوم وفنون کو سیراب کرنا ہوتا ہے اس لئے درس وتدریس کی بندشوں سے آزاد ہوکر سفر کی صعوبتوں کے علاوہ اور دیگر کئی ایک مشکلات سے دوچار ہوکر آپ نے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا عشق ومحبت میں ڈوبا ہوا پیغام "مکبر الصوت" کی حیثیت سے ملک کے کونے کونے میں عام وتام کیا۔ ایک داعیٔ اسلام کو دعوت حق کے تعلق سے جو دشواریاں پیش آتی ہیں اس سے آپ کو نبرد آزما بھی ہونا پڑا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور رسول اکرم کے تئیں جن کے دلوں میں نفرتوں کی گرد تہہ بہ تہہ جم چکی تھی اسے کھرچ کر پھینکنے کے لئے بڑی قربانیاں دیں۔ بحث ومباحثے بھی کرنے پڑے، میدان مناظرہ بھی آراستہ کیا گیا، مگر حق وصداقت کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، باطل کا پنجہ مروڑنے کے لئے آپ نے تمام چیلنجوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ بھاری بھرکم آواز تھی ہی میدان مناظرہ میں شیر کی طرح دھاڑتے تھے۔ بلاشبہ مناظر اعظم ہند کے سچے جانشین تھے۔ فرقہ باطلہ کی تردید اور ان کی اصلاح ہی ان کا خاندانی پیشہ تھا وہ دنیائے مناظرہ کے مرد میدان تھے۔ مناظروں میں آپ کی شرکت کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ اپنے موقف کی تائید میں قرآن واحادیث سے بیشتر دلائل پیش کرتے۔ سلطانپور مناظرہ میں کامیابی پر آپ کے استاد محترم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مبارکبادی کا آپ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

محب محترم صاحب الفضل والعز والحشم زیدت مکارمکم

ادعیہ وافرہ وسلام مسنون، محبت نامہ پہنچا خیریت سے خوشی ہوئی سلطان پور کے مناظرہ کی مفصل روداد مجھے عزیزی مولوی محمد حنیف سلمہ کے ذریعے ملی تھی اپنے

خط میں تو انھوں نے اجمالی طور پر آپ کی فتح وظفر کا نقشہ پیش کیا تھا اب وہ مکان آئے ہیں ان سے تفصیلی حالات معلوم ہوکر بے اندازہ خوشی ہوئی یہ شاندار فتح مبین مبارکباد، آپ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزند سعید وخلف الرشید ہیں، حضرت موصوف کے صحیح جانشین ہیں جو دینی خدمات حضرت سے وابستہ تھیں آپ سے متوقع ہیں انشاء المولیٰ القدیر آپ ہر منزل پر ہر میدان میں کامیاب فائز المرام رہیں گے۔ فتح وظفر کا سہرا آپ ہی کے سر پر رہے گا۔ آمین بجاہ حبیبہ المرسلین۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے مبارک عرس میں حاضری اپنی سعادت ہی ہے قلبی تمنا ہے لیکن پھر حضور پُرنور اعلیٰ حضرت قبلہ کے عرس شریف میں غیر حاضری بڑی بدنصیبی ہے اور مبارکپوری مصروفیت طویل غیر حاضری کی اجازت نہیں دیتی اس لئے مجبوری ہے۔

عزیز مکرم عسکری سلمہ کی دستار قرآن تو رسماً ہوگئی۔ میرا خیال یہ تھا کہ وہ قاری ہونے کے ساتھ ساتھ مقری ہوجاتے، فن پر پورا عبور ہوجاتا، لہجوں پر قابو پا جاتے تو وہ بہت قیمتی ہوجاتے اگر آپ کے نزدیک میرا خیال صحیح ہے تو عرس شریف کے بعد ان کو مبارک پور بھیج دیتے۔ والدہ ماجدہ سے سلام مسنون سب بھائی بہنوں اور احباب کو سلام ودعا۔ والدعا والسلام

عبدالعزیز عفی عنہ

۲؍محرم ۱۳۸۱ھ

حضور مشاہد ملت بارگاہ رسول میں گستاخی کا کوئی لفظ سنتے ہی چراغ پا ہوجاتے۔ کوئی شاعر یا مقرر ان کی موجودگی میں منبر خطابت پر کوئی ایسا جملہ بول کر گذر جائے جس سے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کا شائبہ ہوتا ہو ممکن نہیں۔ جب تک اس سے اسی مجمع میں توبہ نہ کرالیتے دم نہ لیتے تھے۔ مقررین اور شعرا کی موجودگی میں منبر خطابت پر آنے سے گریز کیا

کرتے تھے آپ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے مریدین سے نماز کی پابندی کے تعلق سے ضرور دریافت کرتے، اگر کسی مرید کے چہرہ پر داڑھی نہیں تو رکھنے کے لئے سختی سے تاکید کرتے، مزاج میں سادگی تو اس درجہ تھی کہ بس! طلبہ آپ کی قربت میں راحت محسوس کرتے مگر علمی جلال اس درجہ تھا کہ علماء بھی آپ کی بارگاہ میں بیٹھتے ہوئے تکلف محسوس کرتے تھے۔آپ کا تو بس ایک ہی نعرہ تھا۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

انتہائی کھلے ذہن ودماغ کے آدمی تھے، موقع پرستی ان کے یہاں بالکل نہیں تھی، مصلحت پسندی سے وہ کوسوں دور تھے، جو لوگ اپنی فکر کو مذہب کا نام دیتے اور اپنے قد سے مذہب کی پیمائش کرتے ان کے سخت مخالف تھے۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے کتاب وسنت، اجماع صحابہ اقوال ائمہ، صوفیائے کرام اور علمائے حق کے اقوال اور معمولات کی روشنی میں جو مذہب حق کی وضاحت فرمائی وہی کافی ہے اسی پر وہ سختی سے کاربند تھے۔عقائد باطلہ کی تردید کے لئے جو علم کی دولت انھیں ورثہ میں ملی تھی اس کا انھوں نے اپنی زندگی میں بھر پور استعمال کیا اور اس تعلق سے جماعت اہل سنت وجماعت کے ایک نمائندہ فرد کی حیثیت سے ملک گیر شہرت کے حامل ہوئے۔والد ماجد کی طرح ان کی زندگی کا بھی بس ایک ہی مشن تھا۔

پیارے حبیب کو پکار پیارے نبی کا نام لے
دامنِ مصطفےٰ میں آ پائے رسول تھام لے

اسی مومنانہ پیغام کو انھوں نے اپنی دم واپسیں تک عام وتام کیا۔اسی موضوع پر قلم حق رقم بھی چلا اور زبان حق ترجمان بھی، سفر وحضر، نشست وبرخاست، گفت وشنید، تمام حالتوں میں اسی کی تعلیم دیتے رہے "خنجر آبدار" اس موضوع پر ان کی اہم تصنیف ہے۔مسلک حق اور اشاعت دین مبین کے لئے انھوں نے انتھک کوششیں کیں۔علم وفن کے فروغ کے لئے کئی ایک دینی ادارے قائم کئے جب تک حیات رہے ان اداروں کی سرپرستی فرماتے رہے۔بحمد اللہ راقم

السطور بھی ایک ایسے ہی ادارہ کا پروردہ اور خوشہ چین ہے جس کے وہ دائمی سرپرست تھے۔

مشاہد ملت عقائد کے معاملہ میں بڑے ہی متصلب تھے یعنی وہ صحیح معنوں میں اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے عملی پیکر تھے، اس دور میں حشمتی ہونا پختہ عقیدہ ہونے کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ بلاشبہ عقیدہ بریلی کا مشہور ہے مگر تصلب پیلی بھیت کا جب تک کسی عقیدہ میں تصلب نہیں وہ عقیدہ قابل احترام نہیں ان کے عقیدے کی پختگی کا حال تو یہ تھا جتنے لوگ مذاہب باطلہ کے پیروکار ہیں ان سے سلام وکلام تو درکنار دیکھنا بھی انھیں گوارہ نہیں کرتے تھے انھوں نے وصیت کرتے ہوئے اپنے بھائیوں اور صاحبزادگان سے فرمایا تھا کہ میرے جنازہ میں کوئی بدمذہب اور بدعقیدہ شریک نہ ہونے پائے چنانچہ وصیت کے مطابق جنازہ کے وقت بذریعہ لاؤڈ اسپیکر یہ اعلان کیا گیا کہ جتنے بدمذہب اور بدعقیدہ لوگ یہاں موجود ہیں وہ جلوس جنازہ اور نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔

مشاہد ملت سلسلہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے ہی فیض یافتہ تھے اسی سلسلہ کی انھیں اپنے والد سے ارادت، اجازت اور خلافت بھی حاصل تھی۔ والد ماجد کے علاوہ قطب مدینہ حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا قادری بریلوی نے بھی ۲۲ رصفر المظفر ۱۳۸۰ھ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا تھا اس خلافت نامہ کو تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری نے املا کیا تھا، وہ خلافت نامہ کچھ اس طرح تھا۔

الحمد لله وكفىٰ وسلّم ربى العلى علىٰ عباده الذين اصطفىٰ، خصوصاً علىٰ سيدهم نبى الحمد حبيبه سيدنا محمدن المصطفےٰ نبيه المجتبىٰ، ورسوله المرتضىٰ، احمد رضا، ورضاه من والاه علىٰ آله وصحبه اولى الصدق والصفا، لا سيما الاربعة الخلفاء ذوى التقىٰ، والنقىٰ والرضىٰ والشوكة والحشمة والعلاء امير المومنين امام المشاهدين فى رب العالمين مشاهد رضاه فى جميع امور الدنيا والدين سيدنا ابى بكرن الصديق رضى الله تعالىٰ عنه، وامير المومنين امام العادلين غيظ المنافقين سيدنا عمر الفارق الاعظم بين المحقين

والمبطلين رضى الله تعالىٰ عنه، وامير المومنين امام المتصدقين فى رضاه ربه باليقين عثمان ذى النورين ورضاه مصطفاه نبيه خاتم النبيين جل وعلىٰ وصلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه اجمعين۔ وبارك وسلم آمين رضى الله تعالىٰ عنه، واميز المومنين امام الواصلين الفاصل بين السنيين المارقين من الدين مروق السهم من الرمية والخارجين منه خروج الشعرة من العجين اسد الله الغالب امام الاولياء المشارق والمغارب على بن ابى طالب كرم الله تعالىٰ وجهه الاسنىٰ والسبطين الطيبين الطاهرين رضى الله تعالىٰ عنهما وارضاهما عنا فى الملوين وابنه الاكرم الغوث الاعظم محى الدين محمد شيخ عبد القادر الجيلانى وسيدنا الامام الاعظم ابى حنيفة نعمان الكوفى۔

اما بعد فقد سألنى قرة عينى الولد العزيز السعيد الرشيد بفضل ربنا المجيد العزيز الحميد مولانا المولوى مشاهد رضا سلمه ربه القوى ولد اسد الملة ناصر اهل السنة كاسر البدعة شير بيشۂ سنت مظهر اعلىٰ حضرت ناشر احكام الشريعة الغراء والطريقة البيضاء حضرت مولانا ذى الفضل الجلى المولوى محمد حشمت على القادرى الرضوى رضى الله تعالىٰ عنا وعنه مولانا ومولٰه العلى الولى اجازة مااجازنى بها شيخنا المجددسيدنا الوالد الماجد من السلاسل والاذكار والاشغال والاوفاق والاعمال ظناً منه الىٰ اهل لذٰلك ولست هنالك ووجدته اهلاً سلمه ربه وابقاه وعلىٰ مدارج الكمال رقاه واوصله الىٰ غاية مايتمناه واجد نور السعادةفى سيماه واشارنى ايضاً الىٰ هذا اعز الاخوان الحافظ محمد عمران فاجزته علىٰ بركة الله ثم علىٰ بركة رسوله الاعلىٰ بجميع ما اجازنى بها شيخنا اعلٰحضرت مجدد المائة الحاضرة مؤيد الملة الطاهرة قدس سره

واوصیته بعض النواجذ علی السنن وصرف اوقاته فی نکایة البدع واماطة الفتن وحمایة اهل السنة السنیة الرضیة واهانة اصحاب البدعة الغیر المرضیة فان ذٰلک اعظم القرب وارضی المرضاة للنبی والرب عز جلاله وعم نواله وصلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وصحبه وابنه•وحزبه وبارک وسلم آمین قاله بفمه وامر برقمه

الفقیر مصطفےٰ رضا القادری النوری غفر له

۲۲/صفر مظفر ۱۳۸۰ھ

مترجم فقیر محمد اختر رضا خاں ازھری قادری غفرلہ

حضور مشاہد ملت کو تبلیغ دین کی جو ذمہ داری والد ماجد سے ورثہ میں ملی تھی اسے انھوں نے بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ کئی ایک بندگان خدا ان کے دست حق پرست پر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ حلقہ ارادت میں کتنے لوگ شامل ہوئے اس کا کوئی باضابطہ ریکارڈ دستیاب نہیں سجادہ نشینی کے ابتدائی ایام میں تو اس کا اہتمام رہا لیکن پھر دھیرے دھیرے حلقہ ارادت میں شامل ہونے والوں کی کثرت کے باعث اس پر عمل ممکن نہ ہو سکا اس لئے رفتہ رفتہ یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو گیا۔ مگر چوں کہ رشد وہدایت کا یہ سلسلہ سجادہ نشینی کے بعد سے ہی زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سے فیض ارادت حاصل کرنے والوں کی تعداد ہزروں میں نہیں لاکھوں میں ہوگی۔ ان کے تقویٰ وتقدس کو دیکھ کر لوگ کثرت سے ان کی طرف مائل ہوتے تھے۔ بارہا انھوں نے ہزارہا ہزار کے مجمع میں ایک ہی ساتھ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مرید کیا ہے، ایسے واقعات حضرت کی زندگی میں کئی بار پیش آئے اس لئے مریدین کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

راقم السطور بھی بڑے بھیا کے غلاموں میں سے ایک ادنیٰ غلام ہے یہ کوئی ۱۹۷۰ء کی بات ہے جس زمانے میں راقم مدرسہ اہل سنت حشمتیہ معراج العلوم بھدوکھر بازار ضلع سدھارتھ نگر میں عربی درجات کا طالب علم تھا۔ ان دنوں یہ مدرسہ، گاؤں کے ایک اہل خیر سیٹھ عبد الرؤف

مرحوم کے ذاتی مکان میں چل رہا تھا اور مدرسہ کی عمارت زیر تعمیر تھی۔ دوران تعلیم ہی بڑے بھیا اور ان کے والد ماجد کے بارے میں لوگوں سے سن چکا تھا انھیں دیکھنے کی تمنا رہ رہ کے دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ ان کے والد ماجد حضور شیر بیشہ اہل سنت تو اسی وقت پردہ فرما چکے تھے جب میری عمر کوئی سال ڈیڑھ سال رہی ہوگی، اس لئے ان کی زیارت سے تو محروم رہا مگر ان کا روحانی فیضان ان کے فرزند ارجمند کے ذریعہ مجھے ضرور ملا۔ بھدوکھر بازار میں ان کی آمد کی خبر سنتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ بچپن تو تھا ہی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی بہت بڑی نعمت ہاتھ لگنے والی ہے۔ اپنے مدرسہ کے دیگر طلبہ کے ساتھ میں بھی مدرسہ سے کوئی پانچ چھ کلومیٹر دور اٹوا بازار پیدل گیا۔ حضرت کی تشریف آوری ہوئی روئے مبارک پر نظر پڑی تو دل و دیدہ جھکنے کے ساتھ ساتھ سر بھی حضرت کے قدموں پر جھک گیا۔ فرط عقیدت میں جبین عقیدت بھی حضرت کے قدموں سے چمٹ گئی وہ حسب عادت استغفر اللہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے، جس کے سبب میں اپنی تمناؤں کا نذرانہ حسب منشا حضرت کے قدموں پر نچھاور نہ کر سکا۔ مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کے حلقہ میں بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ انھیں بھدوکھر بازار لایا گیا۔ چوں کہ اس مدرسہ میں داخل ہوئے مجھے جمعہ جمعہ کل آٹھ دن ہوئے تھے اس لئے بڑوں کا ادب اس قدر دامن گیر تھا کہ پاس جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا اور اس کا خوف بھی تھا کہ میری نااہلی سے کہیں کوئی گستاخی نہ سرزد ہو جائے اور میں اساتذہ کے علاوہ حضرت کی نظر میں بھی معتوب ہو جاؤں۔ سدھارتھ نگر کے جس خطہ سے میرا وطنی تعلق ہے وہاں کی مٹی بہت سخت ہے، اس سنگلاخ کھادر کے ماحول سے نکل کر بھدوکھر بازار میں حصول علم دین کے لئے آیا تھا اس لئے بڑے بھیا کی ذات گرامی میرے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی، موقع کو غنیمت جانتے ہوئے حضرت کے اسی سفر میں ۱۱ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں بھی دامن عقیدت سے وابستہ ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل ہو گیا۔ اسی فیضان نظر کی بنیاد پر یہ کہنے میں میں حق بجانب ہوں کہ مرشد گرامی کے فیضان نظر نے ہی مجھے مشاہدہ حق کا نہ صرف حقیقی شعور بخشا بلکہ دین حق کی عزت وحشمت اور رضائے الٰہی کا عرفان بھی

عطا کیا۔ پیر و مرشد کی وابستگی اور ان کی روحانی نسبت سے جو غوث پاک سید نا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا دامن ملا وہ ہمارے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ خدا کی ذات سے مجھے امید ہے کہ یہی قادری نسبت میرے لئے حشر میں مینارۂ نور کا کام کرے گی۔ اپنی اس نسبت پر اظہار مسرت کرتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں۔

جب تک بکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا   اس نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

زندگی فانی ہے، موت آنی ہے، ہر آدمی یہاں مسافر ہے، دنیا اس کا عارضی ٹھکانہ ہے، جلد ہی اسے اپنے مرکز کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اعلان حق ہے، موت برحق ہے۔ مشاہد ملت نے رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں مریدین کے حلقہ میں ممبئی میں گزاریں، جمعۃ الوداع کی نماز بھی وہیں ادا کی، مریدین سے نماز عید گھر ادا کرنے کی تمنا ظاہر کی، میزبان نے کہا بچوں کی تمنا ہے کہ اس سال ہم لوگ عید کی نماز حضو کی معیت اور اقتدا میں یہیں ادا کریں گے، حضرت نے فرما یا نہیں مجھے پیلی بھیت جانا ہے، پھر مریدین نے اصرار کیا تو حضرت ناراض ہو گئے اور پُر جلال لہجہ میں فرمایا:

''کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میری قبر بمبئی ہی میں بنے؟''

حضرت کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنتے ہی مریدین پر سکتہ طاری ہو گیا، حیرت زدہ ہو کر لوگ ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے، ٹکٹ کا بند و بست کیا گیا، بمبئی سے پیلی بھیت تشریف لائے، اہل خانہ کے درمیان خوشیاں منائی گئیں۔ ۱۹ر جنوری کی عید کی نماز ادا کی گئی۔ ۲۰ر جنوری کو احباب و متعلقین سے ملے، اظہار مسرت کیا، عید کی مبارکبادیاں اور دعائیں دیں۔ ۲۱ر جنوری ۱۹۹۹ء کو دن گذار کر شام ۸ر بجے سینہ میں درد کا احساس ہوا، اور دھیرے دھیرے یہ درد فزوں تر ہوتا گیا، ڈاکٹر کے پاس لے گئے مگر!

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کے بمصداق سکون حاصل نہ ہو سکا، ڈاکٹر آلات طب سے مرض کا پتا لگانے کی کوشش کرتا رہا اور حضرت والا اپنی زبان مبارک سے یہ شعر گنگناتے رہے۔

سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
دل کرو ٹھنڈا مرا، وہ کف پا چاند سا

جب ڈاکٹر اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا، تو واضح لفظوں میں آپ نے اس سے فرمایا اس مرض کا علاج تمہارے شفا خانے میں نہیں ہے یہ درد دل کا ہے اور دل یاد محبوب سے بے چین ہے اس کا علاج تو بس دیدار یار ہی ہے۔ یہ فرمایا اور پھر کچھ دیر کے لئے آپ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ زبان مبارک سے کچھ پڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دس بج کر گیارہ منٹ پر روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی اس طرح آفتاب علم وفن اور ماہتاب رشد وہدایت ۶۸ سال تک مکمل اس دنیا کو اپنی ضیا بار کرنوں سے منور کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اسلامیہ کالج پیلی بھیت کے گراؤنڈ میں ہزاروں سوگواروں کی جھرمٹ میں جنازہ کی نماز ادا کی گئی، کالج گراونڈ سے جنازہ آستانہ عالیہ حشمتیہ لایا گیا۔ دارالعلوم حشمت الرضا کے صحن میں پورب جانب لحد تیار کی جا چکی تھی۔ علمائے کرام اور افراد خانہ نے جنازہ لحد میں اتارا اور عقیدت مندوں کی زبان سے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ کا نعرہ بلند ہوا۔ اس طرح مرشد گرامی حضور مشاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا مہد سے لحد تک کا ۶۸ سالہ سفر ۲۴ر جنوری ۱۹۹۹ء کو تمام ہو گیا۔ قبر اطہر کی مٹی برابر کی گئی عقیدت مندوں نے گل پوشی کی اور پھر افسردہ خاطر ہو کر اپنے بوجھل قدموں سے دھیرے دھیرے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ راقم السطور بھی نمناک آنکھوں سے یہ دعا کرتے ہوئے اپنے گھر واپس آ گیا۔

مہیمنا، ملکا، منعما، خداوندا — بحق نعت قرآن ودولت قاری
برحمت تو کہ عام است در جہاں حق — بعزت تو کہ خاص است در جہاں داری
ندیم قربت خود کن غریق رحمت خویش — مجاور رسل وانبیاء و مختاری
بساط صحن دہ از حلہ ہائے فردوسی — غلاف قبر کن از پردہ ہائے غفاری

پس ماندگان میں لاکھوں مریدین اور عقیدت مندوں کے علاوہ پانچ صاحبزادیاں

اور دو صاحبزادے ہیں چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا برہان رضا سلمہ المولیٰ تعالیٰ، بڑے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج زرتاب رضا دام ظلہ النورانی سجادگی کے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ دار العلوم حشمت الرضا کا اہتمام وانصرام بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ مرشد گرامی کے خانوادہ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ان دونوں صاحبزادگان کو علم وعمل اور فضل وکمال سب میں مرشد گرامی مشاہد ملت حضرت مولانا الشاہ محمد مشاہد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا سچا جانشین بنائے آمین۔

حضور مرشد گرامی کے حالات زندگی، فضائل ومناقب علمی کمالات اور تبلیغی خدمات پر مشتمل منظوم سوانح ''ذکر مرشد'' کے نام سے راقم السطور کے نوک قلم سے ۲۰۰۲ء میں کتب خانہ امجدیہ دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے کچھ اشعار ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ جو کچھ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا ہے۔ یہ اسی کی منظوم ترجمانی ہے:

میرے مرشد کا اچانک ہوگیا لوگو وصال
دل مرا ہے پارہ پارہ جسم صدمہ سے نڈھال

ان کا مجھ پر کس قدر تھا عام فیضان وکرم
لرزہ بر اندام خامہ کیا کرے اس کو رقم

وصف مرشد ہے حصول فیض کی خاطر مگر
عرض کرتا ہے بصد اندوہ یہ خستہ جگر

حامیٔ دینِ متین و ماحیٔ کفر وضلال
حامل علم شریعت صاحب فضل و کمال

نیک سیرت نیک صورت خوش مزاج وخوشخصال
علم وفضل وزہد وتقویٰ میں تھے وہ اپنی مثال

مسلک اہل سنن ہی زیست کا حاصل رہا
سرور کونین سے ہی ان کا ربط دل رہا

سالکانِ دیں سے تھی ان کی عقیدت خوبتر
یعنی وہ مردِ خدا تھا حق پرست و حق نگر
شہر پیلی بھیت میں ان کا وطن حشمت نگر
مرکزِ رشد وہدایت بن گیا اب سربسر
والدِ ماجد گئے جب دورۂ رنگون پر
ان کے گلشن میں کھلا اک پھول ایسا خوبتر
جس کی خوشبو سے مہلک اٹھے سبھی دیوار و در
ہوگئے سرسبز جس سے آرزؤں کے شجر
وہ گلِ شاداب تھا وہ مظہر شیر رضا
جس کے علم وفضل کا اس دور میں ڈنکا بجا
والدِ ماجد نے رکھا نام مختار علی
بعد میں شامل ہوئی برکت محمد نام کی
مرضئ مولیٰ کہ وہ پہلے مشاہد ہوگئے
پھر وہ اپنے عہد کے مرد مجاہد ہوگئے
اس قدر ناز ونعم سے تربیت ان کی ہوئی
ان کی ہستی خانوادہ کے لئے زینت بنی
علم وفن کی ابتدا گھر میں ہوئی ماں باپ سے
پھر گئے وہ اشرفیہ میں فضیلت کے لئے
مصدر رشد وہدایت مرکز تعلیم ہے
اشرفیہ کی یہ عظمت ملک کو تسلیم ہے
اس کی پاکیزہ قیادت موجب اخلاص ہے
حافظ ملت کی جو اس پر نگاہ خاص ہے

مل گئی دستار جب ان کو کمالِ علم کی
کھل پڑی فرط مسرت سے تمنا کی کلی

حبذا مادر پدر کی آرزو پوری ہوئی
عین منشا کے مطابق ہو بہو پوری ہوئی

زیور علم وادب سے جب ہوئے آراستہ
کھل گیا ان کے لئے احقاق حق کا راستہ

ہر ادا ان کی شریعت کی ادا مانی گئی
حق وباطل کی حقیقت ان سے پہچانی گئی

دشمن دین کے لئے وہ برہنہ تلوار تھے
یعنی وہ مصداق ''اشداء علی الکفار'' تھے

جب پہنچتے تھے مناظر بن کے وہ میدان میں
بھاگ جاتا تھا مقابل کھیت میں کھلیان میں

سر پہ رکھ کر پاؤں سرپٹ بھاگتے دیکھا گیا
جب کوئی آیا مقابل حشر اس کا یہ ہوا

حق ہے کیا؟ باطل کسے کہتے ہیں؟ وہ بتلا گئے
دشمنانِ دیں سے نفرت کا سبق سکھلا گئے

اہلِ حق کی پیروی کرتے رہے جب تک رہے
شمعِ حق سے روشنی کرتے رہے جب تک رہے

وہ حدیث وفقہ اور قرآن کے تھے رازداں
فنِ معقولات میں تھے ایک بحر بیکراں

وہ امام فن تھے بیشک؟ تھا انھیں کامل عبور
علم کی پیچیدگی آساں ہوئی ان کے حضور

تھے بظاہر وہ نحیف وناتواں لاغر بدن
علم وفن کا ایک دریا لیکن ان میں موجزن

کیسے عالی ظرف تھے اور کیا ہی پایا تھا دماغ
اک نظر اٹھتے ہی پا جاتے تھے ہر شئی کا سراغ

وہ شریعت کے امیں، وہ پاسبانِ علم تھے
مخزنِ اسرارِ حکمت اور کانِ حلم تھے

اپنے کردار وعمل سے لگتے تھے قدسی صفات
وہ حقیقت میں ولی تھے، تھی شریعت ان کی بات

صاحب کشف وکرامت بھی تھے وہ پیر ہدیٰ
دیکھ کر کے ہی کرامت بعض نے کلمہ پڑھا

صاحبانِ اتقاء میں ان کا اپنا تھا مقام
بے گماں زہد و ریاضت میں بڑا پایا تھا نام

آبروئے سنیت تھے، صاحبِ صدق و صفا
بج رہا تھا ہر طرف ڈنکا انھیں کے نام کا

طبع کی ناسازی سے کرتے تھے کم ہی وہ سفر
ہوتی گر دینی ضرورت پھر نہ رکتے تھے وہ گھر

جب گئے وہ بمبئی رشد و ہدایت کے لئے
دو مہینے تک برائے شغلِ دینی رہ گئے

جابجا ذکرِ نبی کی شمعیں وہ روشن کئے
بندگانِ حق ہزاروں ان سے بیعت بھی ہوئے

اس قدر رشد وہدایت کا بڑھا یہ سلسلہ
ختم ہونے کو بھی یہ ماہِ مبارک آگیا

جب نمازِ جمعہ پڑھ لی آخری رمضان کی
اہلِ خانہ سے کہا سنئے ذرا مہمان کی
باندھیے رخت سفر میرا میں اپنے گھر چلوں
خوش کروں احباب کو میں عید بچوں میں کروں
اہل خانہ کیا سبھی اہلِ ارادت کہہ اٹھے
عید بالکل سامنے ہے اور کچھ رُک جایئے
کر کے وہ انکار بولے گھر میں جاؤں گا ضرور
پھر بڑھا اصرار کچھ دن اور رُک جائیں حضور
ہو کے برہم اس طرح غصہ سے پھر کہنے لگے
چاہتے ہو قبر میری بمبئی میں ہی بنے؟
بندۂ حق کی زباں سے سن کے یہ قول عجب
جتنے حاضر باش تھے واں پڑ گئے سکتے میں سب
جرأت اصرار پھر کیا کرتے محتاج کرم
صبح دم ہوتے ہی رخصت کر دیا باچشم نم
جب وطن پہنچے وہاں سے حضرتِ والا گہر
کہہ اٹھا شہرِ محبت کا ہر اک فردِ بشر
میرے مرشد آگئے اور آگیا میرا امام
عید کی خوشیاں دو بالا ہوگئیں اب لاکلام
چاند انتیس کا کسی کو جب نہیں آیا نظر
ہو نماز عید نزدِ شرع کیسے معتبر
چاند کے اس مسئلے میں ہوگیا جب اشتغال
لوگ پہنچے خدمت اقدس میں یہ لے کر سوال

چاند انتیس کا نظر آیا نہیں عزت مآب
کہہ رہی ہے شرع کیا بتلایئے حق وصواب
جب طلب حد سے بڑھی پھر آپ یوں گویا ہوئے
احترام شرع لازم ہے یہ سنئے غور سے
چاند اُنتیس کا کسی کو گر نہیں آتا نظر
تیس پورا کیجئے ہے یہ حدیث معتبر
صبح جس دم وہ نماز عید سے فارغ ہوئے
ہر کسی سے مل رہے تھے وہ مسّرت سے گلے
دوسرے دن بھی یہی سب سلسلہ جاری رہا
شام ہوتے ہی اچانک درد سینے میں اٹھا
رابطہ جب ڈاکٹر سے کر لیا بہر علاج
حکمِ ربّی آگیا ہے پھر کہا جانا ہے آج
زیرِ لب یوں مسکرائے جیسے راحت ہوگئی
دس بجے ہی شب میں ان کی روح رخصت ہوگئی
شہر پیلی بھیت کے تھے مفتیِٔ اعظم وہی
ان کی رحلت سے فضا میں چھا گئی افسردگی
تاجدارِ علم وفن تھا بے گماں جاتا رہا
پاسبانِ سنیت تھا الاماں جاتا رہا
شہر پیلی بھیت میں تھا اس طرح سے ازدہام
تیسرے دن تک زیارت کر رہے تھے خاص وعام
جسم بھی تھا نرم و نازک رُخ پہ رقصاں تھا جمال
اک ولی کا حال یہ دیکھا گیا بعدِ وصال

کھول دی آنکھیں انھوں نے اپنی ماں کے حکم سے
دیکھ کر یہ ماجرا جتنے تھے ششدر رہ گئے

لے گئے حضرت کو جب غسلِ مبارک کے لئے
زخم انجکشن سے ان کے خون بھی دیکھے گئے

یہ کراماتِ ولی دیکھیں جواہلِ شہر نے
دشمنِ حق، دشمنی سے اپنی تائب ہوگئے

دھوم سے نکلا جنازہ جب مرے سرکار کا
ایک ہنگامہ تھا گھر کے سامنے زوّار کا

جتنے تھے پیرو جواں یا مجمعِ احباب تھا
ہر کوئی کندھا لگانے کے لئے بیتاب تھا

اس قدر تھی بھیڑ اربابِ عقیدت کی وہاں
کندھے سے کندھا چھلا جاتا تھا لوگو بے گماں

اک نظر پڑتے ہی ایسے لوگ بے قابو ہوئے
دل سے آہِ سرد نکلی، آنکھ سے آنسو بہے

فضل حق سے ہوگئی ساری فضا یوں خوشگوار
سایۂ ابرِ کرم میں نور کی پڑتی پھوار

جس گلی کوچہ سے ہوتا تھا جنازہ کا گزر
شہر کے حکام ہوتے سارے صف بستہ ادھر

بند تھیں ساری دکانیں شہر سناٹے میں تھا
جو جنازہ سے ہوا محروم وہ گھاٹے میں تھا

الغرض پہنچا جنازہ جب وسیع میدان میں
آگئے نوری فرشتے صورت انسان میں

جب کھڑے ہونے لگے بہر جنازہ صف بہ صف
نور اک اترا زمین پر آسماں سے اُس طرف
جس طرف نعشِ مبارک آپ کی رکھی گئی
ایک مخبر نے اچانک کھینچ لی تصویر بھی

غمزدہ تھی سنیت احباب تھے ماتم کناں
دفن ہونے کو چلا جب علم دفن کا آسماں
دفن ہونے تک سبھی افسردۂ خاطر رہے
چشم پرنم سے بصد اندوہ یہ پڑھتے رہے

''عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا''
سوگیا زیر زمیں وہ بندۂ حق محترم
ہر کسی پہ عام لیکن اس کا ہے فیض وکرم

ہے دُعا تربت پہ ان کی رحمت باری رہے
فیض ان کا حشر تک پھر جاری وساری رہے
لکھ کے انجم کہہ رہا ہے مختصر احوال یہ
پیرومرشد کہہ رہے ہیں از زبانِ حال یہ

''جان کر من جملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے''
ایک صاحب نے کہا تاریخ بھی لکھئے ذرا
پھر ہوئی فکرِ سن رحلت تو ہاتف نے

مصرع ثانی سے پہلے کر ادا لفظ ''صد آہ''

۱۰۰

''بندۂ حق تھا وہ یا رب داخل جنت ہوا''

۱۰۰ + ۱۸۹۹ = ۱۹۹۹ء

حضرت مولانا مشہود رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مبارک پور کا سفر کیا۔ وہیں سے علوم متداولہ کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔ بزرگان دین کی عقیدت دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یاد الٰہی کے سبب اکثر دنیا و مافیہا سے بے خبر رہتے تھے۔ ذہن و دماغ متصوفانہ تھا۔ خلاف شرع باتوں پر ناراضگی جلال و غضب کی سرخی بن کر چہرہ پر دوڑ جاتی تھی اور کبھی کبھی تو بے قابو ہوجاتے تھے۔ چھوٹوں سے پیار و محبت کا جذبہ بھی خوب رکھتے تھے۔ راقم السطور پر بے حد شفیق و مہربان تھے۔ گونڈہ بستی کے علاوہ یوپی کے اور دیگر اضلاع میں آپ کے بیشتر مریدین و معتقدین ہیں۔ اشاعت دین حق کے لئے ماہ و سال کے اکثر ایام سفر میں گذارا کرتے تھے۔ بعض دینی مدارس آپ کی روحانی سرپرستی میں اشاعت دین حق میں سرگرم عمل ہیں۔ آپ نے ضلع بلرام پور میں اُترولہ کے علاقہ میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں جوار رحمت باری میں جابسے، اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔ قبر مبارک ڈومکم امیا ضلع سدھارتھ نگر میں مرجع انام ہے۔

حضرت مولانا عسکری رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاہزادگان میں حضرت مولانا عسکری رضا خاں رحمۃ اللہ کو بے حد چاہتے تھے جب آپ کی ولادت ہوئی تو شیر بیشۂ سنت نے یہ عبارت تحریر فرمائی۔

> ''بعون اللہ تعالیٰ و بعون حبیبہ الاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم شب دوشنبہ مبارکہ ۱۹؍ رجب مرجب ۱۳۶۱ھ کو سوا دس بجے ساعت عطارد میں فقیر کے گھر میں تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔ نام محمد عرف تاریخی ''عسکری رضا خاں'' (۱۳۶۱ھ) رکھا بارک اللہ سبحانہ و تعالی فی عمرہ و علمہ و دینہ و دنیاہ و جعل حامیا للدین المتین وماحیالشرور المبتد عین والمرتدین والکافرین والملحدین آمین بحرمۃ حبیبہ الامی الامین المکین علیہ وعلی آلہ وصحبہ و ابنہ الغوث

الاعظم و حزبه الصلوٰة والسلام وعلی مرشدنا المجدد الاعظم وعلینا

وعلی جمیع اهل سنته و جماعته بهم و لهم و فیهم و معهم الی یوم الدین بل

الی ابد االابدین آمین برحمتک یاارحم الرحمین ثم آمین۔

عسکری رضا خاں مرحوم جوانی کے ابتدائی ایام میں گھر سے باہر چلے گئے اور تقریباً دس سال کی طویل مدت گھر سے باہر سیر وسیاحت میں گزار دی۔ ۲۸ سے ۳۰ سال کی عمر کے دوران جب گھر واپس آئے تو ان کی اہلیہ محترمہ ان کے ساتھ تھیں۔گھر آنے کے بعد تجارت شروع کر دی اور گھر کی باگ ڈور سنبھال لی۔یہ سلسلہ کل چھ ماہ ہی چل پایا تھا کہ بیماری کا ایسا عارضہ لاحق ہوا کہ جانبر نہ ہو سکے اور یہی مرض ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا۔

عسکری رضا خاں کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ان کی بچی کی ولادت ہوئی جو والد گرامی ہی کی طرح نیک صورت و نیک سیرت تھی۔حضرت سید العلماء صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس بچی کا نام ام ایمن رکھا۔(اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے)

عسکری رضا خاں انتہائی ذہین اور فطین انسان تھے۔علوم متداولہ سے فراغت تھی کہ نہیں؟ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے مگر اتنا طے ہے کہ وہ ایک عمدہ حافظ قرآن تھے۔ اگر خالق کائنات انھیں عمر طویل دیتا تو بلاشبہ وہ قوم کی امانت ہوتے اور ایک عالَم ان کی صلاحیتوں سے فیضاب ہوتا۔

حضرت مولانا احمد مشہود رضا خان نے اپنے برادر عزیز کی رحلت پر ایک نظم لکھی جس میں اظہار حسرت وغم کے ساتھ نومولود بچے کے بارے میں پیش گوئی کے ساتھ نیک خواہشات ہیں نظم طویل ہے۔نمونہ کے چند بند درج ذیل ہیں:

قدموں میں شیر بیشہ اسلام کے مرقد بنا
صد رشک ہے تربت تری حافظ محمد عسکری
اب بعد رحلت کے تری مہمان جو آنے کو ہے
اس میں شباہت ہو تری حافظ محمد عسکری

حضرت مولانا محمد ادریس رضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

مولانا محمد ادریس رضا خاں حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے پانچویں فرزندار جمند ہیں۔
جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو والد ماجد نے درج ذیل عبارت تحریر فرمائی:

''بفضل اللہ تعالیٰ بکرم حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم روز چہارشنبہ ۱۸ر ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹ر جنوری ۱۹۴۹ء دن کے ایک بج کر بائیس منٹ پر فقیر کے گھر میں پانچواں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ''محمد'' اور عرف ''ادریس رضا'' رکھا گیا تا کہ نام وعرف دونوں مل کر ''محمد ادریس رضا خاں'' اس کا تاریخی لقب ہو گیا۔''

مثل مشہور ہے ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے تمام شاہزادگان کو حسن و جمال کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اس پر علم وفضل کے زیور نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ علوم متداولہ کا معتد بہ حصہ والد گرامی کی خدمت میں حاصل کرنے کے بعد علم وفضل کی آخری مہر ثبت کرنے کے لئے ۱۹۷۱ء میں جب اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ اشرفیہ مبارک پور پہنچے تو اشرفیہ کے ایوان علم وفضل میں ایک شور برپا ہو گیا کہ شاہزادگان شیر بیشۂ اہل سنت حصول علم کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اشرفیہ میں مولانا سید اصغر امام امجھر شریف اور مولانا مرغوب حسن اعظمی قادری جیسے مخلصین کی رفاقت ملی۔ اس طرح یہ قافلہ علم وفضل کی تحصیل میں ایک عرصہ منہمک رہا۔ پھر ۱۹۷۳ء میں حافظ قاری عسکری رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی علالت کا عارضہ درپیش ہونے کی بنا پر مبارک پور سے بریلی شریف آگئے۔ منظر اسلام کے مقتدر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اکتساب علم کیا اور مشقی جلسوں میں شرکت کر کے خطابت کا ہنر سیکھا۔ دوران طالب علمی ہی میں لب ولہجہ کی متانت شستگی اور انداز بیان سے ہی کچھ عقابی نظر رکھنے والوں نے تاڑ لیا تھا کہ یہ بچہ مستقبل میں میدان خطابت کا عظیم شہ سوار ہوگا۔ ہوا بھی یہی ''زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو'' کے بمصداق آج آپ کی خطابت کا ڈنکا ہندوستان کے گوشے گوشے میں بج رہا ہے۔ اس طرح حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی شعلہ بیانی کی یادان کی پانچویں اولاد مولانا محمد ادریس رضا خاں کی زبان

سے پھر تازہ ہورہی ہے۔

مولانا ادریس رضا خاں اخلاق وکردار کے دھنی ہیں۔سفر ہو یا حضر ہر جگہ خلوص یکساں کارفرما ہوتا ہے۔سادگی کا یہ عالم کہ بس مت پوچھئے۔دیکھنے کے بعد ایک معمولی انسان سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔لوگوں سے پیار محبت اور عجز وانکسار کے ساتھ ملتے ہیں۔پہلی ملاقات میں ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کتنے پہلے کے ملاقاتی ہیں۔ملنے کا انداز ہر ایک کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔مصلحت پسندی کے قائل نہیں۔سادگی وشریعت کا یہ عالم کہ بڑے بڑے جلسوں وکانفرنسوں میں عام لباس پہن کر چلے جاتے ہیں جس سے منتظمین جلسہ کو دھوکہ ہوتا ہے اور استعجاب میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا یہی مولانا ادریس رضا خاں شہزادۂ شیر بیشۂ اہل سنت ہیں۔مولانا مرغوب حسن قادری کا بیان ہے۔

> ''ممبئی کی شہید اعظم کانفرنس جہاں ایک سے ایک شعلہ بار مقرر اپنی خطابت کالوہا منواتے ہیں۔ایک بار بحیثیت مقرر سادہ لباس وہی پیلا کرتا عام کپڑے کا پائجامہ دوپلی ٹوپی لگائے ہوئے برسر منبر رونق افروز تھے۔لوگ بڑی حیرت سے دیکھتے کہ یہ کون ہے جو لباس فاخرہ پہننے والے علماء کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔جب ناظم اجلاس نے آپ کے نام کا اعلان کیا اور آپ نے مائک سنبھال کر جو مخصوص انداز میں تقریر شروع کی تو سادگی سے متعلق لوگوں کے حیرت واستعجاب دھواں دھار خطابت میں کھو گئے۔پورا مجمع نعروں کی گونج میں گم ہوگیا۔''

مولانا ادریس رضا خاں وعظ وتبلیغ کے علاوہ خانقاہی نظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔بڑے اثر ورسوخ کے آدمی ہیں۔عرس کی تقریبات میں ان کی خدمات نمایاں رہتی ہیں۔برسر منبر حق بات برملا کہنے کے عادی ہیں۔حق گوئی میں لیت ولعل روا نہیں رکھتے۔مسلک سنیت کی اشاعت زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔دوران تقریر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے اشعار واقوال جس والہانہ عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں اس سے ان کی محبت اور وارفتگی شوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اپنی انھی خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص دونوں حلقوں میں یکساں مقبول ہیں۔اللہ تعالیٰ

آپ کی عمر میں صحت وسلامتی کے ساتھ برکت عطا فرمائے اور مقبولیت میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔(آمین)

حضرت مولانا معصوم الرضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

تقسیم ہند سے پہلے کی بات ہے حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت پر حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ بعض اکابر علماء کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے۔ دوران طعام محدث اعظم ہند نے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے تیسرے صاحبزادے عسکری رضا کی جانب اشارہ کرکے فرمایا۔مولانا یہ سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ جی حضور! یہ سب سے چھوٹا خادم زادہ ہے۔اس پر حضور محدث اعظم ہند نے ازراہ خوش مزاجی پھر فرمایا کہ آگے سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔تو حضرت نے برجستہ فرمایا نہیں ابھی اس کے بعد فقیر کے یہاں تین لڑکے اور تولد ہوں گے۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ/۱۶ جون ۱۹۵۱ء روز شنبہ ۴ بجے شام گلستان حشمتی میں جو پھول کھلا حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی پیشین گوئی کے مطابق انھی تینوں لڑکوں میں سے ایک تھا۔ پیدائشی نام ’’محمد‘‘ رکھا گیا۔تاریخی عرف ’’معصوم الرضا‘‘ تجویز ہوا۔اس طرح دونوں مل کر ’’محمد معصوم الرضا‘‘ تاریخی نام قرار پایا۔

مولانا معصوم الرضا تمام شہزادگان شیر بیشۂ اہل سنت کی طرح عزیز ترین ہیں۔ والد ماجد نے جس لاڈ پیار سے آپ کی تربیت کی ہوگی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ۲۰ رصفر مظفر ۱۳۷۴ھ کو والد ماجد نے بسم اللہ پڑھائی اور پھر حافظ محمد عمران رضوی کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑادیا۔ اس طرح آپ نے حافظ محمد عمران کی زیر نگرانی تحصیل علم دین کا سلسلہ شروع کردیا۔ ۱۹۶۰ء میں دنیائے سنیت کی آبرو حضور شیر بیشۂ اہل سنت جب پردہ فرما چکے تو آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد مشاہد رضا قادری نے آپ کو اپنے بہنوئی مولانا ملک نیاز احمد صاحب کے سپرد کردیا۔ کان پور میں آپ نے بڑے انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔لیکن جب خود پیلی بھیت کی سرزمین پر جامعہ اہلسنت حشمت الرضا کا قیام عمل میں آیا اور ہندوستان کے مایہ ناز اساتذہ کی

خدمات حاصل کی گئیں تو آپ کان پور سے وطن مالوف پیلی بھیت آ گئے۔ حافظ احمد میاں سے ناظرہ اور ماسٹر محمد عقیل سے کچھ دنیاوی علوم حاصل کرنے کے بعد ہمہ تن گوش ہو کر علوم متداولہ کی تحصیل میں لگ گئے۔ حضرت مولانا توکل حسین، حضرت مولانا حسن محمد، حضرت مولانا مفتی محمد یعقوب اور قاری محمد محبوب علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے کافیہ تک باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ جن دنوں آپ جامعہ حشمت الرضا میں زیر تعلیم تھے اس وقت ادارہ بڑی تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھا۔ اگر یہ ادارہ چند سالوں اور اپنا نمایاں کردار ادا کرتا رہتا تو شاید ملک کے اہم اداروں میں سے آج وہ بھی ایک ہوتا۔

مولانا معصوم الرضا ۱۹۷۱ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ملک کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں ادارہ سنی شیعہ اختلاف سے دوچار تھا۔ تعلیم و تعلم میں یکسوئی نہ تھی۔ ان حالات سے جب کی تعلیم متاثر ہوتی نظر آئی تو دو سال بعد ہی منظر اسلام بریلی شریف سے وابستہ ہو گئے۔ اور یہیں درس نظامی کی تکمیل کر کے سند فراغ حاصل کیا۔ اس علمی جستجو میں آپ نے جن اہم اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں بانی الجامعۃ الاشرفیہ حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی، بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی، برادر اکبر حضرت علامہ محمد مشاہد رضا قادری، حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی اور حضرت علامہ احسان علی مظفر پوری شیخ الحدیث مدرسہ منظر الاسلام بریلی شریف کے اسماء بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۰ء میں مدرسہ فخر العلوم بلرام پور گونڈہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ وہاں کچھ ہی مہینے تدریسی خدمات انجام دی تھیں کہ حشمتی بھائیوں کے اصرار پر انوار الرضا گورہ چوکی ضلع گونڈہ چلے آئے۔ یہاں چار سال مسلسل تدریسی ذمہ داریوں کو بطور احسن انجام دیا۔ آپ کی اس تدریسی صلاحیت سے متاثر ہو کر پیرا ماہم ضلع گونڈہ کے برادران خواجہ تاش آپ کو اپنے یہاں لے آئے۔ تادم تحریر مولانا معصوم الرضا الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر ماہم ضلع گونڈہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ تبلیغ دین حق کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا معصوم الرضا سیرت و صورت دونوں اعتبار سے حسین و جمیل ہیں۔ راقم السطور کو

شرف ملاقات حاصل ہے۔ جب بھی ملاقات ہوتی ہے دعاؤں سے نوازتے ہیں۔ سادگی وشرافت، خاندانی وجاہت بھی آپ کے اندر بدرجہ اتم ہے۔ زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ پہلا سفر حج ۱۹۸۸ء جناب لعل محمد حشمتی اور اپنے بھائی مولانا ناصر رضا کے ہمراہ کیا۔ جب کہ دوسرا حج ۱۹۹۰ء میں ادا کیا۔ اس سفر حج میں عراق کے مقدس مقامات کی زیارت بھی آپ نے فرمائی۔ ان دونوں سفروں کے اخراجات الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی ممبئی نے برداشت کئے۔

مولانا معصوم الرضا کو ارادت اپنے والد ماجد شیر بیشۂ اہل سنت سے حاصل تھی۔ مگر دولت خلافت والد ماجد کے علاوہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفی رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عطا فرمائی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند جب آستانہ حشمتیہ تشریف لائے۔ قیام فرمایا تو اسی دوران بشرط علم وعمل جملہ سلاسل مبارکہ اور الاجازات المتینہ میں مذکور تمام اوراد و وظائف وعملیات اور بیعت کرنے کی تحریری اجازت عطا فرمائی۔ اور شیر بیشۂ اہل سنت نے مسجد رضوی واقع محلہ محتشم خاں پیلی بھیت میں قبل نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر اس طرح اعلان کیا۔

> ''آپ لوگ گواہ رہیں میں نے اپنے تمام صاحبزادگان کو جملہ سلاسل مبارکہ اور ان کے اوراد و وظائف وعملیات کی اجازت دے دی۔''

مولانا معصوم الرضا اپنے تمام بھائیوں کی طرح، والد ماجد کی طرح فروغ سنیت میں سرگرم عمل ہیں۔ دائرہ شریعت میں رہ کر زندگی کا ہر لمحہ گزر بسر کرنے کے عادی ہیں۔ مصلحت پسندی کے قطعی مخالف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فروغ سنیت کے لئے آپ کو عمر خضر عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا ناصر رضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

آپ حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ حافظ محمد عمران صاحب رضوی سے ناظرہ پڑھا۔ ابتدائی عربی کی تعلیم کانپور جا کر مولانا ملک نیاز احمد سے حاصل کی، شرح جامی تک تعلیم حضور مشاہد ملت علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ دو سال تقریباً الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے وابستہ رہے۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے اپنے بھائی مولانا معصوم الرضا کے ہمراہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد سند فراغ حاصل کیا۔ مولانا ناصر رضا انتہائی

بردبار، متین اور سنجیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی خوبیوں سے نوازا ہے۔ فارسی کی استعداد خوب ہے۔ تقریر کم کرتے ہیں لیکن جو تقریریں ہوتی ہیں اس میں نکتہ آفرینی اچھی طرح محسوس کی جاسکتی ہے۔ عام گفتگو میں بھی حکیمانہ رنگ غالب رہتا ہے۔ دارالعلوم حشمت الرضا کے طلبہ آپ کی علمی صلاحیت سے مستفید ہو چکے ہیں۔ ان دنوں الجامعہ الحشمتیہ نورالعلوم پراماہم ضلع گونڈہ میں صدرالمدرسین کے اہم منصب پر فائز ہیں۔ حج و زیارت کی عظیم دولت سے سرفراز ہیں۔ اللہ تعالیٰ علم و فضل کے اضافہ کے ساتھ ملت اسلامیہ کے لئے آپ کا سایہ دراز تر فرمائے۔ آمین۔

۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء کو آپ کا عقیقہ ہوا۔ اس موقع پر آپ کے والد ماجد حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں مولانا محمد ادریس رضا خاں کی بسم اللہ خوانی ہوئی اور ایک بیٹی کا مولانا شمس اللہ سے عقد ہوا اور اسی تقریب میں مولانا ناصر رضا کے کا عقیقہ کا اہتمام کیا گیا اس موقع سے ایک منظوم دعوت نامہ بھی "تقریب نکاح نورالابصار (۱۳۷۲ھ)" کے عنوان سے برقی پریس کانپور سے شائع کیا گیا، جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

حمد بے حد برائے رب ودود　　برحبیب خدا سلام و درود
برجمیع صحابۂ اخیار　　عترت پاک پر بھی یا غفار
ہم بروح جناب غوث وریٰ　　بوحنیفہ کی روح پر بھی سدا
ہم بہ احمد رضا امام زمن　　ہم بہ ارواح جملہ اہل سنن
بعد حمد وثنا گزارش ہے　　ساتھ تسلیم کے نگارش ہے
میرے غربت کدہ پہ ہے شادی　　نور چشمی کی خانہ آبادی
میرا نور نگاہ شمس اللہ　　رحمت حق ہو اس پہ شام وپگاہ
میری بیٹی کا اس سے ہوگا نکاح　　ملے دونوں کو دوجہاں کی فلاح
چھٹی اپریل روز پیر نفیس　　ہوگی ماہِ رجب کی جو اکیس
میرے ادریس کی بھی بسم اللہ　　ہے اسی دن بحکم پاک الٰہ
میرا نصرالرضا بفضل حبیب　　اس کے بھی ہے عقیقے کی تقریب
میری عزت بڑھایئے آکر　　آپ سب پر ہو رحمتِ داور

تیسرا باب

عادات و خصوصیات

عادات وخصائل

علم وفضل میں یکتا ہونا دوسری چیز ہے اور عادات وخصائل کا پاکیزہ ہونا شئ دیگر۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک طرف علم وفن کے بحر ذخار تھے تو دوسری طرف عدل وکرم، سخاوت وسماحت، حسن خلق ووفا کیشی کے علاوہ صداقت شعاری اور راست بازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جہاں جس کی ضرورت پیش آئی وہاں اپنے آپ کو اسی طرح پیش کیا۔ کرم وسخاوت کی اس سے واضح ترین مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن دنوں مشن ہاسپٹل بریلی شریف میں آپ کو علاج کے لئے گئے تھے۔ نقاہت وکمزوری نے آپ کا بدن توڑ کر رکھ دیا۔ لاغری حددرجہ بڑھ گئی تھی۔ عیادت کے لئے اسی زمانے میں دومرید بمبئی سے حاضر ہوئے۔ جب وہ مرید واپس ہونے لگے تو ہر ایک مرید نے عقیدت مندی وخلوص کا اظہار پچاس پچاس روپے نذرانہ سے کیا۔ وہ تو نذرانہ دے کر واپس چلے گئے مگر شیر بیشۂ اہل سنت نے اس رقم کو اپنی بیماری پر خرچ کرنے کے بجائے انھوں نے ان دونوں طالب علموں کو جو دارالعلوم منظر اسلام سے آپ کی عیادت کرنے آئے تھے۔ پچاس پچاس روپے یہ کہہ کر دے دیے کہ جاؤ ان کی کتابیں خرید لینا، ساتھ میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اس سال طلبہ کا داخلہ زیادہ ہوگیا ہے۔ ان پیسوں کو کتابوں کی خریداری پر ختم کرنا مگر ہاں کسی پہ یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔

ایک طرف سخاوت وفیاضی کا یہ عالم اور دوسری طرف اپنے ان شاہزادگان کو جو دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے۔ یہ خط لکھتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور اس طویل علالت کے سبب بالکل تنگ دست ہوگیا ہوں۔ تم لوگ کسی طرح گزر اوقات کر کے تعلیمی انہاک

میں کمی نہ آنے دینا۔

فضل وکمال کے جلیل القدر منصب پر جس شان کے ساتھ آپ جلوہ گر تھے اس سے ارباب علم ودانش بے خبر نہیں ،لیکن طبیعت میں انکسار اس درجہ تھا کہ عام آدمی دیکھنے والا ایک معمولی انسان سے زیادہ تصور نہیں کرتا۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے" شاخ وہی لچکتی ہے جس پر پھل لدے ہوتے ہیں۔" ٹھیک یہی حال حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کا تھا۔ استاذ ہو یا استاذ زادہ سید ہو یا سیدزادہ سب کا احترام بڑے اہتمام کے ساتھ بجالاتے۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دولت کدے کے سامنے گزرہوتا تو وارفتگی محبت میں دروازہ اور چوکھٹ کو بوسہ دیتے۔ جہاں سیدی اعلیٰ حضرت بیٹھ کر فیوض وبرکات کے دریا بہاتے۔ اسی طرح قدیم "رضوی مسجد" میں زینے پر ایک لکڑی تھی جس کے سہارے لوگ مسجد میں اوپر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چونکہ یہ لکڑی سیدی سرکار فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ورالرضوان کی ڈولی شریف کی لکڑی تھی بعد وصال مسجد میں لگادی گئی تھی اس لئے شیر بیشۂ اہل سنت زینے سے مسجد میں آتے اور جاتے وقت اس لکڑی کو ضرور بوسہ دیا کرتے تھے۔ اور اپنے بچوں اور مریدین سے فرماتے کہ اس کو چومو یہ میرے پیر ومرشد علیہ الرحمۃ والرضوان کی ڈولی شریف کی لکڑی ہے۔

ادب واحترام کا یہ سلسلہ صرف اساتذہ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اگر تلامذہ میں بھی کوئی سیدزادہ ہے تو استاد سے بڑھ کر آپ اُن کا بھی احترام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ حافظ وقاری ابوالحسین سید آل مصطفی قبلہ مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے مگر ان کی دست بوسی وقدم بوسی حضور شیر بیشۂ اہل سنت اساتذہ کی طرح فرمایا کرتے تھے۔ یہی محبوب طریقہ آپ کا تمام سادات تلامذہ سے تھا۔

معمولات اور مشاہدہ میں یہی ہے کہ مرید وخلیفہ اپنے اپنے مرشد کی اتباع وپیروی کرتے ہیں۔ ان کی دست بوسی اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ مگر آپ کا حال کچھ زیادہ ہی عجیب تر تھا۔ اگر آپ کا کوئی مرید اور خلیفہ سادات سے ہے تو آپ اس کا اتنا ہی احترام، ادب اور خیال فرماتے جتنا کہ کوئی مرید اپنے سید مرشد کا۔ حضرت سید عبدالسبحان صاحب قبلہ بلہری آپ

کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔ مگر جب بھی ملاقات ہوتی تو آپ خود بڑھ کر اپنے اس خلیفہ کی دست بوسی فرماتے اور ساتھ ہی بے پناہ محبت فرماتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اور آپ کے خلیفہ حضرت سید عبدالسبحن صاحب قبلہ میں گہرے مراسم ہوگئے تھے۔ جس کی وجہ سے اکثر جلسوں اور مناظروں میں آپ کی مرافقت رہی۔ زندگی میں جب بھی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا اسم گرامی حضرت صوفی عبدالسبحان صاحب قبلہ کے سامنے آتا تو فرط محبت سے نگاہیں آبدیدہ ہوجاتیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایک عزیز جناب شہر اللہ خاں عرف رئیس میاں سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے تعارف میں اپنے کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا نواسہ بتایا۔ آپ نے فوراً ان کی دست بوسی اور پھر قدم بوسی کی۔ ان کا بیان ہے کہ میں بہت نادم تھا بار بار عرض کیا حضور یہ آپ کیا کر رہے ہیں میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں فرماتے استغفراللہ آپ میرے خادم نہیں بلکہ مخدوم زادے ہیں۔ الغرض اس طرح جس کا بھی کسی طرح اعلیٰ حضرت سے یا ان کے کسی استاد سے تعلق ہوتا ان کا ادب واحترام استاد ہی کی طرح فرماتے۔ (نوری کرن بریلی شریف ستمبر ۱۹۶۰ء) گھریلو زندگی کی معاملہ داری میں وہ سرکار کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ''مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ہی ادا کر دینی چاہئے۔'' اس پر وہ سختی سے کاربند تھے۔ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ ''مزدور خوش دل کند کار بیش'' وہ مزدور کو نہ تو کم پیسے دیتے اور نہ ہی تاخیر سے دیتے۔ اس کے ثبوت میں محمد عاشق پیلی بھیتی کا وہ واقعہ ذیل میں دیا جارہا ہے جو نل بنانے کے دوران ان کے ساتھ پیش آیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''جب بھی حضرت (شیر بیشۂ اہل سنت) کا نل خراب ہوتا تو وہ میرے سوا کسی اور سے نہیں ٹھیک کرواتے۔ حضرت اس بات کا بے حد خیال رکھتے تھے کہ ان کے وہاں جو بھی مزدور آئے وہ صحیح العقیدہ ہو۔ حضرت مجھ سے اچھی طرح واقف تھے اور بے حد محبت فرمایا کرتے تھے اس لئے ہمیشہ مجھ ہی سے فرمایا کرتے کہ نل خراب ہوگیا ہے ٹھیک کردو۔ چنانچہ ایک مرتبہ نل خراب ہوگیا بموجب حکم میں دو مزدوروں کو لے کر حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ نل ٹھیک کرنے کے

بعد حضرت سے اجازت چاہی حضرت نے اجرت معلوم فرمائی تو عرض کیا حضور!
یہ میرا فرض تھا جسے میں نے بحمدہ تعالیٰ ادا کیا۔ مزدوری کی چنداں ضرورت نہیں۔
حضرت نے اصرار کیا تو اس اصرار پر میں نے سوچا کہ میری حیثیت مستری کی
ہے اور یہ مزدور خیال نہ کریں کہ حضرت تو مزدوری دے رہے تھے۔ انھوں نے
ہماری مزدوری ختم کر دی۔ اس خیال سے مزدوروں کی اجرت کے متعلق میں نے
حضرت سے عرض کی۔ مگر میں نے اپنے متعلق کچھ بھی نہ کہا۔ حضرت مزدوروں کی
مزدوری دے کر یہ کہتے ہوئے کہ بچوں کے واسطے ہے اپنی بند مٹھی میری جیب
میں ڈال دی۔ راستہ میں تو خیال نہ آیا مگر ہاں گھر پہنچ کر دیکھا تو دس روپے کا
نوٹ تھا جو میری محنت سے کہیں زیادہ تھا۔''

حضرت کا یہی طریقہ تھا جس کام کے لئے مجھے کہیں دوسری جگہ دو روپے ملتے اس کام کی اجرت حضرت پانچ روپے سے کم نہیں عطا فرماتے بس اس کے علاوہ کیا عرض کروں کہ حضرت کے اندر غرباء پروری کا جذبہ کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

طبیعت میں سادگی اس درجہ تھی کہ بس! بناوٹ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ سے بے حد نفرت تھی۔ حضرت سید العلماء مولانا آل مصطفٰی برکاتی مارہروی کا بیان ہے کہ:

بسڈیلہ کا مناظرہ کے دوران ایک دن حضرت نے قیام گاہ سے میدان مناظرہ کو
جانے کا ارادہ فرمایا تو کرتا شلوار کے بعد شیروانی پہنی۔ اتفاق سے کرتا شیروانی
سے چار انگل نیچا تھا۔ میں نے کہا حضرت! یہ کرتا نیچا ہے دوسرا پہن لیں تاکہ کوئی
مذاق نہ اڑائے۔ ارشاد فرمایا حضور! مناظرہ میں کروں گا میرا کرتا مناظرہ نہیں
کرے گا۔''

آپ کے عادات و خصائل میں یہ بات بہت نمایاں تھی کہ آپ اہلسنت کے واعظین و مبلغین کی بہت ہمت افزائی کرتے۔ عوام کے دلوں میں ان کا وقار جماتے۔ اس ہمت افزائی کے سبب آپ نے کتنے بے زبانوں کو زبان والا اور کتنے گوشہ نشینوں کو مرد میدان بنا دیا۔

سنی مسلمانوں کے دلوں میں امام احمد رضا کی محبت اور عظمت پیدا کرنا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ گھنٹوں ان کی عظمت پر گفتگو فرماتے۔ اعلیٰ حضرت کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی گھنٹے گزر جاتے اور حاضرین پر کیف و مستی کا عالم طاری رہتا۔

حکم شرعی بیان کرنے میں کبھی کسی کی رعایت نہ برتتے اور اس سلسلہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص کے رعب سے مرعوب نہ ہوئے نہ تو کسی کی زبان و قلم انھیں روک سکی اور نہ ہی کسی کا خزانہ انھیں خرید سکا۔

نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ ادا فرمانے کا خاص اہتمام فرماتے۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی اس کی پابندی لازم ہوتی۔

وضو فرماتے وقت مسواک کا استعمال ضرور فرماتے اور وضو میں فرائض تو اہم ہیں ہی واجبات و سنن بھی پابندی سے ادا فرماتے۔

نماز فجر کے بعد اوراد و وظائف سے فراغت حاصل کر کے قرآن عظیم کے تین پارے ضرور تلاوت فرماتے۔ ٹرین تو ٹرین حد یہ ہے کہ بیل گاڑی کے سفر میں تلاوت کا شغل جاری رہتا۔

دلائل الخیرات شریف، حزب البحر شریف اور دیگر اعمال و وظائف آپ کے ہمیشہ کے معمولات میں داخل تھے۔

تقریر میں خطبہ مسنونہ اور تلاوت قرآن پاک کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی نعت شریف ضرور پڑھتے اور بعض مرتبہ نعت مبارک کے کسی شعر کو موضوع سخن بنا کر ڈھائی تین گھنٹے تقریر بھی فرماتے۔

درود شریف میں لفظ "وعلی آلہ" کا استعمال ضرور فرماتے خواہ تحریر میں ہو یا تقریر میں۔ بزرگان دین اور اولیاء کرام کا نام مبارک مع القابات و خطابات پورے ادب و احترام کے ساتھ لیتے اور تحریر میں بھی یہی ادب ملحوظ خاطر رکھتے۔ پالیسی، تملق و چاپلوسی سے ہمیشہ اجتناب فرماتے اور کہتے کہ دین و مذہب کے سامنے پالیسی ٹھکرانے کی چیز ہے، آپ نے ہمیشہ

اسی کی تعلیم دی۔

مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کیا۔ آپ نے پوری زندگی میں صرف اہلیہ محترمہ کے نام سے زمین خریدی مکان بنایا مہر میں اہلیہ محترمہ کے سپرد فرما دیا۔ دو بار حج کیا۔ دو صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادے کی شادی کی۔ باقی تمام پیسہ غربا، مساکین اور طلبہ پر خرچ کیا۔ حضرت کے ساتھ جو سفر میں رہتے وہی نذر و نذرانے وصول کرتے، انھوں نے جو آپ کو دیا لے لیا کبھی ان سے کسی قسم کا حساب نہیں مانگا۔ یہی آپ کی زندگی کا معمول تھا اور تاحیات اس پر گامزن رہے۔

حق گوئی و بیباکی

نوٹوں کی گڈی

بمبئی کے کسی محلے میں مسجد اور مندر (سبھا منڈپ) دونوں لب سڑک ہیں۔ مسجد کا کچھ حصہ روڈ پر فٹ پاتھ کی جانب بڑھا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرکوں نے ایک مرتبہ ہنگامہ کیا کہ مسجد کا جو حصہ سڑک کی طرف بڑھا ہوا ہے اسے توڑ دیا جائے یا ہمیں بھی مندر کو آگے بڑھانے کی اجازت دی جائے۔ یہ ہندو مسلم اختلافات رفتہ رفتہ ہندو مسلم فساد کی شکل اختیار کر گیا۔ چنانچہ قاسم مٹھا نامی سیٹھ نے اس سمجھوتہ کی ایک شکل یہ نکالی کہ اس نے کئی مولویوں کے دستخط لے لئے کہ مسجد کا بڑھا ہوا حصہ توڑا جا سکتا ہے لیکن مسلمان کسی طرح ماننے کو تیار نہیں۔ بہ مشکل تمام ایک جلسہ عام میں عوام نے اپنا فیصلہ صادر کیا کہ اس سلسلے میں جو شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی کی رائے ہوگی ہم اس کو تسلیم کریں گے۔ لہٰذا انھیں جلد بلا کر ان کی رائے لی جائے۔

قاسم مٹھا کی دعوت پر شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت مولانا مفتی محمد طیب داناپوری کے ساتھ بمبئی تشریف لے گئے۔ جب شام کے وقت اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ تشریف لے جانے لگے تو قاسم مٹھا نے سو سو کے نوٹوں کی ایک بھاری گڈی جس میں دس ہزار روپے تھے لا کر آپ کے سامنے رکھ دی۔ حضرت نے فرمایا کیوں یہ کیا ہے؟ قاسم مٹھا نے کہا حضور! ایسا ہے کہ ہمارے محلے میں یہ مسجد جو لب سڑک واقع ہے اس کا کچھ حصہ جہاں جوتے وغیرہ اتارے جاتے ہیں سڑک کی جانب بڑھا ہوا ہے جس کی وجہ سے بہت ہنگامہ ہے۔ لہٰذا آج آپ تقریر فرمانے کے بعد آخر میں اتنا فرما دیں کہ ''مسجد کا وہ حصہ جو روڈ پر بڑھا ہوا ہے خارج مسجد ہے

تو اسے توڑا جا سکتا ہے" اتنا سننا تھا کہ شیر بیشۂ اہل سنت کو جلال آ گیا اور آپ نے نوٹوں کی گڈی قاسم مٹھا کے منہ پر مار کر گرج دار آواز میں فرمایا استغفر اللہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نعوذباللہ منہا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ قاسم مٹھا! تو یہ نوٹ دکھا کر میرے ایمان کا سودا کر رہا ہے۔ ہٹ جا تو میرے سامنے سے تو حشمت علی کو خریدنا چاہتا ہے۔ مولانا محمد طیب دانا پوری کو ٹیکسی لانے بھیج دیا اور خود سامان سمیٹنے لگے۔ قاسم مٹھا نے ہر چند روکنے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ اگر آپ تقریر نہ فرمائیں گے تو میری بڑی بے عزتی ہوگی۔ مگر حضرت نے ایک نہ سنی سامان ٹیکسی پر لادا اور جناب حاجی اسماعیل صدیق کے گھر واپس آ گئے اور دوسرے ہی روز ممبئی سے روانہ ہو گئے۔

اعلائے کلمۃ الحق

۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں جب انقلاب اینڈ کمپنی کی سازشوں نے محبوب العلماء حضرت علامہ مفتی محمد محبوب علی علیہ الرحمۃ والرضوان پر ممبئی کے ہائی کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا۔ چند مخلص عقیدت مندوں نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت سے عرض کیا کہ بمبئی کے چیف منسٹر سے ملاقات کر کے صورت حال ظاہر فرما دیں انشاء اللہ تعالیٰ مقدمہ ہلکا ہو جائے گا۔

حضرت نے پہلے تو انکار فرمایا مگر مخلصین کے شدید اصرار پر چند خصوصی احباب کے ساتھ وزیر اعلیٰ کے بنگلے پر تشریف لے گئے۔ وزیر اعلیٰ کو جب آپ کی آمد کا علم ہوا تو وہ خود صدر گیٹ پر آیا اور پُرتپاک خیر مقدم کر کے ویٹنگ روم میں لے جا کر ٹھہرایا۔ قبل اس کے کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کوئی بات کہتے، اس نے مسجد اور مندر کا قصہ چھیڑ دیا اور کہا کہ مولانا میں تو کبھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ ہندو مسلم سب بھائی بھائی ہیں اور ایک مالک کے بندے ہیں۔ جیسے مندر ویسے مسجد میں نے تو کبھی دونوں کو دو نگاہوں سے نہیں دیکھا۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہمارا دین اسلام ایک سچا اور اصل دین ہے تمہارا دھرم باطل ہے مسجدیں خدا کا گھر ہیں جہاں خدا کی عبادت کی جاتی ہے۔ جو عبادت کے لائق ہے

اور مندروں میں بتوں کی پرستش ہوتی ہے دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

پہلے توبہ

حق گوئی وجرأت و بے باکی اپنوں اور غیروں کے ساتھ یکساں تھی حق گوئی دراست بازی کے معاملے میں سب ایک نظر سے دیکھے گئے۔حق کہنے کے معاملے میں کبھی انھوں نے توقف نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہوئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے ایک مرید حافظ قاری محبوب علی خاں صاحب حشمتی اترولوی نے شیر بیشۂ اہل سنت کی کیفیتِ مزاج معلوم کرنے کے لئے اترولہ سے ایک عریضہ پیلی بھیت ارسال کیا جس میں انھوں نے پیرانی صاحبہ دام ظلہا علینا بالخیر والعافیۃ کو "ام المومنین" (العیاذباللہ تعالیٰ) لکھ کر سلام عرض کیا۔فوراً جواب میں سب سے پہلے "ام المومنین" لکھنے پر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید بیعت کا حکم صادر فرما کر جواب طلب فرمایا۔قاری صاحب موصوف نے فوراً توبہ نامہ لکھ کر بھیجا اس کے بعد اطمینان بخش جواب مرحمت فرمایا۔

گاڑی سے اتار دیا

حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی دعوت پر دیناج پور بنگال کے مناظرے کے واسطے حضور شیر بیشۂ سنت آسام میل سے سفر فرما رہے تھے۔آندھی اور طوفانی بارش کا سلسلہ تھا۔ مولانا محمد احمد ماہر القادری بھی اس وقت شریک سفر تھے۔موصوف ان دنوں زیر تعلیم تھے۔بارش ہو رہی تھی، ناسمجھی میں بول گئے۔بغیر کسی فائدے ہی کے اللہ تعالیٰ پانی برسا رہا ہے۔اتنا سننا تھا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو جلال آ گیا اور فرمایا توبہ کر تو میری بیعت سے نکل گیا۔اتر ٹرین سے، ٹرین بھی نہیں رکتی کہ تجھے ٹرین سے اتار دوں۔یک بیک آسام میل رک گیا۔سنسان جنگل میں زبردستی ماہر صاحب کو اتار دیا بعد میں خود بھی نیچے تشریف لے گئے بھیڑ لگ گئی۔مگر حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ماہر صاحب سے توبہ لیا تجدید ایمان کے بعد دوبارہ بیعت فرمایا پھر ٹرین پر سوار ہوئے اور بیٹھتے ہی آسام میل چل پڑا۔

ہاتھ سے مائک چھین لیا

منشائے شریعت کے خلاف ایک لفظ سننا بھی گوارہ نہیں تھا۔ نبی کی شان تو بہت بلند ہے صحابہ کی شان میں بھی ذرہ برابر بھی گستاخی برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ ایک بار کرنیل گنج بزریہ کانپور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر آپ حاجی سیٹھ محمد ابراہیم حشمتی صاحب کانپوری کی دوکان میں کھانا تناول فرمارہے تھے۔ جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ پروگرام کے درمیان کسی مقرر نے حضرت بلال کے چہرے کی رنگت کے بارے میں فرمایا وہ اس قدر کالے تھے جیسے ''توا'' کھانا کھانے کے وقت یہ آواز آپ کے کان میں آئی اور کھانا بند کر کے فوراً جلسہ گاہ تشریف لے گئے اور مقرر سے مائک لے کر فرمایا توبہ کرو! تم نے ابھی کہا ہے کہ حضرت بلال کا رنگ اس قدر کالا تھا جیسے توا (معاذ اللہ) تمہارا یہ جملہ بہت ہی غلط ہے۔ سنو! میرے آقا حضرت سیدنا بلال کا رنگ اس قدر پیارا تھا جیسے ''غلاف کعبہ'' (سبحان اللہ) پھر آپ نے مستقل طور پر اسی کو عنوان بنا کر کئی گھنٹے تقریر فرمائی اور بتایا کہ سنو ''توے'' میں جو رنگ آتا ہے وہ آگ کی تپش سے ہوتا ہے اور حضرت سیدنا بلال حبشی کو آگ سے کیا واسطہ؟

سگ بارگاہ رسالت

ادری ضلع اعظم گڑھ میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی سے کہا کہ آپ کی درشت کلامی میرے لئے باعث صد افتخار ہے۔ ''اس کتے کی خوبی کا کیا کہنا جو اپنے آقا کے ارد گرد پھر پھر کر آقا پر آنے والے پتھروں کو خود اپنے اوپر لے اور اپنے آقا کے لئے سپر بن جائے۔''

مولوی منظور اس جملے کو لے اڑے اور اچک کر بولے ''مولانا آپ نے بڑے فخر سے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتا کہا ہے۔ مگر شاید آپ کو نہیں معلوم کہ کتے بڑی بے عزتی کے ساتھ بارگاہ رسالت سے نکالے جاتے ہیں۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اس وقت تک اندر نہیں داخل ہوتے جب تک کتا نکل نہیں جاتا۔

شیر بیشۂ اہل سنت نے برجستہ فرمایا۔

مولوی جی! کیا ہر جگہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے ضروری ہیں۔ میں نے اپنے کو مجازی معنی کے اعتبار سے کتا کہا ہے اور اس کا مطلب ہے آقا کا وفادار غلام جو ان کے دشمنوں پر رد کرے۔

جب اس گفتگو سے مولوی منظور سنبھلی کو تشفی نہ ہوئی تو آپ نے بڑے جراتمندانہ اور بے باکانہ طور پر فرمایا کہ اگر آپ کو ہر لفظ کا حقیقی معنی لینے کا شوق ہے تو سنئے آپ لوگ مرتضیٰ حسن دربھنگی کو شیر خدا کہتے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو روداد مناظرہ سنبھل میں شیر نبستان مناظرہ لکھا ہے تو کیا آپ اور دربھنگی جی دونوں چاروں ہاتھ پیروں والے ہیں۔ کیا آپ دونوں برہنہ مادرزاد ہیں۔ شیر کے بچے بغیر نکاح کے پیدا ہوتے ہیں تو کیا آپ دونوں اپنی زوجہ کو بغیر نکاح کے تصرف میں لاتے ہیں۔ شیر کے ماں باپ کا بھی باہم نکاح نہیں ہوتا تو کیا آپ دونوں بغیر نکاح کے پیدا ہوئے۔

اتنا اور سن لیجئے آپ کے پیشوا خود ساختہ بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی قصائد قاسمی ص ۹ پر لکھتے ہیں۔

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار

یہ دندان شکن جواب سن کر مولوی منظور نعمانی مبہوت ہو کر رہ گئے۔

حاضر جوابی

منظور اور مناظرہ

مناظرہ کے اندر انسان کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ مناظرہ کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار سرعت جواب پر ہوتا ہے اور اگر مناظرہ تقریری ہے پھر مناظرہ کا میدان جیتنا حاضر جوابی ہی پر موقوف ہوتا ہے۔

حاضر جوابی کی قوت من جانب اللہ ایک عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر یہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آئے ہیں جہاں انھوں نے اپنی جودت طبع اور سرعت ذہن سے حریف کو لاجواب کر کے ذلیل وخوار کردیا ہے۔ ذیل میں ایسے چند واقعات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس سے ان کی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک بار ادری ضلع اعظم گڑھ میں مولوی منظور سنبھلی سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ مولوی منظور نے اظہار تعلّی کے طور پر کہا کہ مولانا (شیر بیشۂ اہل سنت) آج ایسے شخص سے آپ کا پالا پڑا ہے جس کے نام (منظور) اور ''مناظر'' کے عدد برابر ہیں۔ اس سے آپ میری مناظرانہ صلاحیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے فوراً جوابی تقریر میں فرمایا مجھے خوب معلوم ہے منظور اور مناظر کے عدد برابر نہیں بلکہ ''منظور'' اور ''مناظرہ'' کے عدد برابر ہیں۔ دیوبندی مناظر کا مقصد یہ تھا کہ منظور میں بھی پانچ حروف ہیں اور مناظر میں بھی پانچ حروف ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت کے

جواب کا مقصد یہ تھا کہ ابجد کے قاعدے سے منظور کے عدد گیارہ سو چھیانوے ہوتے ہیں اور مناظر کے پانچ کم البتہ مناظرہ کے عدد گیارہ سو چھیانوے ہیں تو ابجد کے قاعدے سے منظور اور مناظرہ کے عدد برابر ہوئے۔ اور مناظرہ ظا کے کسرہ کے ساتھ باب مفاعلت سے اسم فاعل کے مونث کا صیغہ ہے۔ لہٰذا حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا کہ تم مناظرہ تو بن سکتے ہو لیکن مناظر نہیں بن سکتے۔ اس لطیف طنز کو سن کر دیوبندی مناظر منظور سنبھلی جھینپ گیا اور لاجواب ہو کر رہ گیا۔

خدانخواستہ

برمارنگون کے ایک طویل دورے کے بعد آپ واپس ہندوستان تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ساتھیوں میں سے کسی نے کہا حضور خدانخواستہ اگر آپ وہابی ہوتے تو آپ کی باتوں کا کون جواب دیتا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو جلال آ گیا اور فوراً فرمایا واللہ العظیم خدانخواستہ اگر حشمت علی وہابی ہوتا تو رب قدیر اس کی سرکوبی کے لئے ہزاروں حشمت علی پیدا فرما دیتا۔

اعراب

حضور سید العلماء مولانا آل مصطفی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ بسڈیلہ ضلع بستی کے مناظرے میں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے ''حسام الحرمین'' کی ایک عربی عبارت "ادام اللہ بَرَکَاتِہٖ" پڑھی تو دیوبندی مولوی چیخ اٹھے کہ مولانا آپ کو عربی بھی پڑھنا نہیں آتی ''بَرَکَاتِہٖ'' نہیں "بَرَکَاتَہٗ" پڑھئے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا سنو!

''برکات'' جمع مونث سالم ہے اس کو حالت نصب میں جر ہوتا ہے افسوس! تم لوگوں کی حالت پر نحو میر بھی تمہیں یاد نہیں اور مناظرہ کرنے چلے آئے۔

خدا کی صفت بندے میں

بھاؤپور ضلع سدھارتھ نگر (بستی) کے تحریری مناظرہ میں دیوبندی مناظر شہیم پرانپوری سے مسئلہ علم غیب پر بحث چل رہی تھی۔ پرانپوری اپنی بات منوانے پر بضد تھا اور بار بار کہہ

رہا تھا کہ مولانا آپ لوگ خدا کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور رسول کے لئے بھی علم غیب تسلیم کرتے ہیں۔ خدا کی صفت بندے میں مان کر آپ لوگ مشرک ہو گئے۔ مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ واقوال ائمہ سے ثابت فرما کر وہابی مناظر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ ضد پر اڑا رہا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو جلال آ گیا گرج کر آپ نے فرمایا او ظالم بتا! اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تو زندہ ہے یا مردہ؟ وہابی مناظر کہنے لگا زندہ۔ آپ نے فرمایا اور تیرا خدا مردہ ہے یا زندہ۔ کہا زندہ فرمایا کیسے تو بھی زندہ اور تیرا خدا بھی زندہ۔ خدا کی صفت اپنے لئے مان کر تو اپنے ہی قول سے مشرک ہو گیا۔ بدحواسی کے عالم میں وہابی مناظر نے کہا نہیں مولانا سنئے۔ میرا خدا زندہ ہے اور میں مردہ ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے برجستہ فرمایا سن! ہمارے یہاں ہندوستان میں مردوں کے لئے دو ہی طریقے ہیں انہیں یا تو جلا دیا جاتا ہے یا دفن کر دیا جاتا ہے بول تو کیا چاہتا ہے جلا دیا جائے یا دفن کر دیا جائے۔ وہابی مناظر مبہوت ہو گیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔

میرا دین

دیناپور بنگال میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ وہابی مناظر نے وصایا شریف کی عبارت پیش کر کے بڑی تعلی سے کہا دیکھو مولانا احمد رضا خاں کا دین نیا دین ہے۔ جسے دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے اسی لئے وہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ میرے دین و مذہب پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ پتہ چلا کہ خان صاحب کا دین چودہ سو سال پرانا دین، مذہب اسلام نہیں ہے بلکہ یہ ایک نیا دین ہے جو گمراہی اور شرک و بدعت کا مجموعہ ہے۔

دیوبندی مناظر کے چپ ہوتے ہی فوراً حضرت شیر بیشہ سُنت علیہ الرحمہ نے فرمایا اگر میرا دین اور تیرا دین کہنا گمراہی ہے تو سنو صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو دفن کر کے جب لوگ واپس لوٹتے ہیں تو دو فرشتے منکر ونکیر قبر میں آ کر مردے کو اٹھا کر پوچھتے ہیں...... تیرا رب کون ہے؟...... تیرا دین کیا ہے۔ اے وہابی مناظر سُن! یہ اللہ کے معصوم فرشتے کیا کہہ رہے ہیں اور یہ خبر دینے والے سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تو ان فرشتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہو گے۔ نیز آپ نے وہابی مناظر سے پوچھا کہ بول جب فرشتے تجھ سے پوچھیں گے تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ تو تو کیا کہے گا۔ وہابی مناظر نے مجبور ہو کر کہا...... میرا دین اسلام ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے گرج کر فرمایا۔ کیوں کیا اسلام تیرا دین ہوگا؟ یا تیرے باپ دادا کا دین ہوگا آخر ایسا کیوں کہے گا جب کہ تیرے دھرم کے اندر میرا دین اور تیرا دین کہنا گمراہی و بدمذہبی کی بات ہے۔ وہابی مناظر آپ کے اس الزامی جواب پر حیران ہو گیا اور اس کی بولتی بند ہو گئی۔

نمک حرامی نہیں! سنت نبوی

موراواں ضلع اناؤ میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ وہابی مناظر نے کہا مولانا آپ تو نمک حرام ہیں۔ جس تھالی میں کھایا اسی میں سوراخ کیا۔ (وہابی مناظر کا اشارہ اس طرف تھا کہ ابتداءً آپ نے ہمارے یہاں تعلیم حاصل کی اور اب ہماری تکفیر کرتے ہیں) حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے برجستہ فرمایا؟ نادان تو سمجھا نہیں یہ میں نے نمک حرامی نہیں کی ہے بلکہ ایک نبی کی سنت پر عمل کیا ہے۔ کیا بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں پلے بڑھے اور پھر اسی کے تخت و تاج کو تاراج فرمایا۔

نحو میر بھی یاد نہیں

اوری ضلع اعظم گڑھ کے مناظرہ میں حدیث نخلہ پر بحث چل رہی تھی۔ دیوبندی جماعت کے مناظر مولوی منظور سنبھلی تھے۔ مولوی حبیب الرحمن مئوی کی تلقین پر منظور سنبھلی نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارعین (کھیتی کا کام کرنے والے) صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیادتی پر یوں استدلال کیا کہ "انتم اعلم باموردنیا کم" میں اعلم اسم تفضیل ہے اور پھر شیر بیشۂ اہل سنت سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا اگر آپ نے کافیہ پڑھی ہے اور یاد ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ اسم تفضیل مفضل مفضل علیہ چاہتا ہے۔ اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مفضل اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مفضل علیہ ہیں۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کا علم حضور سے زیادہ تھا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی حاضر جوابی پر قربان جائیے۔ مولوی منظور کو للکار کر فرماتے ہیں کہ تم ہمیں کافیہ یاد نہ رہنے اور نہ پڑھنے کا طعنہ دیتے ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے استاد حبیب الرحمن مئوی اور ان کے ڈیڑھ سو مولویوں نے نحو میر بھی نہ پڑھی ہے اور اگر پڑھی بھی ہے تو یاد نہیں ہے۔ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے لکھے ہیں۔ (۱) اضافت کے ساتھ (۲) من کے ساتھ (۳) الف لام کے ساتھ۔ یہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں۔ پھر یہ اسم تفضیل کیسے ہوا۔ اس پر ڈیڑھ سو دیوبندی مولویوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پسینہ پر پسینہ آنے لگا۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور لمبی لمبی داڑھیاں کھجلانے لگے۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت ص ۵۶ جون ۱۹۹۰ء)

نوٹ: نحو میر اور کافیہ یہ فن نحو میں دو اہم کتابیں ہیں جو مولوی اور عالم درجہ میں پڑھنے والے طلبہ کو یکے بعد دیگرے عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

خصم کا معنی شوہر یا مد مقابل

گیا (بہار) میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ کسی موقع پر دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا خصم ہوں۔ خصم عربی زبان میں مد مقابل کو کہتے ہیں۔ یہ بات مولوی منظور کو بری لگی اور انھوں نے کہا کہ خصم کے معنی شوہر کے آتے ہیں آپ نے اس لفظ سے میری توہین کی ہے۔ اب جب تک آپ یہ لفظ واپس نہ لیں گے میں آپ سے مناظرہ نہیں کروں گا کیونکہ شرائط میں طے ہو چکا ہے۔ فریقین ایک دوسرے کے خلاف دلخراش باتیں نہیں کہیں گے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ہر چند تشریح کی کہ یہاں شوہر کے معنی پر کسی طرح قرینہ نہیں کیوں کہ آپ کے چہرے پر داڑھی موجود ہونے کی نشانی ہے کہ آپ عورت نہیں ہیں کہ آپ سے میرا نکاح ممکن ہو اور آپ بیوی اور میں شوہر ہو سکوں اور اگر بالفرض داڑھی ہوتے ہوئے بھی آپ عورت ہوتے اور یہ داڑھی مخالف فطرت تھی تو بھی یہ معنی ممکن نہیں اس لئے کہ آپ دیوبندی

مرتد ہیں اور میں سنی ہوں اور سنی کا دیوبندی مرتد سے نکاح صحیح نہیں۔

پھر آپ نے ''مناظرہ رشیدیہ'' کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں خصم مدمقابل کے معنی میں مستعمل ہے۔ مناظرہ کے درمیان یہ لفظ بولنا اس بات پر قرینہ ہے کہ اس سے مراد مدمقابل ہی ہے۔ پھر بھی مولوی منظور کی سمجھ میں بات نہ آئی اور کہتے رہے کہ جب تک یہ لفظ واپس نہ لے لیں گے مناظرہ نہ ہوگا۔ (ماہنامہ اعلیٰ حضرت ص ۵۹، جون ۱۹۹۰ء)

پشت پناہی کے لئے

جب حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی شادی ہوئی تو شہ بالا کے فرائض حضور سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفی مارہروی رحمۃ اللہ نے انجام دئے۔ بارات چلتے وقت گھوڑے پر آپ آگے اور شہ بالا کی حیثیت سے سید العلماء آپ کے پیچھے رونق افروز ہوئے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات رہ رہ کے آتی تھی کہ جو شخص سادات کا اس قدر احترام کرتا ہو وہ کیوں کر آج انھیں پیچھے بٹھائے ہوئے ہے۔ حسب عادت انھیں آگے بٹھانا چاہئے۔ آج وہ جذبۂ خلوص کہاں چلا گیا۔ بالآخر کسی نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت آخر آج ایسا کیوں؟ تو حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا ''پشت پناہی کے لئے'' پشت پناہ پیچھے ہی ہوا کرتا ہے۔

(امان الرب: کلک رضا ص ۱۸ گلشن بغداد ہزاری باغ ۱۹۹۰ء)

جنتی اور جہنمی کی پہچان

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت قطب عالم داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار مقدس سے فاتحہ پڑھ کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں تبلیغیوں کی ایک ٹولی ملی جس میں دو چار گرگ جہاندیدہ تھے، وہ پوچھ بیٹھے کہ:

تبلیغی: کہئے مولانا کہاں کا رخت سفر ہے، کیا نام ہے، کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

شیر بیشۂ اہل سنت: پیلی بھیت میرا مکان ہے، حشمت علی میرا نام ہے۔ حضرت سید علی ہجویری کے مزار مقدس سے فاتحہ پڑھ کر اپنے مکان جا رہا ہوں۔

تبلیغی: مولانا وہاں تو جنتی دروازہ ہے سنا ہے جو گزر جاتے ہیں جنتی ہو جاتے ہیں آپ

گزرے ہیں یا نہیں؟

شیر بیشۂ اہل سنت: ہاں میں گزرا ہوں بے شک میں جنتی ہوں۔

تبلیغی: حضرت کے ہاتھ پاؤں سونگھ کر! ہرگز نہیں آپ جنتی نہیں ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو جنتی ہوگا ان کے جسموں سے جنت کی خوشبو آئے گی اگر آپ جنتی ہوتے تو ضرور خوشبو ملتی؟

شیر بیشۂ اہل سنت: فرمان رسول کے مطابق جہنمی پر جنت کی خوشبو حرام ہے تم جہنمی ہو اس لئے تمہیں جنتی کی خوشبو نہیں محسوس ہوگی۔

(امان الرب: کلک رضا ص ۲۶ گلشن بغداد ہزاری باغ ۱۹۹۰ء)۔

تصلب فی الدین

حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ مذہب کے معاملے میں بہت ہی زیادہ متصلب تھے۔تصلب فی الدین کولوگوں نے شدت سے تعبیر کیا ہے۔اس تصلب میں وہ کہاں تک حق بجانب تھے اس سلسلے میں تصلب کی صحیح تعریف وتوصیف جان لیناضروری ہے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیۃ کریمہ "وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (البقرہ ۸۸) کے تحت فرماتے ہیں:

> ''ومعنی تصلب حق آنست کہ دین حق رابقوت بگیرد وہرگز بدینے وآئینے نظر نہ کند وبہ تلبیسات شیاطین واستدراجات جوگیہ ورہابین گوش نہند وبسبب ورود مصائب وامتحانات درحسن دین خود شک وتردد پیدانہ کنند وایں امرمحمود درجمیع ادیان ؤ مطلوب در ہرزمان است ومعنی تعصب باطل آنست کہ بسبب حمیت اسم خود ونیک غیرخود رابداندوایں امرمردودومعیوب ست۔''

(عبدالعزیز دہلوی تفسیر عزیزی ص ۲۲۷ مطبوعہ محمدی لاہور)

تصلب کے حق معنی یہ ہیں کہ دین کومضبوطی کے ساتھ پکڑے اورکسی دوسرے دین یاکسی دوسرے طریقے کی طرف ہرگز آنکھ اٹھا کربھی نہ دیکھے اورشیطانوں کے فریب سے بھری ہوئی باتوں اور جوگیوں، سادھوؤں کے استدراجی خوارق عادات کی طرف کان نہ لگائے اورمصیبتوں اورآزمائشوں کے آجانے کی وجہ

سے اپنے سچے دین کی خوبی میں کسی طرح کا شک وتردد ہرگز پیدا نہ ہونے دے اور یہ تصلب حق تمام ادیان الہیہ میں پسندیدہ ومحبوب اور ہر زمانے میں مطلوب ومرغوب ہے اور تعصب باطل کے معنی یہ ہیں کہ اپنی رسم یا اپنے خاندانی اعزاز کی پاسداری کے سبب دوسرے مذہب کو اس کی حقانیت کے دلائل وبراہین واضح ہوجانے کے بعد بھی اس سچے مذہب کو نہ مانے اور اس کا انکار نہ کرے اور اپنے بُرے کو بھلا اور دین حق کے ماننے والوں کے بھلے کو بُرا جانے اور یہ تعصب باطل مردود ومعیوب ہے۔"

ایک روایت میں تعصب کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قلت یا رسول اللہ ما العصبیۃ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کیا ہے قال ان تعین قومك علی الظلم۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصبیت (تعصب) کی تعریف یہ ہے کہ تو اپنی قوم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی امداد واعانت کرے۔ رواہ ابوداؤد۔ (محبوب علی: اربعین شدت ص ۲۳ بحوالہ ابوداؤد شریف)

اس حدیث مبارک کی روشنی میں واضح ہے کہ ناحق طرفداری ظلم ہے۔ بحمدہ تعالیٰ علمائے اہلسنت ناحق کی طرفداری نہیں کرتے ہیں اس لئے وہ ہرگز متعصب نہیں بلکہ وہ تو دشمنان رسول کی سرکوبی اور وفاداران رسول کی حمایت واعانت کرتے ہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت ابوالفتح مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ کی زندگی کا ہر لمحہ اسوۂ رسول کے مطابق تھا اسی لئے دینی امور میں بڑے متصلب تھے۔ اس معاملے میں ان کا کوئی بھی قدم اسلاف سے ہٹ کر نہیں تھا۔ دین میں رخنہ پیدا کرنے والے یا پیغمبر اور اس کے لائے ہوئے دین سے متعلق اہانت آمیز جملے کہنے والے کو وہ کبھی معاف نہیں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی وہ شدت سے مخالفت کرتے اور ان کا منہ توڑ جواب دیتے۔ مناظرے، بحث ومباحثے اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

انبیا، اولیا اور دوسرے خدا کے برگزیدہ بندوں کے یہاں دینی تصلب تھا۔ ایسے لوگ

حق گو، حق پسند تھے اور حق کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کو حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ انھوں نے باطل کی مخالفت کی اور اسے قلع قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ چودہویں صدی ہجری میں جب پاک و ہند کی سرزمین پر شیطان اپنے پرانے ہتھکنڈے کے ساتھ اسلام کے بڑھتے ہوئے وقار کو ٹھیس پہنچانے پر کمربستہ ہو گیا اور چراغ مصطفوی سے نبرد آزما ہوا، اس نے حق کو مٹانے کی جتنی چالیں چلیں سب ناکام ثابت ہوئیں۔ الحق یعلوا ولا یُعلیٰ حق تو بلند رہتا ہی ہے اسے بلند نہیں کیا جاتا۔

اسی صدی کے اواخر میں جب اس باطل تحریک نے وہابیت کا لبادہ اوڑھ کر حق کو ملیا میٹ کرنے کی ناپاک سازش کی تو انگریز نوازی کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس دور کا مجدد امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا عاشق حق کا پرچم بلند کرنے کی دل میں ٹھان لی اور اپنے نوک قلم اور فیضان نظر سے لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا عشق جلوہ گر کر دیا جس سے شمع محبت صحرائے نجدیت کی کالی آندھیوں میں بھی فروزاں رہی۔

اسی مذہب حق کی صداقت کو آشکارا کرنے اور باطل مذہب کو مٹانے کے لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ولد مرافق شیر بیشۂ اہل سنت میدان میں آئے اور لوگوں کے سامنے انھوں نے اپنی شخصیت کو اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرَحُمَاءُ بَيْنَهُمْ کی سچی عملی تصویر بنا کر پیش کیا۔ چونکہ وہ رسول اور ان کے صحابہ کے متبع اور اس آیت کی عملی تصویر تھے۔ اس لئے اگر وہ ایک طرف انتہائی نرم دل تو دوسری طرف حد درجہ متصلب فی الدین تھے۔

دشمنوں پہ بن کے چمکا ذوالفقار حیدری
اور جب اپنوں میں پہنچا پیار کی شبنم ہوا

شیر بیشۂ اہل سنت کی اسی دینی تصلب کو بعض لوگوں نے شدت سے تعبیر کیا ہے۔ اگر انہی لوگوں کی زبان میں اسے شدت کہا جائے تو حرج ہی کیا ہے۔ قرآن مقدس میں دشمنان رسول اور کافروں پر شدت کرنے کے لئے صحابہ کرام کے اوصاف اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ:۵۴) ایمان والوں پر بہت نرم

کافروں پر بہت سخت ہیں اور تفسیر مدارک کی ایک عبارت کے مفہوم کے تحت ان کا تشدد تو اس درجہ تھا کہ وہ اپنے کپڑوں کو بھی کافروں کے کپڑوں سے چھو جانے کو بچاتے تھے اور اپنے جسموں کو کافروں کے جسموں سے مس ہونے سے بچاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے: أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ" تمام اعمال میں جو عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے وہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے ہٹ کر نہیں تھا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لمحہ اسلاف کی زندگی کا عملی نمونہ تھا۔

مسلم شریف کی ایک روایت ہے:

ان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوا وان لقیتموھم تسلموا علیھم ولاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم۔

(اگر بدمذہب بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر وہ مرجائیں تو جنازے پر نہ جاؤ اور جب ان سے ملو تو سلام نہ کرو اور نہ ان کے پاس بیٹھو اور نہ ان کے ساتھ پانی پیو ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان سے شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، اور ان کے ساتھ بھی نماز نہ پڑھو۔)

یہی ان کے استاد امام احمد رضا فاضل بریلوی کا معمول تھا اور حکم ومشورہ بھی یہی۔ زندگی میں ذرہ برابر بھی مذہبی تصلب میں لوچ نہیں آنے دیا اور اپنے متبعین ومعتقدین کو اسی کا درس بھی دے گئے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
کیجئے چرچا انھیں کا صبح وشام جانِ کافر پر قیامت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بیدینوں کے دل یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم رسول اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
حی باقی جس کی کرتا ہے ثنا مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضاؔ
یاد اس کی اپنی عادت کیجئے

(امام احمد رضا: حدائق بخشش (۱:۸۸) مطبوعہ کانپور)

امام اہلسنت فاضل بریلوی کا یہ مخلصانہ ایمان افروز مشورہ دیکھئے اور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کا عمل۔ صداقت کی بولی یہی ہوگی کہ اگر ان کے مزاج میں شدت تھی تو ٹھیک اسی طرح جس طرح اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے۔ بعض لوگوں نے ان کے اس مذہبی تصلب اور شدت کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ان کے لئے اعلیٰ حضرت کے یہ اشعار غلط فہمی دور کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہمارے خیال سے ایمان میں پختگی اسی وقت ممکن ہے جب الحبُّ فِی اللہِ والبُغضُ فِی اللہِ کی انسان عملی تفسیر بن جائے۔ یقیناً دینی اور مذہبی تصلب کی بنا پر شیر بیشۂ اہل سنت کو ''کلک رضا'' کہا گیا ہے۔ بلاشبہ وہ دشمنان رسول کے حق میں کسی خونخوار خنجر سے کم نہیں تھے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیٰ حضرت اور مظہر اعلیٰ حضرت دونوں حضرات زندگی بھر ان دونوں مصرعوں کی عملی تصویر بنے رہے اور وہی کیا جو قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔

اس سلسلے میں حکام وقت یا کسی عزیز کی محبت ان کے اصول میں بے ضابطگی نہ پیدا کر سکی۔ اپنے اور بیگانے کی پرواہ کئے بغیر وہ تادم زیست اعلان حق وصداقت کرتے رہے۔

کلک رضا کی ہیبت چھوٹے تو چھوٹے بڑے لوگوں میں اس درجہ تھی کہ بس؟ ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا ابوالشاہ محمد عبدالقادر صاحب رضوی ناظم جامعہ رضویہ لائل پور کے والد محترم کی دعوت پر جب حضرت شیر بیشۂ اہل سنت احمد آباد تشریف لے گئے۔ آپ کے علاوہ اس

پروگرام میں حضرت مولانا سردار احمد محدث لائل پوری بھی شریک تھے۔ واپسی پر ہر دو حضرات جب اسٹیشن تشریف لائے تو احباب اہلسنت کا ایک قافلہ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ ٹرین آئی تو پلیٹ فارم پر موجود سیکڑوں مسلمانوں نے عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے مذہبی رہنماؤں کو الوداع کرنے سے قبل نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی فلک شگاف آوازیں بلند کیں۔ پورا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔ ٹرین کے مسافروں نے کھڑکیوں سے جھانکنا شروع کیا۔ اچانک حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی نظر صدر دیوبند مولوی حسین احمد پر پڑ گئی جو اپنے چند کانگریسی لیڈروں کے ساتھ ٹرین کے ایک ڈبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا سردار احمد اور شیر بیشۂ اہل سنت اسی ڈبے میں سوار ہوئے۔ صدر دیوبند نے دیکھا تو مارے ہیبت کے ٹھہر نہ سکا اور اتر کر دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا۔

(نوری کرن ستمبر ۱۹۶۰ء)

یہ تھی ''کلک رضا'' کی ہیبت جس کے سبب اعدائے دین کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام تھی۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا اسی مذہبی تصلب کا۔ اس تصلب کے سلسلے میں لوگوں نے نہ جانے کیا کیا کہا۔ مگر وہ اسلاف کے طور طریق پر گامزن رہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے علماء اور مشائخ کی جھرمٹ میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ سے کہا کہ مولانا آپ تو اس قدر شدت فرماتے ہیں مگر آپ کے استاد حضرت صدر الشریعہ وہابیوں کے ساتھ اتنی شدت نہیں فرماتے تھے۔ تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ اولاً آپ کی یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں کہ حضرت سیدی واستادی صدر الشریعہ وہابیوں کے ساتھ شدت کم کرتے تھے اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لوں تو سنئے ایک طرف استاد کا عمل اور دوسری طرف پیر و مرشد کا حکم۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے معترض سے پوچھا کہ جناب اب آپ ہی ارشاد فرمائیں میں تو استاد کا عمل اپناؤں یا پیر کا حکم مانوں؟ معترض لاجواب ہو گیا اور پھر اسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کے اندر دینی تصلب زیادہ تھا اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے مظہر اعلیٰ حضرت کو اسی طرح کا کام سپرد کیا تھا اور وہ کام تھا ''ردِّ وہابیہ''۔ اعلیٰ حضرت کا یہی محبوب مشغلہ تھا۔ اعلیٰ حضرت اپنے قلم سے وہابیت کی تردید کرتے اور مظہر اعلیٰ حضرت زبان مبارک سے وہابیت کا رد فرماتے۔ یقین جانئے جس مذہب کے خلاف اعلی حضرت کا قلم اور مظہر اعلیٰ حضرت کی زبان یکجا ہو جائے اس مذہب کی بیخ کنی ضروری ہے چنانچہ ہوا بھی یہی ان دونوں حضرات یعنی استاد اور شاگرد نے اپنے زمانے میں وہابیت کو پنپنے نہیں دیا۔ یہ ڈیوٹی انھیں بارگاہ رضا سے ملی تھی۔ اس کا ثبوت ذیل کے اس واقعے سے ملتا ہے۔

مجدد کا تصور تو ہمیں کچھ ایسا لگتا ہے
متن احمد رضا ہوں گے شرح شیر رضا ہوں گے

ایک مرتبہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے نسبتی بھائی سعید خان صاحب سے ''معمولات عزیزیہ'' طلب کی۔ غالباً اس میں کوئی وظیفہ دیکھنا تھا۔ رات میں مطالعہ شروع کیا۔ کتاب دیکھتے ہی دیکھتے سو گئے۔ خواب میں سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی زیارت ہوئی۔ فرمایا مولانا آپ سے ہمیں بہت کام لینا ہے۔ آپ ان مصروفیات میں نہ پڑیں۔ صبح ہی آپ نے سعید خان صاحب کو بلایا۔ بے شمار دعاؤں کے بعد فرمایا اگر آپ کے پاس ''معمولات عزیزیہ'' نہ ہوتی تو شاید میں اس سعادت سے محروم رہ جاتا۔ البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کی عمر میں بہتری کے ساتھ برکت عطا فرمائے کیونکہ آپ کی کتاب کے ذریعے مجھے حضور اعلی حضرت قدس سرہ العزیز کی زیارت نصیب ہوگئی۔

(نوری کرن ستمبر ۱۹۶۰ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان میں چونکہ دینی ومذہبی تصلب زیادہ تھا۔ اس لئے گستاخان رسول تو در کنار خلاف شرع کام کرنے والے ہر شخص کی ملاقات سے احتراز کرتے تھے۔ اسی طرح مذہبی تصلب کا عنصر شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے انھیں وَلَدِ مُرافِقْ فرمایا ہے۔

اور یہ اس وقت فرمایا تھا جب وہابیت کا قلع قمع کر کے ہلدوانی سے واپس بریلی لوٹے تھے۔ اس موقع سے ایک سوال سر اٹھاتا ہے کہ اگر مزاج میں دین کے معاملہ میں شدت نامناسب بات ہوتی تو اعلیٰ حضرت خود اس کی نشاندہی فرماتے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ شیر بیشۂ اہل سنت میں دینی تصلب قابل اعتراض حد تک تھا۔ لیکن یہ امر بھی قابل غور ہے کہ پھر یہ صفت یعنی دینی تصلب اعلیٰ حضرت سے تمام وابستگان کے یہاں کیوں نہ تھی؟ اس کا جواب حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی تقریر کی روشنی میں یہ دیا جا سکتا ہے کہ دینی تصلب تو اپنے تمام کمالات کے ساتھ ہر ایک شخص کے یہاں تھا مگر حالات وزمانہ سے وہ اس طرح متاثر ہوئے کہ یہ تصلب نسبتاً کمزور ہوتا گیا۔

ذیل میں اس تقریر کا خلاصہ دیا جا رہا ہے جسے نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا ابراہیم رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۲۶ رصفر ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء یک شنبہ کی شب میں بعد نماز عشاء آستانہ عالیہ ضیائیہ واقع محلہ بہشتیان پیلی بھیت بتقریب عرس ضیائی ہزارہا عوام وخواص اہلسنّت کی موجودگی میں کی تھی۔ اس تقریر سے شیر بیشۂ اہل سنت کے دینی تصلب پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ مکمل تقریر شرح وبسط کے ساتھ ترجمان اہلسنت از پنجم تا دہم کے صفحات پر شائع ہو چکی ہے۔

حضرت اقدس شاہ جیلانی میاں کا نعرۂ حق

پیارے سنی حنفی قادری رضوی بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ ایک آیت کریمہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ" (الاحزاب: ۴۰) میں فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شئی کا جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن حدیث میں ہے مَنْ سَلَكَ عَلٰى طَرِيْقِىْ فَهُوَ آلِىْ یعنی جو شخص

میرے راستے پر چلے تو وہ میری آل سے ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے

آلِیْ کُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِیٍّ ہر پرہیزگار ایماندار میری آل سے ہے۔

آیت کریمہ اور احادیث طیبہ کے مفہوم کو یکجا کرنے پر یہ مطلب نکلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کے مردوں میں کسی کے صلبی وجسمانی باپ نہیں لیکن ہر ایک پرہیزگار ایماندار شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی وایمانی بیٹا ضرور ہے اور اگر کوئی کسی کا جسمانی اور صلبی بیٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے اعمال وافعال شریعت مطہرہ سے ٹکرا رہے ہوں تو وہ ان کا بیٹا اور اہل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے بارے میں کہا گیا "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ"۔ (ہود:۴۶) کنعان تیرے گھر والوں میں نہیں کیونکہ اس کے کام بُرے ہیں۔ اسی طرح علمائے حق کا کوئی صلبی وجسمانی بیٹا بھی اگر ان کے دین ومذہب پر نہ رہے تو وہ اس کا دینی وروحانی بیٹا نہیں ہے اور کسی ربانی عالم دین کا کوئی نام لیوا جو اس کی نسل سے ظاہری طور پر کچھ تعلق نہ رکھتا ہو لیکن اس کے دین ومذہب پر ثابت ومستقیم ہو تو وہ اس کا روحانی وایمانی بیٹا ضرور ہے۔

اس طرح ہر وہ سنی عالم جو دین مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح قائم ہو جس طرح کی اعلیٰ حضرت نے قائم رہنے کے لئے فرمایا ہے تو وہ شخص اگر چہ اعلیٰ حضرت کا صلبی وجسمانی بیٹا نہ سہی مگر ایمانی وروحانی بیٹا ضرور ہے اور اس کے برعکس ان کا کوئی جسمانی وصلبی ہی کیوں نہ ہو مگر دین مصطفی علیہ التحیۃ والثنا پر قائم نہیں تو وہ ان کا بیٹا نہیں سمجھا جائے گا۔

پیلی بھیت کے سنی حنفی قادری رضوی بھائیو!

تم کو مبارک ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری دینی رہنمائی اور ایمانی دستگیری کے لئے ایک ایسی مبارک ہستی عطا فرمائی جو اعلیٰ حضرت قبلہ کا مظہر ہے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کا روحانی نورنظر اور دینی قرۃ البصر ہے وہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت

مولانا الشاہ محمد حشمت علی خاں صاحب قبلہ کی ذات گرامی ہے جنھوں نے شدید فتن کے دور میں بھی سخت محن کے وقت میں اعلیٰ حضرت قبلہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے پڑھائے ہوئے، سکھائے ہوئے، سمجھائے ہوئے، اور یاد کرائے ہوئے سبق کو خود بھی پوری طرح یاد رکھا اور اپنے وابستگان اہلسنت کو بھی، خود بھی پوری طرح اس پر سخت سے سخت امتحانون شدید سے شدید ابتلاؤں میں ثابت و مستقیم رہے اور دامن سے لپٹے ہوئے سنی مسلمانوں کو بھی اسی پر مضبوطی کے ساتھ ثابت و مستقیم رکھا اور یہ مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت اور ان کے ساتھ والوں پر اور ان کے ساتھ مسلمانان اہل سنت پر خدا اور رسول کا فضل و کرم ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے کو جیسا ہونا چاہئے تھا افسوس کہ ہم بھی ایسے نہیں رہے۔ یار لوگوں نے مختلف سبز باغ دکھا دکھا کر ہم لوگوں کو بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کا وہ پیارا سبق بھلا دیا۔ آج ہم پھر اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کے اسی دئے ہوئے سبق کو یاد کرنے کے لئے اس ہستی (شیر بیشۂ اہل سنت) کے پاس آئے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اب ہم کبھی بھی حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دئے ہوئے اس ایمانی سبق (یعنی موالاۃ اولیاء اللہ ورسولہ ومعاداۃ اعداء اللہ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کو اعتقاداً قولاً فعلاً کسی طرح نہ بھولیں اور مسلمانوں کو وہی سبق یاد کرانے، اسی کا عامل بنانے میں اپنی زندگی صرف کر دیں۔ (آمین)

اس پوری تقریر کے لفظ لفظ سے مترشح ہے کہ اولیاء اللہ سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا یہی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا سبق تھا جس پر شیر بیشۂ اہل سنت زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ زندگی میں نہ جانے کتنے اتار چڑھاؤ آئے مگر شیر بیشۂ اہل سنت اس سبق سے ذرہ برابر بھی غافل نہیں ہوئے۔ یہ تھا تصلب فی الدین جسے دوسرے ارباب فکر ونظر نے مزاج میں شدت سے تعبیر کیا ہے جب کہ اس کے برعکس زبدۃ المشائخ حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی دام

ظلہم النورانی فرماتے ہیں:

''جوان سے واقف ہوکران کے عقیدے کے موافق ہے وہی صحیح معنی میں سنی ہے۔صحیح الایمان ہےاوران سے واقف ہوکران کا بدگو ہووہ یقیناً بدمذہب ہے، بے دین ہے۔'' (مناظرہ پنجاب، مرتبہ مولانا سید فرزند علی ص ۱۱ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

ایک دوسرے موقع سے مفسر اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اباجی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ایک مولانا سردار احمد صاحب اور ایک مولانا حشمت علی خاں صاحب''

اور یہ سیدنا امام حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی نگاہ مبارک کا اثر ہے کہ دونوں ہی ہم ذوق وہم مزاج سخت متصلب اور جذبہ تبلیغ سنیت سے سرشار تھے۔

(معرکہ حق وباطل: مرتبہ محمد یونس، ص ج مطبوعہ ۱۴۰۵ھ)

اسی تصلب فی الدین کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی معاملے میں انھوں نے منافقانہ رویہ نہیں اختیار کیا۔حق بات بلا جھجک برملا کہنے کے عادی تھے۔ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی تعریف؟ تو آپ نے جواب دیا ''میرا نام حشمت علی ہے میں پیلی بھیت کا رہنے والا ہوں، پھر اس شخص نے پوچھا آپ کا پیشہ کیا ہے، تو آپ نے جواباً فرمایا ''رَدِّ وہابیہ'' آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عشق رسول میں کس قدر سرشار اور بارگاہ رسالت کے کس درجہ وفادار اور اطاعت شعار تھے۔(فیض الرسول: مارچ ۱۹۸۵ء ص ۲۷)

شعر و سخن

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ شعر و سخن کے دشوار گزار مراحل سے بھی گزرے ہیں۔ایک شاعر کے لئے کتنی آسائشیں اور کتنا خوشگوار ماحول درکار ہے۔یہ اس قسم کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں جس کی زندگی کا ہر لمحہ تردید وہابیت کے لئے تیار رہتا تھا۔زندگی کے اکثر لمحات سفر میں گزرے۔بیل گاڑی کبھی پیدل اور کبھی تیسرے درجے کے ٹرین کے ڈبے میں سفر کرتے۔سفر کی صعوبتیں اپنی جگہ مسلّم ہیں پھر بھی نہ جانے کن اوقات میں ان کی طبیعت شعر و شاعری کے لئے موزوں ہوتی۔

آپ نے باضابطہ اپنی صلاحیت شاعری میں صرف نہیں کی ہے۔آپ کی جتنی شاعری میری نظر سے گزری ہے اس میں دل کی بات کو سادے الفاظ کا جامہ پہنا کر عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم یہ درست ہے لیکن تشبیہات واستعارات وکنایات بھی شاعری کے اہم عناصر ہیں۔حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اس سے بھی صرف نظر نہیں کیا ہے آپ کے اشعار میں ایسی تلمیحات واستعارات ہیں جس سے ان کی موزوں طبیعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اشعار کو پرکھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کا جو ملکہ آپ کو اللہ نے عطا فرمایا تھا وہ قابل قدر تھا۔امام احمد رضا کے اشعار کی توجیہہ وتشریح ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔آپ امام احمد رضا کے اشعار کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔ٹھیک اسی طرح جس طرح اقبال کے اشعار کی تقریباً صحیح توجیہہ پروفیسر سلیم چشتی اور متنبیؔ کے اشعار کی صحیح توجیہہ وتصریح ابن جنی اور غالب کے اشعار کی توجیہہ الطاف حسین حالی نے کی ہے۔اس کی تائید حضرت علامہ سید آل مصطفی برکاتی

رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کی جاسکتی ہے وہ فرماتے ہیں:

''حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سیدنا اعلیٰ حضرت تاجدار اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام سمجھنے کا اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔'' (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ سنت، ص ۲۲۳)

آپ کی شاعرانہ مہارت اور شعر فہمی کی دلیل میں وہ قصیدہ معترض فیہ پیش کیا جاسکتا ہے جو امام احمد رضا نے ''عروسان حجاز'' کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کی پہلی ترتیب مشہور ادیب وشاعر یکتا ہندی نے کی جو ۱۹۵۵ء میں روزنامہ اقبال بمبئی میں چھپی مگر وہ ترتیب کچھ زیادہ صحیح نہ تھی تو آپ نے پھر اس قصیدہ کی ترتیب احادیث کی روشنی میں اس طرح کی جس طرح ''عروسان حجاز'' کا ذکر بخاری، ترمذی اور مسلم شریف میں ہے۔ وہ ترتیب دیا ہوا قصیدہ سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۲۲۴ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلے میں ایک واقعہ درج ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں میں طالب علم تھا اجمیر مقدس میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر مطالعہ میں آیا۔

زبان فلسفی سے امن خرق والتیام اسرا
پناہ دور رحمت ہائے اک ساعت تسلسل کو

بہت غور کرتا رہا مگر سمجھ میں نہیں آیا اپنے ان ساتھیوں سے بھی دریافت کیا جو معقولات کے منتہی تھے۔ کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ جامعہ معینیہ کے صدر المدرسین حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کلاس کے بعد دریافت کرنا۔ پھر بعد میں ان سے پوچھنے کا موقع نہ ملا۔ کچھ روز بعد شیر بیشۂ اہل سنت اجمیر مقدس تشریف لائے۔ اس شعر کا مطلب ان سے دریافت کیا تو سنتے ہی آپ نے فرمایا مطلب بالکل صاف ہے۔

فلسفی خرق والتیام افلاک کو محال بتاتے ہیں۔ مگر جب آیت اسریٰ کے معنی پر غور کیا جائے تو فلسفی کے مقولہ استحالہ خرق والتیام سے بالکل امن حاصل ہوجاتا ہے کہ اسرا کے معنی ہیں لے جانا

اور لے جانے والا قادر مطلق ہے تو فلسفی کا استحالۂ خرق والتیام باطل ہو گیا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ صنف شاعری میں نعت گوئی ان کا مخصوص میدان ہے۔ اس کے علاوہ بزرگان دین اور اکابر علمائے اہلسنت کی شان میں مدحیہ قصائد بھی لکھے ہیں جس سے اکابر علماء اور بزرگوں سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی لمبی لمبی منقبتیں ملتی ہیں۔ ہم ذیل میں لمبی منقبتوں کا انتخاب اور طویل نعتوں کے اہم اشعار دینے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت شاعری میں اپنا تخلص عبید فرماتے تھے۔ ارباب علم وفضل میں حشمت علی کے نام سے جانے جاتے تھے جب کہ مناظروں کی دنیا میں شیر بیشۂ سنت کے نام سے ڈنکا بجتا تھا۔

سب سے پہلے ذیل میں ہم ان کا وہ استغاثہ درج کر رہے ہیں جسے انھوں نے حالات کو پیش نظر رکھ کر سید الانبیاء، شہداء کربلا اور اہم بزرگان دین کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔ استغاثہ کے ہر ایک بند سے عجز وانکسار مترشح ہے اور ساتھ ہی ماحول کی صحیح ترجمانی بھی ہے۔

استغاثہ

مدد کا وقت ہے اے سیدی خیر الوریٰ اٹھئے
ہوا اعداء کا نرغہ اے حبیب کبریا اٹھئے

ستاتے ہیں بہت اعدائے دیں تیرے غلاموں کو
پریشاں حال امت ہے شہ ہر دوسرا اٹھئے

لگایا آپ نے جس پودے کو دست مبارک سے
اسی کو کاٹتے ہیں اشقیاء بہر خدا اٹھئے

وہی گلشن صحابہ نے جسے خونوں سے سینچا تھا
اجاڑا جا رہا ہے اب تو اے ابر سخا اٹھئے

تمہارے نام لیوا مشرکوں سے تنگ آئے ہیں
ستم کی تیغ سے کٹتا ہے بندوں کا گلا اٹھئے

رسول ہاشمی اٹھئے خبر لیجئے غلاموں کی
مسلمانان عالم ہیں بلا میں مبتلا اٹھئے

کہیں بھی اب مسلمانوں کو آسائش نہیں حاصل
غرض اسلام کی دنیا میں ہے محشر بپا اٹھئے

بتان ہند لوٹے لیتے ہیں ایمان کی دولت
حضور اب دن دہاڑے لٹ رہا ہے قافلہ اٹھئے

حسینیوں پہ جمعیت یزیدی حملہ آور ہے
مدد فرمائیے اے دافع کرب وبلا اٹھئے

وہ دین پاک جس پر کربلا میں تم ہوئے قرباں مٹایا جا رہا ہے اے شہید کربلا اٹھئے
مسلماں ہوگئے بے دست وپا مظلوم اوربیکس مدد فرمایئے اے خالد سیف خدا اٹھئے
وہی اسلام جس کو آپ نے تھا زندہ فرمایا تمہارے سونے سے پھر سو گیا غوث الوریٰ اٹھئے
تمہیں ہو بادشاہ ہند رحمت ہو غریبوں پر مرے اجمیری خواجہ اے معین ورہنما اٹھئے

عبیدؔ خستہ کی فریاد سن لو قادری دولہا
خدا کے واسطے یا مرشدی احمد رضا اٹھئے

(ماخوذ از مناظرہ پنجاب ص ۲۱)

راندیر کے مناظرے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب فرط مسرت سے جھومتے ہوئے اپنے پیر ومرشد حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ کی جناب میں حاضر ہوئے تو تیس بند پر مشتمل طویل نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ذیل میں جس کے چند بند پیش کئے جارہے ہیں۔

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

رتبہ ہے بالاتر احمد رضا خاں قادری درجہ ہے اعلیٰ ترا احمد رضا خاں قادری
تو ہے عبد مصطفی احمد رضا خاں قادری میں ہوں اک بندہ ترا احمد رضا خاں قادری

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

پر تو صدیق ہے سچائی و گویائی تری تیرے چہرے سے عیاں ہیں ہیبتیں فاروق کی
حلم تیرا یادگار حلم عثمان غنی اور قلم تیرا ہے ظل ذوالفقار حیدری

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

خاندان پاک برکاتیہ کا چشم و چراغ تجھ کو نوری نے کہا اس میں نہیں شکِ دماغ
سنیوں کے قلب تیرے فیض سے ہیں باغ باغ نجدیوں کے سینے تیرے حملوں سے ہیں داغ داغ

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

جب گیا گجرات میں یہ تیرا ناکارہ گدا مثل فارس قصر نجدیت میں آیا زلزلہ
بمبئی کا ہر وہابی اپنے گھر میں چھپ گیا بھیمڑی کا دیوبندی بحث سے عاجز رہا

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

یہ عبید پُرخطا اک سگ ہے ناکارہ ترا واعظ اسلام میرے محترم تیرے گدا
صدقہ ہم دونوں کو ہے درکار تیرا مرشدا ہو کرم ہم دونوں پر دنیا و اخری میں شہا

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ باضابطہ شاعر تو نہیں تھے البتہ شاعری کا انھیں اعلیٰ مذاق حاصل تھا۔ انھوں نے جا بجا عقیدت کا اظہار نعت ومنقبت کی شکل میں کیا ہے۔ آپ کی اکثر منقبتیں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہیں۔

آپ نے بہت کم نعتیں لکھی ہیں۔ مگر جتنی ہیں عشق ومحبت کی آئینہ دار ہیں۔ تلاش بسیار کے بعد دو نعتوں کا علم ہوسکا ہے اور وہ بھی جناب شمس الحق صاحب قادری کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں جس زمانے میں آپ رنگون کا دوسرا سفر فرمانے والے تھے۔ ان دنوں کوئی نعتیہ مشاعرہ ہونے والا تھا۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ آپ اس میں شرکت فرمائیں۔ مگر حضرت چونکہ پابہ رکاب تھے اس لئے معذرت طلب کرلی۔ تو شمس الحق صاحب نے کہا مشاعرہ طرحی ہے اس کے لئے کوئی نعت ہی تحریر فرمادیں۔ مصرع طرح یہ ہے۔

''دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی''

حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے کل آنا۔ دوسرے روز صبح یہ نعت شریف لکھ کر جناب شمس الحق صاحب کے حوالے کردی۔ وہ پوری نعت اس طرح ہے۔

اللہ بھی طالب ہے تیرا جن وبشر بھی
ہے عرش تیرا خلد بھی اللہ کا گھر بھی

چہرہ ہے تیرا آئینہ حسن الٰہی
دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی

جس وقت ہوئی ان کو گواہی کی ضرورت
بت بول اٹھے پڑھنے لگے کلمہ شجر بھی

کیا وصف تیرے چہرۂ انور کا بیاں ہو
تلوے ہیں تیرے غیرت خور رشک قمر بھی

حق نے تمہیں قادر کیا اور غیب کا عالم
بندوں کی مدد کرتے ہو رکھتے ہو خبر بھی

ہے تیرا تصور تومسلمانوں کا ایماں!
اورقلب میں نجدی کے بسا گاؤ بھی خر بھی

بجتے ہیں تیرے ڈنکے فلک عرش بریں پر
معمور تیرے ذکر سے ہے بحر بھی بر بھی

سرداروں کے سرخم ہیں در پاک پہ تیرے
ساجد تیری سرکار میں ہیں دل بھی جگر بھی

ذرہ ترے کوچے کا اگر جلوہ نما ہو
ٹل جائے گا سورج بھی مقابل سے قمر بھی

مملوک خدا کا ہے خدائی کا ہے مالک
قبضہ میں ترے ارض و سما خشک بھی تر بھی

بھر دے مری جھولی کو نواسوں کا تصدق
سگ ہوں ترا محتاج ترا دست نگر بھی

سگ ہوں میں عبیدؔ رضوی غوث ورضا کا
آگے سے مرے بھاگتے ہیں شیر ببر بھی

اسی دوسرے سفر رنگون کے دوران ایک روز یہی شمس الحق صاحب پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ایک مشاعرہ اور مقرر ہوا ہے لوگوں کی تمنا ہے کہ حضرت بھی اپنے کلام سے نوازیں۔فرمایا مصرع طرح کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا:

''شوق جینے کا کیا کرے کوئی''

دوسرے روز حضرت نے یہ نعت شریف لکھ کر انھیں دے دی:

جب تجلی کیا کرے کوئی ... کیوں نہ بے خود ہوا کرے کوئی
حق نے قاسم بنایا ہے تم کو ... چاہے جو التجا کرے کوئی
تم کرم پر کرم ہی کرتے ہو ... گو خطا پر خطا کرے کوئی
زخم دل کے بتائیں گے اک روز ... کیوں پھر ان کو سیا کرے کوئی
میں مریض ان کا وہ مسیحا ہیں ... پھر مری کیوں دوا کرے کوئی
ان کی چوکھٹ ہو اور ہو سر میرا ... ایسا دن بھی خدا کرے کوئی
یاد "قالو بلی اقررتم" ... کچھ تو بہرِ خدا کرے کوئی
آپ رب ہیں نہ ذات رب سے جدا ... دعویٰ مدح کیا کرے کوئی
پسِ مردن ہے وعدہَ دیدار ... شوق جینے کا کیا کرے کوئی
دوزخی ہے، بغیر حب حضور ... عمر بھر اتقا کرے کوئی
بول بالا رہے گا آقا کا ... نار غم میں جلا کرے کوئی
سنیو! ان سے تم مدد مانگو ... شرک و بدعت بکا کرے کوئی

نام جپتے رہو عبیدؔ ان کا
گرچہ جل کر بھنا کرے کوئی

نعتوں کے علاوہ شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے شجرۂ قادریہ معمریہ رضویہ کے زائد اشعار نظم فرمائے ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں:

سیدی عبدالعزیز جبش کا صدقہ مجھے دولت دارین دے اپنی رضا کے واسطے
نام میں جس کے محمد اور علی ہیں جلوہ گر بخش مجھ کو اس سنوسی با صفا کے واسطے
عبد رحمن سید سرّاج برحق کے طفیل مغفرت اور عفو دے اس پُر خطا کے واسطے
کر عطا احمد رضائے احمد مرسل مجھے میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے
مذہب اہل سنن پر استقامت کر عطا شہ ضیاء الدین احمد با خدا کے واسطے

حضرت سید شاہ عبدالسبحان قادری رضوی بلہر گھاٹ ضلع فیض آباد کو جب آپ نے خلافت سے نوازا توان کی فرمائش پر شجرہ بھی منظوم فرمایا۔ ان کا شجرہ اور اپنا شجرہ چشتیہ برکاتیہ رضویہ بھی نظم فرمایا۔ اس میں پہلا شعر اور ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ واں شعر حسان الہند حضور امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ہیں۔ باقی سب آپ نے نظم فرمائے ہیں۔

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۴۴)

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے فاتح خیبر علی مرتضیٰ کے واسطے
شہ حسن بصری کا صدقہ حسن ایماں دے مجھے ایک کا رکھ عبد واحد بے ریا کے واسطے
فضل ہو مجھ پر ترا بہر فضیل ابن عیاض اور ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے
شہ سدیدالدیں حذیفہ مرعشی کا واسطہ تیری رحمت ہو سدا اس پُر خطا کے واسطے
شہ امین بوہبیرہ کا تصدق اے خدا ہو اماں تیری ہمیشہ اس گدا کے واسطے
شہ ابواحمد کا صدقہ حامد و محمود کر دے ولا اپنی مجھے ان اولیا کے واسطے
لب پہ جاری رکھ مرے حمد محمد مصطفیٰ بو محمد چشتی مردِ خدا کے واسطے
شہ ابو یوسف کا صدقہ نفس و شیطاں سے بچا حضرت مودود چشتی رہنما کے واسطے
حب للہ بغض للہ کی مجھے دے نعمتیں خواجۂ عثمان ہاروں مقتدا کے واسطے
کر مجھے تو بندۂ سرکار چشت اہل بہشت شہ معین الدیں حسن شاہ ہدیٰ کے واسطے
یا الٰہی دین ودنیا میں مجھے کر بختیار بختیار قطب دین باعطا کے واسطے

عشق کے گنج شکر کی دے مجھے تو چاشنی
شہ فرید الحق والدیں پیشوا کے واسطے

شہ نظام الدین محبوب الٰہی کے طفیل
حب محبوب الٰہی دے گدا کے واسطے

دل میں روشن کر مرے اپنی محبت کا چراغ
شہ چراغ دہلی محمود الثناء کے واسطے

دو جہاں میں اپنے اس بندے کو رحمت سے نواز
سیدی بندہ نواز باصفا کے واسطے

جو ہیں مخدوم جہانیاں جلال دین حق
رحم کر مجھ پر تو ان کے اعتلا کے واسطے

اپنے اس بندے کے اعداء کو الٰہی زیر کر
سید راجوئے قتال عدی کے واسطے

سیدی سارنگ کے صدقے میں مجھ پر رحم کر
باخدا کر مجھ کو اس مرد خدا کے واسطے

شاہ مینا سعد اسعد اور صفیٔ باصفا
مجھ پہ ہو تیرا کرم ان اولیاء کے واسطے

عبد واحد، سیدی عبدالجلیل و شہ اویس
دے صفائے دل مجھے ان اولیاء کے واسطے

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشق حق دے عشقیٔ عشق انتما کے واسطے

حب اہل بیت دے آل محمد کے لئے
کر شہید عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پُرنور کر
اچھے پیارے شمس دیں بدرالعلیٰ کے واسطے

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آل رسول مقتدیٰ کے واسطے

کر عطا احمد رضائے احمد مرسل مجھے
میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے

مذہب اہل سنن پر استقامت کر عطا
شہ ضیاء الدین احمد با خدا کے واسطے

دشمنان اہلسنت پر مجھے منصور رکھ
شیر سنت حشمت شیر رضا کے واسطے

اپنی ہی تسبیح کی دائم مجھے توفیق دے
عبد سبحٰن پیر کامل رہنما کے واسطے

صدقہ ان اعیاں کا دے چھ عین عز، علم وعمل
عفو و عرفاں عافیت اس بینوا کے واسطے

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی

حضور شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ ظاہر میں ایک فرد مگر حقیقت میں ایک ادارہ تھے۔ اکیلے انھوں نے وہ کام کر کے دکھایا جس کے کرنے کے لئے ایک جماعت ایک تنظیم اور ایک ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

وہ کام کے آدمی تھے ہمیشہ ان کی زندگی حرکت میں رہی۔ تنظیم کی تشکیل دینے اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانے کو ناروا سمجھتے تھے۔ جو تنظیم متحرک اور فعال تھی۔ آپ کی خصوصی ہمدریاں ان کے ساتھ ہوتیں۔ آپ نے دوسرے لوگوں کی طرح تنظیموں کی تشکیل کی طرف توجہ نہ دی بلکہ جس مقصد کے لئے تنظیموں کا انعقاد ہوتا ہے وہ انھوں نے خود کر کے دکھا دیا۔ البتہ "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے بانیوں میں آپ کا شکار ہوتا ہے۔ اس جماعت نے شدھی سنگٹھن اور دوسرے مشکل حالات میں جو خدمات انجام دی ہیں اس سے اس زمانے کے اخبارات ورسائل بھرے پڑے ہیں۔

دوسری تنظیم جسے آپ نے تشکیل دے کر تمامی علمائے اہلسنت کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا وہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ہے۔ آپ نے بمبئی کی سرزمین پر جس کی داغ بیل ڈالی۔ اس سے زیادہ اور کوئی مناسب جگہ بھی نہ تھی۔ ایک تو مالی تعاون کے مواقع وہاں زیادہ تھے اور دوسرے آپ کے مریدین ومتوسلین کا ایک اچھا خاصا حلقہ بھی وہاں تھا۔ جس سے اس کی ترقی کے امکانات واضح اور روشن تھے۔

بمبئی کی سرزمین پر سنیت کی اشاعت صرف آپ اور آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہما کی رہین منت ہے۔ شاید اسی وجہ سے علامہ مشتاق احمد نظامی نے لکھا ہے

"بریلوی مسلک کے فروغ وارتقاء میں اگر سب سے پہلے کسی کا نام لیا جاسکتا ہے وہ نام تو شیر بیشۂ اہل سنت اور محبوب ملت کا ہے۔" (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۱۰)

اس تنظیم کا انعقاد اس وقت عمل میں آیا جب بمبئی کے وہابیوں اور دیوبندیوں نے سنی بڑی مسجد مدن پورہ سے متعلق مولانا محبوب علی اور ان کے رفقاء پر مقدمہ دائر کردیا۔ مقدمہ بازی ہوئی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا رہا۔ سنیوں کی فتح مبین اور وہابیوں کی شکست مہین۔ اس مقدمہ میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے بعد شیر بیشۂ اہل سنت نے وہاں کے مذہبی مسائل حل کرنے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی۔ (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۱۲) شروع میں اس کے بنیادی مقاصد یہی تھے مگر رفتار زمانہ کے سبب اس کے مقاصد میں وسعت ہوتی رہی۔ آج حسن کارکردگی کے سبب ملک کی اہم تنظیموں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔

اس کے پرچم کی خصوصیات اور اس کا رنگ تجویز کرنے والے بھی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت ہی ہیں۔ اپنے رنگوں کے سبب پرچم اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی اس پرچم سے محبت والفت کا اندازہ حضرت مولانا احمد مشہود رضا فرزند ارجمند حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے اس خواب سے لگایا جاسکتا ہے جسے انھوں نے آپ کی وفات سے چند روز قبل دیکھا تھا۔ "ایک میدان میں بڑی عظیم الشان محفل سجائی گئی ہے اور وہاں سے حضرت کے مکان تک دورویہ گھوڑے سوار کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا پرچم ہے۔ ایک قطار کے سواروں کا لباس سرخ ہے اور دوسری قطار والوں کا لباس سبز ہے اور ایک شور ہے کہ ہم حضرت کو لینے آئے ہیں۔"

اس طرح ایک طویل خواب ہے جس کی تعبیر میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت کی پیشین گوئی کی تھی۔ مومن کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ ہوا وہی جو حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا تھا۔ رسولی ضلع بارہ بنکی کے مناظرہ میں وہابی شکست فاش کے بعد حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی جان لینے پر تل گئے۔ ایک شخص کے ذریعہ پان میں زہر دے دیا۔ زہر چونکہ زود اثر نہیں تھا اس لئے رفتہ رفتہ اثر کرتا رہا اور بالآخر وہی زہر سبب مفارقت بنا اس طرح حضور شیر بیشۂ سنت نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ مگر ان کا عظیم الشان تنظیمی کارنامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کی سرزمین پر اب بھی روشن کردار ادا کررہا ہے۔

صلوٰۃ وسلام

اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے
دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال
میں فساد نیت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف
تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ
مجلس میلاد کے موقع پر میں باادب کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور
نہایت ہی عاجزی وانکساری محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیب
پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔
(شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار،
ص: ۶۲۴)

چوتھا باب

فضائل و کمالات

تصانیف

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کشور علوم و معرفت کے تاجدار تھے۔ بڑے سے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل فرمادیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ مناظر تھے اس لئے انھیں تمام علوم وفنون پر یکساں دسترس تھی۔ قرآن واحادیث کی توضیحات وتشریحات میں باریک بینی فرمانے کے ساتھ نحو وصرف اور منطق وفلسفہ کے مباحث کو بھی دم زدن میں حل فرما کر سامعین کو مطمئن کر دیتے تھے۔ ان کے رشحات قلم سے ان کی عبقریت کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ زبان وقلم دونوں کے دھنی تھے۔ ''ترجمان اہلسنت'' جو ان کی ادارت میں نکلنے والا رسالہ ہے اس کے علمی موضوعات ان کی علمی عظمت پر واضح دلیل ہیں۔ بعض علمی مسائل کو انھوں نے کتاب وقلم کا سہارا لئے بغیر سائل کا سوال ختم ہوتے ہی جواب دے دیا۔ اس طرح کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔

اسی طرح کا ایک حیرت انگیز واقعہ سفر حج کے دوران پیش آیا جس کی تفصیل آپ نے زیارت حرمین شریفین سے واپسی پر اس طرح بیان کی۔

> ''جس جہاز میں ہم جارہے تھے اس سے دیوبندی مولویوں کا ایک قافلہ بھی جارہا تھا جس میں منظور سنبھلی کے علاوہ اس کے استاذ مولوی حبیب الرحمن مئوی بھی تھے۔ ہمیں خبر نہ تھی کہ وہ سب لوگ بھی اسی جہاز میں ہیں۔ ایک دن مولوی منظور سنبھلی میرے پاس آئے سلام کیا مگر میں پہچان نہ سکا پوچھا کہاں دولت خانہ ہے تو اس نے کہا کہ اتنی جلدی آپ مجھ کو بھول گئے میں منظور سنبھلی ہوں۔ اگر اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں۔ وہ میرے بستر پر بیٹھنے کے لئے لپکا میں نے فوراً

روک دیا کہ تم گستاخ رسول ہو میرے بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس نے بڑی لجاجت سے کہا کہ آپ کا دل ابھی تک ہم لوگوں کی طرف سے صاف نہیں ہوا۔ تو میں نے کہا میری اور تمہاری لڑائی کوئی دنیوی نہیں ہے تم لوگ ان کفری عبارتوں سے توبہ کرلو میں سر آنکھوں پر بٹھانے کو تیار ہوں۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ جہاز میں بھی مناظرہ ہی کے موڈ میں ہیں میں اس وقت مناظرہ کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ ایک اشکال لے کر آیا ہوں اس کا جواب دیجئے۔

شیر بیشۂ اہل سنت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تمہاری جماعت میں کوئی مولوی نہیں ہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ فلاں فلاں ہیں پھر میں نے کہا کہ یہ اشکال ان سے کیوں نہ حل کرالیا تو اس نے بڑی سادگی سے کہا کہ ہم لوگ دو دن سے اس مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں اور جواب سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اسی جہاز میں ہیں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ کم از کم اشکال سن لیں جواب آپ دیں یا نہ دیں ہم لوگ آپ کو حَکم مان کر آئے ہیں آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے سب کو تسلیم ہوگا۔

شیر بیشۂ سنت نے فرمایا کہ اگرچہ گستاخ رسول ہونے کی وجہ سے تم اس کے اہل نہیں ہو کہ تمہیں کوئی علمی مسئلہ بتایا جائے مگر بیان کرو میں انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ ثم شاء حبیبہ الاعلیٰ جل وعلی وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم جواب دوں گا کہ کہیں تم اس کو عجز نہ جانو۔ اس پر منظور نے مندرجہ ذیل اشکال پیش کیا۔

"فقہ کی تمام کتب میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ دینیات میں کافر کا قول معتبر نہیں اور یہاں جہاز میں جب جہاز محاذات "یلملم" میں پہنچنے والا ہوتا ہے تو کپتان کے حکم سے ہارن بجتا ہے۔ کپتان کافر ہے احرام باندھنا ایک دینی حکم ہے اسی دینی امر میں کافر کے اخبار سے کیونکر احرام باندھنا واجب ہوتا ہے۔"

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے جواباً فرمایا کہ بس اتنی سی بات کے لئے تم چھوٹے

بڑے سب پریشان تھے۔ یہاں تم لوگوں کو اشتباہ لگا ہے دو باتیں الگ الگ ہیں۔ ایک دینی بات اور ایک دنیوی۔ ہمیں احرام کہاں سے باندھنا ہے۔ یہ دینی بات ہے اور "یلملم" کہاں ہے یہ دنیوی بات ہے۔ پہلی بات یعنی یہ کہ احرام محاذات یلملم سے باندھنا واجب ہے یہ حدیث سے معلوم ہوئی ہے کپتان کے اعلان سے نہیں۔" دوسری بات کہ یلملم کہاں ہے؟ کپتان کے اعلان سے معلوم ہوا ہے مگر یہ جغرافیائی بات دینی نہیں تو جو بات دینی ہے وہ کپتان کے اعلان سے نہیں حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے اور کپتان کے اعلان سے یلملم کے محاذات میں پہنچنا معلوم ہوا یہ دینی نہیں دنیوی بات ہے۔

منظور اکڑوں بیٹھ کر بڑے غور سے سن رہا تھا۔ بات ختم ہوتے ہی شکریہ ادا کیا اور واپس چلا گیا۔

منظور نعمانی کی شخصیت دنیائے دیوبندیت میں محتاج تعارف نہیں۔ بزعم خویش اپنے علمی بل بوتے پر کسی زمانے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس انانیت پسندی کے سبب انھوں نے کئی ایک بار شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ جیسی صاحب علم و فضل شخصیت سے ٹکرائے اور منہ کی کھائی۔

یلملم کا تعین اور احرام کا باندھنا کوئی اتنا مشکل مسئلہ نہیں تھا جتنا کہ علمائے دیوبند سمجھ رہے تھے بلکہ بقول مولوی منظور نعمانی اس مسئلہ میں علمائے دیوبند دونوں سے الجھے ہوئے تھے۔ مگر سائل کا سوال سنتے ہی شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو آناً فاناً اس طرح حل کر دیا کہ مولوی منظور نعمانی آپ کی ذہانت اور فقہی مسائل کے جزئیات کے استحضار کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ کی علمی عبقریت اور علمائے دیوبند کی علمی بے بضاعتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس طرح نہ جانے کتنے واقعات ہیں جہاں کہیں تشریف لے گئے کچھ نہ کچھ

استفسارات آپ کے سامنے آئے جوابات کے لئے قلم اٹھایا اور آناً فاناً بلا جھجک اس طرح لکھ دیا گویا سفر میں انھی سوالات کے جوابات حل کر کے آئے تھے۔

علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے نہ جانے کتنوں کے جبڑے پھاڑ دیے اور ان کے بڑوں بڑوں کی بولتی بند کر دی ان کے اکابر کا ناطقہ بند کر دیا محض اپنی جودت طبع ولفاظی سے نہیں بلکہ وہ علم وفن کے ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر تھے۔انھیں اپنے علم اور اپنی معلومات پر بھروسہ تھا'' (پاسبان: ص ۱۰، اگست ستمبر ۱۹۶۰ء)

وعظ وتبلیغ، مناظرے اور بحث ومباحثے سے ہی انھیں فرصت نہیں ملتی کہ وہ پرورش لوح وقلم کرتے لیکن جتنا اور جس قدر بھی جس موضوع پر قلم اٹھایا حق ادا کر دیا۔ دلائل وبراہین کے دریا بہادیے۔ چونکہ ذہن مناظرانہ تھا اس لئے جتنی کتابیں ان کے رشحات قلم سے منصۂ شہود پر آئیں وہ بھی مناظرانہ ہی ہیں۔

ان کے جاری کردہ رسالے ''ترجمان اہل سنت'' میں بھی مناظرانہ موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں جو اس زمانے کے لحاظ سے بے حد ضروری تھیں کیونکہ جس زمانے میں اس کا اجرا ہوا تھا اس دور میں بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ہزارہا کوششیں کی جارہی تھیں۔ آئے دن نت نئے فرقے اور نئی جماعتیں جنم لے رہی تھیں۔ قلم و پریس کی طاقت کے بل بوتے سنی مسلمانوں کو اپنے چنگل میں پھانسنے کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ اس پس منظر میں ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود اور ان کے ایمان کی حفاظت کی خاطر آپ نے پیلی بھیت شریف کی سرزمین سے اس رسالہ کو جاری کیا جس کے ذریعے انھوں نے وہابیت کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کی اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس رسالے کے ذریعے مسلک اعلیٰ حضرت کی بقا و تحفظ اور اس کی ترویج و اشاعت عظیم الشان پیمانے پر ہوئی مخالفین اہلسنت کی دسیسہ کاریوں اور مکاریوں کا پردہ چاک کرنے کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے کئی رسائل بھی اس کے زیر اہتمام چھپ کر منصۂ شہود پر آئے۔ اس کی ادارت آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب کے سپرد کر رکھی تھی۔ جب تک یہ رسالہ شائع

ہوتا رہا حسن بیان، موضوعات بحث، شاندار و قیع اداریے کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی پوری زندگی دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں گزری ہے، دامے، درمے، قدمے، سخنے، قلمے ہر طرح عمر بھر تبلیغ سنیت میں مصروف رہے۔ جو کچھ فاضل بریلوی کا قلم لکھتا اسی کی آپ تبلیغ فرماتے، اعدائے دین کے خلاف جو شدت فاضل بریلوی کے قلم میں تھی وہی شدت دشمنان رسول کے خلاف آپ کی زبان پر ہوتی گویا کہ آپ اعلیٰ حضرت کے اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

شریعت میں جو اعلیٰ حضرت کو موقف تھا زندگی بھر سختی کے ساتھ آپ اسی پر گامزن رہے اور اسی کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے رہے بقول حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی:

”بریلوی مسلک کے فروغ و ارتقا میں اگر سب سے پہلے کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو شیر بیشۂ اہل سنت اور محبوب ملت کا۔ دنیا ہزار طعنہ دیتی رہی لیکن علامہ جامی کی زبان میں یہی کہتے رہے۔

بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم“

(سوانح شیر بیشہ سنت، محبوب علی ص ۱۰ ممبئی ۱۹۹۰ء)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا نام سنتے ہی ایوان باطل میں زلزلے پڑ جاتے تھے اور دنیائے سنیت کے لئے اس کی ذات ایسی متاع بے بہا تھی کہ اس کے تذکرے سے ایمان والوں کے چہروں پر مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ سچ کہا ہے علامہ ارشد القادری نے:

”یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ جس شان وارفتگی کے ساتھ حضور شیر بیشہ اہل سنت نے اسلام کو داخلی فتنوں سے پاک کیا اس کی مثال دور حاضر میں نہیں ملتی اور یہ بھی ایک امر مسلم ہے کہ اسلام کو جتنا اندر سے نقصان

پہنچا ہے، باہر سے نہیں۔ صدر اول کا وہ فتنہ جس نے ایوان اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور آج تک اس کی دھمک محسوس ہوتی ہے وہ اندر سے ہی برپا ہوا تھا اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ مرد مومن اپنے وقت کا بہت بڑا مجاہد ہے جو دین مصطفےٰ کو اندر سے پاک کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بے مثال جرأت و پامردی کے ساتھ باطل کی بساط الٹ کر حق کو برتر و غالب کردیا"۔ (شخصیات، ارشد القادری ص ۸۷ دار الکتاب دہلی ۲۰۰۷ء)

شیر بیشہ اہل سنت نے اصلاح قوم کی خاطر مختلف طریقے اختیار کئے۔ کہیں مدرس، کہیں مقرر، کہیں مفتی اور کہیں مناظر اعظم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ وقت کے بڑھتے ہوئے فتنہ و فساد کا آپ نے زبان و قلم دونوں سے دفاع کیا۔ مذاہب باطلہ کی تردید میں کتابیں لکھیں اور نیست و نابود کرنے کی انتھک کوششیں بھی کیں، وہ کتابیں جو ہمیں دستیاب ہیں وہ کسی نہ کسی فرقۂ باطلہ کی تردید میں ہیں۔ فن تفسیر میں آپ گہری نظر رکھتے تھے، اس وسعت معلومات کی بنا پر آپ نے قرآن کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی مگر زمانہ نے وفا نہ کیا، صرف سورۂ بقرہ کی تفسیر مکمل ہو پائی تھی جس کی کچھ بحثیں ترجمان اہل سنت پیلی بھیت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ تفسیر سورۂ بقرہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے تصلب فی الدین اور علمی وجاہت پر مکمل دال ہیں۔

۱۔ اجمل انوار الرضا
۲۔ الانوار الغیبیہ
۳۔ الصوارم الہندیہ
۴۔ حکم جبار بر خاکسار
۵۔ احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ
۶۔ القلادۃ الطیبۃ المرصعہ
۷۔ تقریر منیر قلب
۸۔ عرض منیر
9۔ ستر باادب سوالات دینیہ وایمانیہ
۱۰۔ مظاہر الحق الاجلی
۱۱۔ راز سیرت کمیٹی
۱۲۔ سیرت کمیٹی کا اسلام
۱۳۔ درد دل کا علاج
۱۴۔ قہر واحد دیان بر ہمشیر بسط البنان

۱۵۔ لطمۂ شیر بر مجدی زادہ راندیر ۱۶۔ تفسیر امداد السبحان

۱۷۔ کھلی مسلمانی چٹھی ۱۸۔ اسلامی پیغام

۱۹۔ اسلامی خط ۲۰۔ فرنگی محل ہاؤس میں کفر کی مشین

۲۱۔ کمیٹی کا پاکیزہ فوٹو گراف ۲۲۔ حق کا خنجر

۲۳۔ مصحح دماغ مجنوں ۲۴۔ الفرح والتاج لمحب محفل معراج

۲۵۔ فتح الابرار علی الکفار ۲۶۔ جمال الایمان

۲۷۔ القول الاظہر ۲۸۔ شامۃ العنبر

۲۹۔ الجوابات السنیہ ۳۰۔ پشت خار در افتخار

۳۱۔ عطر الصندل ۳۲۔ ہیبت قہاریہ

۳۳۔ کہر المعبود ۳۴۔ مخزن ہدایت

۳۵۔ انقلابی افتراؤں کے جوابات ۳۶۔ الصولۃ الاحدیہ

۳۷۔ سل الصوارم الصمدیہ ۳۸۔ فتاویٰ شیر بیشۂ اہل سنت

(۳۹) راد المہند علی النہیق الانبٹھی المفند (۴۰) مبلغ وہابیہ کا گریز

(۴۱) ردکید الخبثار (۴۲) احمد آباد کے مناظرہ کا چپ انجام

(۴۳) قہر القہار (۴۴) الصوارم المحمدیہ

(۴۵) ذوالافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام (۴۶) کشف ضلال دیوبندی (۱۳۳۸ھ)

ذیل میں کچھ تصانیف کی تفصیل دی جا رہی ہے۔

۱۔ راد المہند علی النہیق الانبتھی المفند

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ۱۳۳۸ھ میں زمانہ طالب علمی میں پہلی کتاب راد المہند علی النہیق الانبتھی المفند (۱۳۴۵ھ) کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی تصنیف ''المہند'' کے رد میں ہے۔

المہند میں اس کے مصنف نے ''حسام الحرمین'' پر افترا پردازی کی ہے اور اسے دجل د

فریب کا پلندہ قرار دیا ہے۔

''حسام الحرمین'' مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے علماء کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس کی حقیقت واہمیت ذیل کی عبارت سے لگائی جاسکتی ہے۔

''مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے علمائے اہلسنت کی افہام وتفہیم کا کوئی اثر اساطین دیو بند نہیں قبول کرتے تو ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین طیبین کی بارگاہ میں استغاثہ پیش فرمایا جس کے نتیجے میں علمائے حرمین طیبین نے بالاتفاق مکمل طور پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تائید فرمائی یہ کتاب ''حسام الحرمین'' انھیں علماء کی تائیدات کا مجموعہ ہے۔''

(انکشاف حقیقت (رادالمهند) مولانا حشمت علی ص ۳ مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

جب یہ کتاب مارکیٹ میں آئی اور علمائے دیو بند کی نظروں سے گزری تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ اپنے اپنے علم کے اعتبار سے لوگوں نے اپنے اپنے مثبت ومنفی خیالات کا اظہار کیا۔ جب کوئی بات نہ بنی تو بالآخر اپنی آبرو بچانے کے لئے پوری برادری نے مل کر ایک سازش کی۔ ''تحذیر الناس'' براھین قاطعہ، ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارتوں اور گنگوہی صاحب کے اصل کفری فتویٰ کے بجائے اپنی طرف سے ایک ایک مضمون لکھ کر ان کی طرف منسوب کیا اور اس پر پہلے اپنے گھر کے مولویوں سے لکھوایا پھر حرمین طیبین لے گئے اور وہاں کے ذمہ دار اور معتمد علماء کے بجائے چند آفاقیوں یعنی وہ لوگ جو دوسرے ملکوں سے جا کر وہاں آباد ہو گئے تھے ان سے تصدیق کرائیں۔ پھر اسے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع کرا دیا اسی کا نام ''المهند'' ہے۔

''راد المهند'' اسی کتاب کی تردید ہے جو تصنیف کے ایک عرصہ بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبہ جماعت سابعہ کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں ''انکشاف حقیقت'' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰×۳۰ سائز کے ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے آخر میں مصنف سبب تالیف اور وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بالآخر جھوٹ، فریب، تقیہ، مکاری، عیاری، ودغابازی، بیباکی، ناپاکی، چالاکی کے مسالوں سے ایک بوسیدہ ڈھال تیار کی جس کا نام ''المہند'' رکھا یعنی ہندوستانیوں کی تلوار۔ خیال تھا کہ کچھ دنوں تو اس کے ذریعے سے جان بچے گی کچھ تو دم لینے کی مہلت ملے گی۔ مگر ''حسام الحرمین'' یعنی مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کی تیغ برق تاب کا مقابلہ بے چاری ہندوستانی تلوار کیا کر سکتی ہے۔ حق کی شمشیروں کی کڑکتی بجلیاں کہیں جھوٹ کی ڈھالوں کی بدلی سے رک سکتی ہے۔ اب وہی ''المہند'' ہے جو ''حسام الحرمین'' کی دھار کے لئے صیقل بن گئی ہے جو کام ''حسام الحرمین'' کرتی تھی اب وہی کام ''المہند'' کر رہی ہے۔ خود دیوبندیوں کے منہ سے دیوبندیوں کا کافر مرتد ہونا ثابت کر رہی ہے وللہ الحمد۔ اسی مناسبت سے میں نے اس رسالہ کا تاریخی نام ''رادالمھند علی النھیق الانبتھی المفند'' رکھا ہے۔

(انکشاف حقیقت (رادالمہند) مولانا حشمت علی ص ۳ مطبوعہ ۱۹۸۵ء)

۲۔ اجمل انوار الرضا

اجمل انوارالرضا (۱۳۶۴ھ) دراصل ایک مسئلہ کا جواب ہے جسے شیر بیشۂ اہل سنت نے ایک سائل کے استفسار کے جواب میں دیا تھا۔ یہ جواب دلائل و براہین کی روشنی میں دینے کی وجہ سے ۶۰ صفحات پر پھیل گیا۔ اس فتویٰ کو بعد میں کتابی شکل دے دی گئی۔

۳۔ ستر باادب سوالات دینیہ ایمانیہ

یہ ان سوالات کا مجموعہ ہے جسے شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے ہندوستان کی سیاست سے متعلق مرتب کئے تھے۔

۴۔ تقریر منیر قلب

یہ آپ کی ایک تقریر ہے جو اسلام کی حقانیت اور رد آریہ سماج پر تبلیغ واشاعت کے عام اجلاس صدر مقام بریلی میں ہوئی جسے رضوی کتب خانہ بہاری پور نے اپنے اہتمام میں یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیا۔ تقریر منیر قلب اس کا تاریخی نام ہے۔ اس

سے ۱۳۴۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ کتاب بڑے سائز کے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں مسلمانوں کو شرور وفتن سے محفوظ رہنے کے لئے استدعا ہے۔ تقریر درج ذیل عبارت پر ختم ہوتی ہے:

اب میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ آئندہ صحبت میں قرآنی توحید اور ویدک توحید کا مقابلہ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ دکھاؤں گا وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین و ابنہ و حزبہ یا ارحم الرحمین ویا اکرم الاکرمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔" (تقریر منیر قلب ص ۲۳، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۲ھ)

اس کتاب پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر مسعود احمد نقشبندی لکھتے ہیں:

"پیش نظر رسالہ "تقریب منیر قلب" ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء) مولانا حشمت علی خاں صاحب کی اٹھتی جوانی کی یادگار ہے۔ یہ رسالہ بریلی سے شائع ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک ہندو لیڈر شردھانند نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریک چلائی تھی۔ جس کا مقصد وحید ایک یہ تھا کہ مسلمانوں کو مرتد بنایا جائے اور ان کو ہندو تہذیب وتمدن اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء میں سلطنت ترکیہ کے تحفظ کے لئے (جو انگریزوں کے ہاتھوں سے تباہ ہو رہی تھی) تحریک خلافت چلائی گئی۔ چنانچہ مسلمانوں میں انگریزوں کے خلاف ایک شورش برپا ہوگئی۔ مشہور ہندو لیڈر گاندھی عرصۂ دراز سے ہندوستان کی آزادی اور ہندو حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوتا جب کسی نہ کسی صورت سے انگریزوں کو زک پہنچائی جاتی اور مسلمانوں کا بھرپور تعاون حاصل کیا جاتا کیوں کہ وہ متحدہ ہندوستان کی طاقتور اقلیت تھے۔ چنانچہ گاندھی نے منافقت کی راہ اختیار کی اور تحریک خلافت کی حمایت کی لیکن اندرون خانہ انگریزوں کو یقین دلایا کہ وہ انگریزوں کے خلاف ہر قسم کی جارحیت کے خلاف ہیں۔ اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ گاندھی کی حمایت کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے خوش ہو کر ان کو اپنا پیشوا بنالیا اور بعض علماء بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جب گاندھی کو یہ وقار اور اعتماد حاصل ہوگیا تو انھوں نے ۱۹۲۰ء میں "تحریک خلافت" کا رخ موڑ کر "تحریک ترک موالات" شروع کردی۔

جس کا بظاہر یہ مقصد تھا کہ انگریزوں سے تعاون نہ لیا جائے۔ ان کی ہر چیز کو رد کر دیا جائے۔ لیکن اندرون خانہ انگریزوں کی نظر میں مسلمانوں کو خطرناک ثابت کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کرنی تھیں۔ مسلمان اس چال کو نہ سمجھ سکے اور جذبات میں آ کر تباہ ہو گئے۔ مگر ہندو ہر قسم کی تباہی سے محفوظ رہے لیکن پھر بھی ان کو ہوش نہ آیا اور ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کے نعرے لگتے رہے۔ مسلمان ہندوؤں سے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کو اپنے دین و ایمان کا بھی پاس نہ رہا۔ وہ ہندوؤں کے مندروں میں جانے لگے، قشقہ لگوانے لگے، ہندوؤں کی ارتھیوں کو کندھا دینے لگے۔ ان کے لئے مسجدوں میں فاتحہ خوانی کرنے لگے۔ ان کی سواری سے گھوڑوں کی لگام پکڑ کر چلنا ان کے لئے باعث سعادت ٹھہرا۔ الغرض انھوں نے وہ کام کیے جو اس زمانے کے گئے گزرے مسلمانوں کے لئے بھی باعث شرم و عار ہیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو ۱۹۲۲ء میں ''تحریک ترک موالات'' ختم کر دی گئی اور دوسرے ہی سال ۱۹۲۳ء میں ''تحریک شدھی اور سنگٹھن'' شروع کر دی گئی کیوں کہ مسلمان جب ہندوؤں سے اتنے قریب ہو گئے تھے تو ان کو مرتد بنانا اور اپنے رنگ میں رنگنا بہت زیادہ آسان ہو گیا تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے۔ اس تحریک نے پاک و ہند کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک تہلکہ مچا دیا۔ جو مسلمان لیڈر اور علماء ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ تھے، ان کے لئے تو یہ شاید تشویشناک بات نہ تھی لیکن علماء و مشائخ اہل سنت دل پکڑ کر رہ گئے اور اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کو کفر و ارتداد سے نجات دلانے کے لئے سر بکف میدان میں آ گئے۔ اس سلسلے میں، جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی اور انجمن خدام الصوفیہ، علی پور سیداں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو اس مصیبت سے چھڑایا اور بے شمار کفار و مشرکین کو مشرف باسلام کیا۔ مولانا حشمت علی خاں صاحب نے اس وقت جوانی میں قدم رکھا تھا، عمر کے اس ابتدائی حصے میں ان کا یہ درد و سوز اور جوش و جذبہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔

وہ بھی سر بکف میدان میں آئے اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے اسلام کی حقانیت بیان کی اور مسلمانوں کو للکارا۔ ان کا خطاب چونکہ عوام الناس سے تھا اور ان لوگوں سے جو ہندوؤں

کے چنگل میں پھنس چکے تھے۔اس لئے انھوں نے ایک تو دلائل عام فہم بیان کئے ہیں۔دوسرے بہت سے ہندی کے الفاظ استعمال کئے ہیں تاکہ ہندو بھی متاثر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔

ہمارے بعض مؤرخین حقائق پر پردہ ڈال کر کھرے کو کھوٹا اور کھوٹے کو کھرا بنانے کے عادی ہوگئے ہیں۔وہ غبار کو ''غازۂ روئے زیبا'' بنا کر پیش کرتے ہیں۔مگر غبار تو غبار ہی ہے۔ ہمارے جوانوں کو ماضی کے اس تاریک دور سے واقف ہونا چاہئے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ کیا کچھ ہو چکا ہے۔اوراس کی روشنی میں کیا کچھ کرنا باقی ہے۔

مولانا حشمت علی خان نے اس تاریک دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تقریر کا موضوع اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ترجمہ: بلاشبہ اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہی ہے۔

مولانا حشمت علی خاں صاحب نے اس آیہ کریمہ کے تحت اسلام کا ہندو مذہب اور دوسرے ادیان سے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اسلام کی حقانیت کی مندرجہ ذیل چھ دلیلیں پیش کی ہیں:

پہلی دلیل: خدائے پاک ہے،اس کا دیا ہوا مذہب بھی ایسا ہونا چاہئے جو ہمارے فکر وعمل کو پاک کردے۔اسلام میں طہارت و پاکیزگی کا بڑا نفیس تصور ہے۔اس نے طہارت کو ہر مسلمان کے لئے واجب قرار دے دیا ہے جب کہ دوسرے مذاہب خصوصاً ہندو مذہب میں پاکی اور ناپاکی کا تصور نہایت ہی نامعقول ہے۔ہندو مذہب میں گائے کا پیشاب ایسا پاک ہے جو ناپاک چیزوں کو پاک کرتا ہے۔استغفر اللہ!

دوسری دلیل: مذہب کے اصول وضوابط ایسے ہونے چاہئیں کہ اس پر ہر انسان آسانی سے عمل کرسکے مگر دوسرے مذاہب خصوصاً ہندو مذہب میں ایسے اصول ہیں جن پر عام آدمی کا عمل کرنا اتنا آسان نہیں برخلاف اسلام کے اس کے سارے اصول ایسے ہیں جن پر ہر انسان آسانی سے عمل کرسکتا ہے۔

تیسری دلیل: ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب انسان اسی لئے اختیار کرتا ہے کہ دوسرے

مذہب میں اس کو اپنے مذہب سے زیادہ دنیوی واخروی فلاح ونجات کی ضمانت ملے مگر ہندو مذہب میں اس کی کوئی ضمانت نہیں برخلاف اسلام کے اس میں اسلامی اصولوں پر عمل کرنے والے ہر مسلمان کے لئے ضمانت موجود ہے۔ خواہ اس کا ماضی کفر وشرک میں گزرا ہو۔

چوتھی دلیل: اگر یہ شرط لگائی جائے کہ ہر مذہب کا مبلغ تن تنہا بغیر کسی تبلیغی لٹریچر کے تبلیغی سفر پر نکلے تو اسلام کے سوا کسی مذہب کا مبلغ اس کے لئے تیار نہ ہوگا۔ کیوں کہ تمام مذاہب کے مبلغین اپنی مذہبی کتابوں کے بغیر آگے نہیں چل سکتے مگر مسلمان مبلغ کے سینے میں قرآن کریم محفوظ ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے کتاب اس کے ساتھ ہے۔

پانچویں دلیل: اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ حق اور سچا ہے اور وہ اپنی حقانیت پر قرآن کریم کو بطور گواہ پیش کرتا ہے۔ یہ ایسا گواہ ہے جس میں چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ایک نقطے یا زبر زیر کا فرق نہیں جب کہ دوسرے مذاہب کی مذہبی کتابوں میں اتنا ردوبدل ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں نہیں رہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ بھی اصل زبان میں نہیں، ترجمے ہیں۔

چھٹی دلیل: اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم مذہب کے کسی عالم سے نہیں بلکہ خود مذہبی کتابوں سے اس مذہب کے لانے والے، کتاب اور اس کے بھیجنے والے، اور اس مذہب کے اصول وآئین کے بارے میں براہ راست دریافت کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مذہبی کتاب ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی ہاں قرآن حکیم کے پاس سب سوالوں کا جواب ہے۔

مولانا حشمت علی خاں صاحب مندرجہ بالا دلائل پیش کرنے کے بعد مسلمانوں کو للکار کر کہتے ہیں:

> ''اٹھو، جاگو، ہوشیار ہو، بیدار ہو! بہت سو چکے، سونے کا نتیجہ بھی بھگت چکے۔ کیا تم اپنی پاداش کو ابھی نہیں پہنچے؟
>
> برائے خدا اب ہندوؤں سے ہوشیار ہو جاؤ!
>
> ان سے نفرت کرو، ان سے اتحاد وداد توڑو، اپنا رشتہ پیارے اسلام سے جوڑو۔'' (تقریر منیر قلب'' مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۲)

دین اسلام سے بیگانگی کا جو حال اس وقت تھا، اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ہمارے بہت سے جوان دین اسلام کی حقانیت سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے ہر کوئی ان کو آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ یہ رسالہ ایسے جوانوں کو دعوت فکر و عمل دیتا ہے۔ اُمید ہے کہ اس کی اشاعت نتیجہ خیز اور مفید ثابت ہوگی۔

۵۔ الصوارم الهندیه علی مکر شیاطین الدیو بندیه (۱۳۴۵ھ)

۱۳۴۵ھ میں جب ہندوستان کے وہابی دیوبندی مولویوں نے ''حسام الحرمین'' کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی تو شیر بیشۂ اہل سنت نے رسالہ مبارکہ ''حسام الحرمین'' کے فتاویٰ مبارکہ کا خلاصہ پیش کر کے ہندوستان بھر کے علمائے کرام و مفتیان ذوی الاحترام سے سوال فرمایا کہ علمائے کرام مکہ مکرمہ و مفتیان عظام مدینہ منورہ کے یہ فتاویٰ حق و صحیح ہیں یا نہیں؟ تو غیر منقسم ہندوستان کے تمام اضلاع اور صوبوں سمیت ۲۶۸ علمائے اہلسنت و مفتیان دین وملت نے بالاجماع و بالاتفاق فتوے صادر فرمائے کہ بے شک رسالہ مبارکہ حسام الحرمین بالکل صحیح و درست ہے اور ''حفظ الایمان'' ص ۸ و عبارت ''براہین قاطعہ'' ص ۵۱ و عبارت ''تحذیر الناس'' ص ۱۳، ۱۴، ۲۸ کفری ہیں۔ یہی وہ تصدیقات ہیں جو ''الصوارم الہندیہ'' کے نام سے شائع کی گئی ہیں۔

۶۔ مظاهر الحق الاجلی

ان شبہات کا ذکر ہے جو مسلم لیگ سے متعلق احکام شرعیہ ظاہر کرنے میں اہل سنت کے علماء کو پیش آئے ہیں۔

۷۔ رد سیرت کمیٹی

سیرت کمیٹی ضلع لاہور میں قائم ہوئی جس کے جنرل سکریٹری عبدالمجید قریشی تھے۔ اس کمیٹی کا قیام لوگوں کو محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنا اور اس سے باز رکھنا تھا اس کے علاوہ اسلام و سنیت پر جور و ظلم اس کے اولین مقاصد سے تھا۔ اس کمیٹی کی متعدد شاخیں ہندوستان بھر میں قائم کی گئیں۔ اس کے در پردہ وہابیہ کا ہاتھ تھا۔ اس کمیٹی کے اراکین نے شان رسالت مآب میں کچھ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے جس سے توہین رسالت کا صدور ہو رہا تھا۔ اس

کمیٹی کے افراد کے اول فول گفتگو و بکواس پر مولانا حشمت علی خاں نے اٹھائیس کفریات شمار کیے جیسا کہ خود انھوں نے فرمایا ہے:

''بے دینی پھیلانے کی یہ کیفیت کہ سیرت کمیٹی کی تحریروں میں صاف صاف رام چندر، کرشن اور درخشوں وفریدوں اور ہندوؤں کے جملہ رشیوں منیوں کو رسول و پیغمبر بتایا گیا۔ مسلمانوں پر مذہبی و قرآنی فرض بتایا گیا کہ وہ ہر گرجا، ہر مندر کی اپنے خون بہا کر حفاظت کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مزدور، راہنما اور مایوس الحال گڈریا کہا گیا۔'' (الفقیہ امرتسر ۲۸/ اگست ۱۹۳۵ء ص ۱۲)

اس کمیٹی کے غلط نظریات کی تردید میں مولانا حشمت علی خاں قادری نے ایک مبسوط مقالہ لکھا جسے ''الفقیہ'' امرتسر نے کئی شماروں میں شائع کیا۔ قسطوں میں چھپنے والے یہی مقالے بعد میں کتابی شکل میں ''ردسیرت کمیٹی'' کے نام سے زیور طبع سے آراستہ کیے گئے۔

۸۔ القول الاظہر فی عدم جواز الصلوٰۃ باقتداء لاؤڈ اسپیکر

اس کتاب میں کیا ہے؟ کتاب کے نام سے واضح ہے۔ یہ حقیقت نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر کی اقتدا نہ کرنے سے متعلق مبسوط فتویٰ ہے جسے حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے محلہ بھورے خاں پیلی بھیت میں ۱۶/ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ میں صادر کیا ہے۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے عدم جواز سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''جو شئ نماز میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس کی اقتدا صحیح و درست نہیں، جو شئے نماز میں داخل نہیں اس کی اقتدا مفسد نماز ہے اور آلہ لاؤڈ اسپیکر نماز میں داخل ہونے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا تو اس سے تکبیر تحریمہ کی صدا سن کر اس کی اقتداء کرنے والا نماز میں قطعاً داخل نہیں ہوا۔''

اس قول کی تائید میں آپ نے اکابر علماء اور سلف صالحین کے اقوال کو بطور سند پیش کیا ہے۔

۹۔ قہر واجد دیان بر ہمشیر بسط البنان

مولوی اشرف علی تھانوی نے ''حفظ الایمان'' کی عبارت میں جو تبدیلی کی اور

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایک نئی تحریر شائع کرائی جس کا نام "تغییر العنوان" رکھا اس کی رد میں حضرت شیر بیشۂ سنت نے یہ رسالہ لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ مولوی اشرف علی نے اپنی کفری عبارت کو بدل کر توبہ نہیں کی۔ ایسی صورت میں انھوں نے اپنے کفر کا اقرار کیا ہے۔ کتاب کے صفحات اسی قول کی تائید میں دلائل و براہین سے مملو ہیں۔ کتاب لاجواب ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کے پلیٹ فارم سے اس کتاب کا کوئی جواب تاہنوز نظر سے نہیں گزرا۔ سنی مبلغین اور واعظین کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱۰۔ الصوارم السندیہ

سندھ سے ایک بہت ہی مفصل فتویٰ آیا تھا جس کا جواب حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے بہت تفصیلی دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس فتویٰ کی تائید میں ڈیڑھ سو علمائے اہلسنت کے فتاویٰ جمع فرمائے تھے۔ چونکہ فتویٰ سندھ کا تھا اس لئے اس رسالہ کا نام اسی کی طرف منسوب کر دیا۔ افسوس! کہ یہ رسالہ شائع نہ ہو سکا اور اصل مسودہ بھی چوری ہو گیا۔

۱۱۔ سیف خداوندی بر دبر وھابی دیوبندی

علمائے دیوبند نے مل کر مسلک اہلسنت و جماعت کی تردید میں ایک کتاب "سیف یمانی" کے نام سے لکھی جو منظور سنبھلی کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دیوبندیوں اور وہابیوں نے بہت سی باتیں خلاف حقائق لکھی ہیں اور اس کتاب میں جابجا انھوں نے اپنی عیاریاں اور چالبازیاں دکھائی ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے اس کتاب کے رد میں ایک مفصل و مدلل کتاب لکھی اور اس کا تاریخی نام "سیف خداوندی بر دُبر وہابی دیوبندی" رکھا مگر افسوس ہے کہ یہ کتاب بھی چوری میں چلی گئی اور زمانے نے دوبارہ اسے لکھنے کی مہلت نہ دی۔

۱۲۔ راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب (۱۳۴۴ھ)

۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ میں مدرسہ محمدیہ مورا بھاگل راندیر ضلع سورت گجرات میں شیر بیشۂ اہل سنت نے مولوی محمد ابراہیم کے بھائی مولوی محمد حسین راندیری سے وہابیوں کی کفری عبارتوں پر مناظرہ کیا۔ دوران مناظرہ آپ نے دیوبندی مناظر پر ۲۲ سوالات کئے۔ میدان

مناظرہ میں مولوی محمد ابراہیم و مولوی محمد حسین راندیری کے علاوہ ان کے کئی حمایتی تھے مگر کسی سے ان سوالوں کا جواب نہ بن پڑا۔ پھر آپ نے انھی سوالوں کو مرتب کر کے رسالہ کی شکل میں دیوبندی مولوی صاحبان کی خدمت میں ارسال کیا۔ ایک مدت گزر گئی مگر کہیں سے اس رسالہ کا کوئی جواب مطالعہ میں نہیں آیا۔

۱۳۔ مبلغ وھابیہ کا گریز

مورانوں ضلع اناؤ میں مولوی عبدالشکور کاکوروی کے شاگرد نے وہابیت کا زہر پھیلایا تو سنیوں نے اس کی بیخ کنی محسوس کی اور اس طرح لوگ حرکت میں آ گئے کہ مناظرہ کی نوبت آ گئی۔ مناظرہ ۱؍۲؍۳؍ربیع الاول ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں ہونا طے پایا۔ دیوبندی مکتب فکر کے مناظر مولوی نور محمد ٹانڈوی نامزد کئے گئے۔ مسلک اہلسنت و جماعت کے مناظر خود شیر بیشۂ اہل سنت تھے، جب کہ صدارت کے فرائض مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن اڑیسوی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیے۔ مناظرہ علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں پر تھا۔ یہ کتاب اسی مناظرے کی مختصر روداد ہے جو صرف ایک بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

۱۴۔ الجوابات السنیۃ

یہ رسالہ مسلم لیگ میں شرکت کے عدم جواز سے متعلق ہے۔ ایک بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

۱۵۔ القلادۃ الطیبۃ المرصعۃ

دیوبندیوں نے سات سوال شائع کر کے یہ چیلنج کیا تھا کہ ان کے سات سوالوں کے جواب دینے والے کو سات ہزار روپے کے انعام دیے جائیں گے۔ یہ کتاب انھیں سات سوالوں کے مدلل جواب پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں اس رسالے کے جواب پر وہابیہ دیوبندیہ کو سات ہزار کے چوگنے اٹھائیس ہزار کے انعام کا اعلان عام ہے۔

۱۶۔ الانوار الغیبیۃ

مسئلہ علم غیب سے متعلق مدلل رسالہ ہے۔ علم غیب کے ثبوت میں انھی اقوال کو پیش کیا

گیا ہے جو اہلسنت و وہابیہ دونوں مکاتب فکر کے نزدیک مستند و مقبول ہیں۔ یہ کتاب ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع حمیدیہ پیلی بھیت سے حضرت مولانا محمد فصیح الرحمن قادری کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

۱۷۔الصولۃ الاحدیۃ

یہ رسالہ مبارکہ ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء کی تصنیف ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی کفری عبارت کی تردید میں ہے۔ایک بار شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔رد کید الخبثاء

حدائق بخشش حصہ سوم کے متعلق حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے دیوبندی مکائد و شرور کے رد میں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ بنام تاریخی ''رد کید الخبثاء'' (۱۳۷۲ھ) تحریر فرمایا جو لاجواب ہے۔ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء میں سارے وہابی دیوبندی مولویوں کی منظم سازش کے تحت دیوبندی انقلابی فتنہ اٹھایا گیا۔ بہت سے سنی نما مطلب پرستوں، ضمیر فروشوں نے اس آگ کو بھڑکایا۔الوارث کے ایڈیٹر نے اس آگ پر پٹرول چھڑکا۔ یہ کتاب بھی سنی رسالہ لکھنؤ میں قسطوار شائع ہوئی۔

۱۹۔انقلابی افتراؤں کے جوابات

محرم الحرام ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے مبارک بیانات بمبئی میں نل بازار ابابلڈنگ کے سامنے انجمن خدام چشتیہ کے زیر اہتمام ہو رہے تھے۔ ۴ر محرم الحرام ۱۳۷۵ھ رمطابق ۲۳ر اگست ۱۹۵۵ء سہ شنبہ کو شب میں دیوبندیوں کی طرف سے ایک وہابی نے سوال کیا کہ آپ کے بھائی محبوب علی خاں نے حضرت ام المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے ان پر کیا حکم ہے؟ بعد میں دیوبندیوں پر فتویٰ لگائیں۔آپ نے فرمایا وہ کاتب کی غلطی تھی۔ (سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۲۱۳) جو حدائق بخشش میں سرزد ہوگئی تھی۔ پھر بھی انھوں نے اپنی خطا کا اعتراف کر کے توبہ کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ کاتب کی غلطی تھی کہ اس نے اشعار بے ترتیب لکھ دئے تھے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ام المومنین کی شان میں

"الخطوب المذیبۃ للقلوب المنیبۃ" نامی کتاب میں گستاخی کی ہے اور پھر ان کے خلیفہ مولوی عبدالماجد دریابادی نے اپنی کتاب بنام حکیم الامت" مطبوعہ معارف اعظم گڑھ کے ص ۵۵۹ پر گستاخی کی ہے۔ اس طرح انھوں نے اور واقعات و دلائل سے ان کی گستاخیاں ثابت فرمائیں۔ ان کا ان کے پاس تو کوئی جواب تھا نہیں۔ وہابیوں نے مل کر آپ پر ایک بالکل جھوٹا اور ملعون استغاثہ ایک پرانے اور مشہور دیوبندی وہابی منظور الحق کے نام سے دائر کر دیا کہ حضرت ام المومنین سیدنا صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معاذ اللہ اپنی بھابھی جان کہہ کر توہین کی ہے۔

مجگاؤں کورٹ بمبئی میں وسط محرم سے ۲۰/ جمادی الآخر ۱۳۷۵ھ تک پیشیاں پڑتی رہیں اور ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۷۵ھ/ مطابق ۳/ فروری ۱۹۵۵ء روز جمعہ مبارکہ کو اس مقدمہ کی آخری پیشی ہوئی جس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ یہ مجھ پر خالص بہتان اور صاف افتراء ہے میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا ہے پھر انھوں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کر دی۔

> ۸۶/۹۲ ۷ جو کوئی شخص اس قسم کے الفاظ استعمال کرے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہماری بھاوج یا ہماری بھابھی ہیں اس کو خدا سے معافی مانگنی ضروری ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایسے کوئی الفاظ استعمال نہیں کئے جیسا کہ استغاثہ میں دعویٰ دائر کیا گیا ہے پھر بھی میں خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ فقیر ابوالفتح عبیدالرضا محمد حشمت علی خاں بقلم خود"

(محبوب علی سوانح شیر بیشہ سنت ص ۲۲۰ مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۰ء)

اس تحریر پر مستغیث نے حسب ذیل الفاظ لکھ کر دستخط کئے:

"مجھے منظور ہے منظور الحق بقلم خود"

اور اسی پر مقدمہ ختم ہو گیا۔ اس کی تفصیلی روداد شائع ہو چکی ہے اور لاجواب ہے یہ وہابیوں کی طرف سے آپ پر چلایا گیا آخری مقدمہ ہے جس کے تفصیلی حالات اس میں درج ہیں۔

۲۰۔ احمد آباد کے مناظرے کا چپ انجام

احمد آباد میں دیوبندیوں کی کفری عبارات پر مناظرہ ہونا طے پایا۔ جب میدان

مناظرہ سنوارا گیا اور آمنے سامنے علماء رونق ممبر ہوئے حضور شیر بیشۂ اہل سنت مناظر منتخب ہوئے۔آپ نے سوالات کی بوچھار شروع کردی۔ کسے تاب جو آپ کے سوالوں کا جواب دے۔میدان مناظرہ سے فرار کی تلاش میں لگ گئے تو آپ نے پولیس کمشنر سے کہا کہ میں آپ کے آفس میں ان کے مولویوں سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں وہاں تو انھیں کوئی خطرہ نہ ہوگا آپ نے لاکھ کوشش کی کہ مناظرہ ہوجائے مگر نہ ہوسکا۔اس کتاب میں اس مناظرے کی مکمل تفصیل ہے جو شائع ہوچکی ہے۔

۲۱۔قہر القہار

یہ ایک مبسوط فتویٰ ہے جو رسالہ کی شکل اختیار کرگیا ہے۔اس میں لیڈران قوم کی آزاد رَوش اور اسلام کش اقوال وافعال کا رد بلیغ ہے صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔

۲۲۔پشت خار در افتخار

نام نہاد صوفی اور پیر کہلانے والے افتخار رہتکی کے اقوال کفر وضلال میں آپ کا یہ ایک مستقل اور قابل دید رسالہ ہے جو صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔

۲۳۔لطمۂ شیر بر نجدی زادہ راندیر

راندیر سے ایک تحریر وہابیت دیوبندیت کی حمایت میں شائع ہوئی۔حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اس کا جواب تحریر فرمایا اور جناب حاجی ہاشم حاجی جمال قادری صاحب نے حضرت کے اس جواب کو گجراتی ترجمہ کرکے دو ہزار چھاپ کر مفت تقسیم کیا۔یہ کتاب ’’لطمۂ شیر‘‘ اب تک صرف گجراتی میں شائع ہوتی رہی ہے اردو میں شائع نہ ہوسکی۔ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جس تحریر کا یہ جواب ہے وہ بھی گجراتی زبان میں تھی لہٰذا گجراتی اشاعت کو کافی سمجھا گیا۔

۲۴۔مصحح دماغ مجنوں

اس رسالہ میں نان کوآپریشن کے دور میں حکم شرعی کا بیان ہے۔

۲۵۔الفرح والتاج لمحب محفل المعراج

معراج جسمانی پر ایک لاجواب رسالہ ہے جو دبدبۂ سکندری اور سواد اعظم میں شائع

ہو چکا ہے۔

۲۶۔جمال الایمان

تقویۃ الایمان کے اقوال کفریہ کا شاندار رد ہے جو طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکا ہے۔

۲۷۔راز سیرت کمیٹی

اس رسالہ میں سیرت کمیٹی لاہور کے اقوال کفریہ کا شرعی رد ہے۔

۲۸۔مخزن ھدایت

بعض فتاوی پر شکوک وشبہات کے جوابات پر مشتمل یہ رسالہ ہے زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

۲۹۔کہر المعبود

ابوالاعلی مودودی کے اقوال کفریہ کا رد ہے ایک بار چھپ چکا ہے۔

۳۰۔شمامۃ العنبر

اذان خطبہ کس جگہ کہنا مناسب ہے اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل گفتگو ہے، ایک بار اس کی طباعت ہوئی ہے۔

۳۱۔ہیبت قہاریہ

غیر مقلدوں اور آریوں سے مناظرہ کی روداد ہے جو شائع ہو چکی ہے۔

۳۲۔عطر الصندل

مزارات اولیاء کرام پر صندل چڑھانا جائز ہے اس کے ثبوت میں حضرت کا لاجواب رسالہ ہے ایک بار چھپا ہے۔

۳۳۔سل الصوارم الصمدیۃ

عقائد وہابیہ نجدیہ پر ایک مبسوط فتویٰ ہے جو شائع ہو چکا ہے۔

۳۴۔عرض منیر

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کا حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں یہ ایک معروضہ ہے جسے مرکزی انجمن تبلیغ صداقت نے کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا تھا۔

۳۵۔تفسیر امداد السبحان

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ایک زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر تحریر فرمانا شروع کی مگر حالات نے مساعدت نہیں کی اور صرف پاؤ پارہ کی تفسیر سے زائد نہ لکھ سکے۔جس کی کچھ قسطیں ''ترجمان اہلسنت'' (پیلی بھیت) میں شائع ہو چکی ہیں۔

۳۶۔فتاویٰ شیر بیشۂ اہل سنت

آپ کے بے شمار فتاویٰ ہیں جو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔یہ بڑے اہم اور علمی مباحث پر مشتمل ہیں۔اس کی پہلی جلد حُسن ترتیب کے ساتھ ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۳۷۔حکم جبار بر خاکسار

۳۸۔درد دل کا علاج

۳۹۔الصوارم المحمدیہ علی کفرۃ المرزائیۃ والدیوبندیہ

۴۰۔ذوالافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام

۴۱۔کشف ضلال دیوبندی (۱۳۳۸ھ)

اس کے علاوہ بعض تصانیف ایسی ہیں جن کا تعلق آپ سے براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں ایسی کتابیں دراصل ان مناظروں کی روداد ہیں جس میں آپ بحیثیت مناظر شریک ہے جسے کسی اہل قلم نے ترتیب دے کر اپنے نام سے شائع کی ہیں ایسی کتابوں میں.

۱۔''مناظرہ ملتان'' مرتبہ قاضی علی محمد علی تبلیغی

۲۔''مناظرہ پنجاب'' مرتبہ سید فرزند علی اور

۳۔معرکہ ''حق و باطل'' مرتبہ مولانا محمد یونس نعیمی اور

۴۔مناظرہ ادری مرتبہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب داناپوری کا نام قابل ذکر ہے۔

بہت سے مناظروں کی روداد کے مسودے یا تو مرور ایام کا شکار ہو گئے یا طباعت کے لئے کسی اہل خیر کے دست نگر ہیں۔

فتویٰ نویسی

جن دنوں آپ دارالعلوم منظر اسلام میں مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے ان دنوں طلبہ آپ کے انداز تفہیم سے بے حد خوش تھے۔ اظہار مافی الضمیر کا بہترین ملکہ آپ کو حاصل تھا۔ ساتھ ہی رضوی دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ اس زمانے میں ہندو بیرون ہند سے آنے والے مسائل کی بھرمار تھی۔ ایک مفتی اس کام کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس شدید ضرورت کے پیش نظر آپ کا تقرر عمل میں آیا اور آپ نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ مشکل سے مشکل مسائل کا سلیس لب ولہجہ میں قرآن واحادیث سے مدلل کر کے جواب دیا۔ اگر چہ بحیثیت مفتی آپ وہاں ایک ہی سال رہے لیکن فتویٰ نویسی کرتے رہے اور عوام وخواص کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات دور فرماتے رہے۔ ذیل میں رسول کے حاضر و ناظر ہونے سے متعلق ایک علمی استفتاء درج کر رہے ہیں جسے مفتی عبدالمنان اعظمی قاری محمد یحییٰ علیہما الرحمۃ والرضوان نے غالباً اس وقت دریافت کیا تھا جن دنوں وہ مولوی عبدالرؤف رحمانی کی کتاب ''تردید حاضر و ناظر'' کارد ''الشاہد'' کے نام سے لکھ رہے تھے۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے اس استفتاء کا جواب جس طرح قرآن واحادیث سے مزین فرما کر دیا تھا اس سے ان کی علمی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ علمائے اہلسنت کثّر ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اس کے کیا معنی ہیں۔

محض حضور بعلم قدرت یا اس کے ساتھ مشاہدۂ عینی بھی جیسا کہ "انا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا" سے متبادر ہوتا ہے یا کیا ہے؟ تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا جاوے اور اس سلسلے میں علمائے ربانیین کی وہ کون سی دلیل ہے جس سے مخالفین کے منہ میں پتھر دیا جاسکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تک کے لئے حاضر و ناظر ہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی کوئی تصنیف اس مسئلہ پر ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: عبد المنان و محمد یحییٰ

دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

۸ ر رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

الجواب: اللھم ھدایة الحق و الصواب: حضرت رب العزت شہید و بصیر جل جلالہ نے اپنے فضل و کرم سے جو اپنے محبوب اکرم و مظہر اتم و خلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کو حاضر و ناظر بنایا۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو جو علم عظیم و وسیع ان کے رب علیم جل جلالہ نے عطا فرمایا وہ جملہ کائنات و حادثات و مخلوقات کو محیط ہے: قال اللہ تعالیٰ ما کان حدیثا یفتری من دون اللہ و لکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شئی و قال اللہ تعالیٰ نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی و قال اللہ تعالیٰ ان علینا جمعہ و قرانہ و قال اللہ تعالیٰ ثم ان علینا بیانہ۔ یہ بھی معنی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو جو قدرت قاہرہ باہرہ ان کے رب قدیر جل جلالہ نے عطا فرمائی وہ جملہ کوائن و حوادث و خلائق کو محیط ہے۔ فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم انما انا قاسم و اللہ یعطی جس طرح قاسم کے دونوں مفعول مقسوم و مقسوم الیہ محذوف ہیں اسی طرح "یعطی" کے دونوں مفعول معطی و معطی لہ بھی محذوف ہیں اور قاسم و یعطی دونوں باہم

متقابل ہیں۔اسی تقابل سے ثابت ہوا کہ جو نعمتیں و دولتیں برکتیں فرحتیں نصرتیں عزتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معطی ہیں وہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم ہی کی تقسیم فرمودہ ہیں اور جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے معطی لھم ہیں وہ سب بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کے مقسوم علیہم ہیں۔وللہ الحمد۔

یہ بھی معنی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کو جو سمع وبصران کے رب سمیع وبصیر جل جلالہ نے عطا فرمایا وہ ہر ہر کائن ہر ہر حادث ہر ہر مخلوق کو محاط ہے۔فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وسلم اسمع مالا تسمعون واری مالا ترون و فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ حلیانا من اللہ تعالیٰ جلاہ لنبیہ کما جلاہ لنبیین من قبلہ۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جس طرح اللہ رب العلمین جل جلالہ کی صفت ربوبیت تمام عالمین کو محیط ہے۔اسی طرح اسی کے حکم سے رحمن و رحیم جل جلالہ کے حکم سے اس کے محبوب رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کی صفت رحمت بھی تمام عالمین کو محاط ہے۔قال تعالی وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّارَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔یہ بھی معنی ہیں کہ جس طرح زمان ومکان وجہت سے قطعاً وجوباً ہر طرح پاک ومنزہ ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے۔اس کا یہ احاطہ ذاتیہ عقول واوہام سے ماوریٰ ہے۔قال اللہ تعالیٰ و کان اللہ بکل شئی محیطا۔اسی طرح اس کی عطا سے اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہر ہر ایماندار کے ساتھ اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔حضور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہر ہر ایمان والے کے ساتھ یہ قرب بھی زمان ومکان وجہت سے پاک اور اوہام وعقول سے بالا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ہر ہر

ایمان والے کے ساتھ یہ قرب اللہ تبارک وتعالیٰ کی اسی صفت احاطہ بکل شیٔ ہی کا پرتو ہے۔ وقال کبیرالدیوبندیہ المرتد قاسم النانوتوی علیہ مایستحقہ فی رسالۃ المسماۃ بتحذیر الناس علی الصفحۃ الحادیۃ عشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے اور اگر بمعنی احب یا اولی بالتصرف ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی کیونکہ "احبیت اور اولیت بالتصرف کے لئے اقربیت تو وجہ ہو سکتی ہے پر بالعکس نہیں ہو سکتا۔ حضور پر نور مرشد برحق امام اہل سنت مولانا الشاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلے میں کوئی مستقل رسالہ مبارکہ اس وقت فقیر کے علم میں نہیں البتہ مدت ہوئی اس مسئلے پر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فتوی مبارکہ کی زیارت سے لاہور میں مشرف ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ ومفہوم تقریباً یہی ہے جو فقیر عرض کر چکا۔

برادر عزیز مولانا مولوی ابوالطاہر محمد طیب صاحب قادری رضوی داناپوری سلمہ ربہ کا ایک مختصر رسالہ مبارکہ مسمی بنام تاریخی "اقوم البیان بان الحبیب لایخلو منہ زمان ومکان" اس فتوے کے ساتھ روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس فتوے کے دلائل کی تقریر اس میں ملاحظہ ہو۔

یہ عقیدہ مبارکہ ضروریات دینیہ یا ضروریات مذہب اہلسنت میں سے نہیں کہ محض اس کے انکار ہی کی وجہ سے کسی کی تکفیر یا تضلیل کی جا سکے۔ البتہ حضور اقدس سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل رفیعہ وفواضل جلیلہ سے جلن کی بنا پر جو شخص اس عقیدہ حقہ مقدسہ کا انکار کرے وہ بحکم شریعت مطہرہ ضرور کافر ومرتد اور بے توبہ مرا تو مستحق نار ابد ہے۔ اس عقیدہ منورہ کے مخالف وہابیہ علیہم رب البریہ کے مونھوں میں قہر الٰہی کے "حجارۃ من سجیل"

ٹھونسنے کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کہ امام الوہابیہ علیہ ماعلیہ نے اپنی تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پرنٹنگ دہلی کے صفحہ ۱۰ پر اس عقیدہ حسنہ کو شرک و کفر بتایا تو مرتد قاسم نانوتوی بھی اس کے فتوے سے کافر، مشرک اور مرتد ہوئے یا نہیں "وللہ الحجۃ السامیۃ" واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم۔

فقیر ابوالفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خان غفرلہ ساکن محلہ بھورے خاں پیلی بھیت روز ایمان افروز شیطان سوز دوشنبہ مبارکہ سوم محرم الحرام ۱۳۷۰ھ اکتوبر ۱۹۵۰ء۔ (احکام دینیہ ضروریہ مرتب ملک نیاز احمد ص ۲۶ کانپور)

اس فتوے پر مولانا محمد طیب داناپوری، ابوالفظر مفتی محمد محبوب علی خان، مولانا محمد غیاث الدین قادری، مولانا مفتی وجیہہ الدین غازی پوری علیہم الرحمۃ والرضوان وغیرہم کی تصدیقات وتائیدات ہیں۔

نماز جمعہ

حضرت مولانا حشمت علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیہات میں جمعہ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ صادر کیا جس پر جناب مولوی قاضی محمد رفعت اللہ صاحب اچولوی ضلع بارہ بنکی نے اعتراض کیا۔ ذیل میں شیر بیشۂ اہل سنت کا فتویٰ اور معترض کا اعتراض بطور اختصار سپرد قلم کیا جارہا ہے جس سے دونوں حضرات کے مبلغ علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی ثبوت ملے گا کہ شیر بیشۂ اہل سنت کے جوابات کس قدر مبرہن اور مدلل ہوا کرتے تھے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے فتوے پر جب قاضی رفعت اللہ صاحب کا اعتراض نظر سے گزرا تو آپ نے اس اعتراض کے جواب میں ایک خط لکھا جسے "الفقیہ" امرتسر نے جلی حرفوں میں شائع کیا۔ اس جواب میں آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

"فاقول وباللہ التوفیق۔ موضع بسنو ضلع ریاست پالن پور میں نماز جمعہ ہونے

نہ ہونے کی بابت جو مجھ سے دریافت کیا گیا تھا اس کا جواب میں نے صرف یہ دیا تھا ''نماز جمعہ وعیدین کے لئے مصر یعنی شہر ہونا شرط ہے اور شہر وہ ہے جس میں متعدد گلی کوچے راستے اور دائمی بازار ہوں اور اس میں کوئی حاکم ایسا ہو جو مظلوم کا ظالم سے بدلہ دلا سکے۔ جرم کی سزا دے سکے، مقدمات رعایا کا فیصلہ کر سکے، پس اگر یہ باتیں مذکور میں پائی جاتی ہوں تو وہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے ورنہ نہیں۔'' (الفقیہ امرتسر ہفتہ وار ۲۸/اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۱)

یہی وہ فتویٰ ہے جسے شیر بیشۂ اہل سنت نے سائل کے جواب میں دیا تھا۔ اس میں انھوں نے ازخود کوئی فیصلہ نہیں صادر فرمایا ہے۔ انھوں نے آخر میں کھلے لفظوں میں یہ لکھ دیا تھا کہ ''اگر یہ باتیں مذکورہ میں پائی جاتی ہوں تو وہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے ورنہ نہیں'' گویا انھوں نے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں مذہب ظاہر کر کے فیصلہ وہیں کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا۔

قاضی رفعت اللہ نے اس فتویٰ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شرعی انداز میں ایسا حاکم (شرع) کہاں ہے پس ہر جگہ حد یہ ہے کہ ممبئی وکلکتہ، کراچی اور احمد آباد تک میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے کیونکہ قاضی اسلامی یا بادشاہ اسلامی وہاں بھی مقدمات وغیرہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہے بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے اس کا فاتر العقل اور مجنوں بھی قائل نہیں ہے نہ کہ عالم وفاضل اگر جرم کی سزا دینے سے مراد سزا دینا بہ قانون ریاست یا تعزیرات ہند کی دفعات سے ہے تو پھر کیا کہنا سبحان اللہ مفتی صاحب کی عبارت دونوں امروں کو متحمل ہے۔''

(الفقیہ امرتسر ہفتہ وار ۲۸/اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۱)

شیر بیشۂ سنت نے اپنی تحریر میں حاکم کا لفظ مطلق فرمایا تھا معترض نے اسے (شرع) سے مقید کر کے اعتراض کیا تو آپ نے اپنے خط میں اس کا بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ فرماتے ہیں:

''آپ نے مطلق کو مقید بنا کر یعنی حاکم کے آگے بریکٹ میں لفظ ''شرع''

بڑھا کر اس سے حاکم شرع مراد لے کر یہ تصریح فرمائی...... یہ خرابی آپ کے بڑھائے ہوئے لفظ سے پیدا ہوئی یا میرے الفاظ منقولہ سے؟

میں پوچھتا ہوں کہ تعریف مصر منقولہ میں جو لفظ حاکم آیا ہے اسے آپ نے کسی کتاب میں مقید بہ شرع دیکھا ہے یا از خود اضافہ فرمایا ہے اگر کسی کتاب میں دیکھا ہو تو پیش فرمایئے اور خود اضافہ کیا ہے تو آپ کو کسی کی تحریر میں اضافہ کرنے کا، مطلق کو مقید بنانے کا کیا مقصد تھا۔ نیز خود ہی مطلق کو مقید کرنا اور خود ہی اس پر اعتراض کرنا کون سی عقلمندی تھی۔ بلکہ آپ کا تعریف مصر میں بادشاہ و مفتی و قاضی کو بالواسطہ داؤ جمع کرنا بھی تعجب خیز ہے کیونکہ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ جس شہر میں یہ تینوں ہوں گے وہ مصر ہے اور جس میں یہ نہ ہوں وہ مصر نہیں ہے۔"

(الفقیہ امرتسر ۲۸/اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۲)

پھر اس کے بعد شیر بیشۂ اہل سنت نے خود ہی کتب شرع سے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ دیگر فقہ کی کتابوں میں لفظ حاکم کے ساتھ اسلام کی کوئی قید نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

"لفظ حاکم جو تعریف مصر میں وارد ہوا ہے شراح نے اس کے تحت یہ تصریح فرمائی ہے "والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط" جامع الرموز وغیرہ اٹھا کر دیکھئے اگر واقعی سلطان یا حاکم سے سلطان اسلام یا حاکم شرعی مراد ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اس کی تصریح کرتا اور "والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط" نہ لکھتا بلکہ صاحب درمختار نے تو صاف طور سے اس کے آگے "ولو کافر" اسی لئے اضافہ فرمایا ہے کہ اس سے ہر بادشاہ مراد ہے۔ اسلامی ہو یا غیر اسلامی قال ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافر اذکرہ مسکین وغیرہ اور اس کے تحت صاحب ردالمحتار نے تاتارخانیہ سے نقل فرمایا ہے "الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان" یوں ہی فتاویٰ عالمگیری میں نقل کیا گیا ہے۔" (الفقیہ امرتسر ۲۸/اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۲)

یہ طویل عبارت نقل کرنے کے بعد آپ معترض کو تنبیہاً لکھتے ہیں

"کیا آپ کی پیش کردہ خرابی ان حضرات کی نظروں میں نہ تھی جنھوں نے اس تعریف کو وضع فرمایا ضرور تھی اور آپ سے وہ زیادہ دانا و بینا و محقق و مدقق تھے وہ یہ جانتے تھے کہ آئندہ یہ خرابی درپیش ہوگی اس لئے انھوں نے پہلے ہی سے اس کا انتظام فرمادیا کہ حاکم وسلطان کے لفظ کو مطلق رکھا کہ یہ خرابی واقع نہ ہو اور ہمیشہ مصر پر صادق آئے۔" (الفقیہ امرتسر ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱)

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل ہے

نماز میں پگڑی باندھ کر پڑھنے اور پڑھانے سے متعلق شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استفسار کیا تھا جس کا جواب آپ نے ۱۷ر صفر ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء کے الفقیہ امرتسر میں شائع کیا تھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

"پگڑی باندھ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل ہے اور ٹوپی اوڑھ کر بھی جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ٹوپی پر عمامہ باندھتے تھے اور کبھی ٹوپی عمامہ کے بغیر اوڑھتے تھے اور اس کے ثبوت میں جامع الصغیر کی یہ حدیث نقل کی تھی

'کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم"

(الفقیہ امرتسر ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱)

آپ کے اس جواب پر مولانا قاضی فضل احمد صاحب نے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے یکم ربیع الاول ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء کے الفقیہ امرتسر کے شمارہ میں اعتراض کیا اور اسے غیر صحیح بتایا۔ قاضی صاحب کا کہنا یہ تھا کہ:

"بغیر عمامہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا سنت موکدہ بلکہ لازم و واجب ہے۔ اس کا ترک موجب کراہت ہے۔" (الفقیہ امرتسر ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱)

جب کہ شیر بیشۂ اہل سنت کا اس مسئلے سے متعلق مدعا یہ تھا۔

''عمامہ باندھ کر نماز پڑھنا پڑھانا افضل ہے اور صرف ٹوپی اوڑھ کر بھی جائز بلا کراہت ہے کہ عمامہ سنت زوائد ہے اور سنت زوائد بمنزلہ مستحب کے ہے اس کا ترک موجب کراہت واسأت نہیں ہے۔'' (الفقیہ امرتسر ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱)

قاضی فضل احمد صاحب نے اعتراض کئی حصوں میں کیا تھا۔ اس لئے شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا جواب ابواب و فصول میں دیا۔ تفصیل تو اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصراً اتنا عرض ہے کہ ''علمی تصویر کا پہلا رخ'' عنوان قائم کر کے اس کے ضمن میں آٹھ فصلوں میں بحث کی ہے۔ اور پھر ''علمی تصویر کا دوسرا رخ'' کے تحت فصل نہم سے فصل چہاردہم تک کا۔ ''علمی تصویر کا تیسرا رخ'' سرخی کے تحت فصل پانزدہم سے شانزدہم تک بحث کی ہے۔ اس جواب کے مطالعہ سے آپ کی علمی جلالت قدر اور تبحر فکر وفن کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے مسئلے کی تائید میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیے تھے۔ آپ کا جواب شریعت مطہرہ کے بالکل عین مطابق تھا۔ جس کی تائید امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے قول و عمل سے بھی ہو جاتی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں، مولانا محمد رضا خاں اور مولانا حکیم امجد علی علیہم الرحمۃ والرضوان کے بیان کے مطابق امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''نماز صرف ٹوپی کے ساتھ کبھی پڑھی اور پڑھائی ہے۔'' (الفقیہ امرتسر ۱۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۲)

یہ تو رہا امام احمد رضا کا عمل لیکن جب اس سلسلے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس مسئلہ سے متعلق راحت اللہ امام مسجد سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر کے جواب میں فرمایا۔

سوال: ''مسجد میں پختہ فرش پر نماز دری وغیرہ بچھانا اور امام کو عمامہ باندھنا سنت موکدہ ہے یا نہیں اگر فرش نہ بچھایا جائے یا گرمی کی وجہ سے امام عمامہ نہ باندھے تو نماز میں کوئی نقص رہے گا یا نہیں؟

جواب: فرش بچھانا اصلاً سنت نہیں عمامہ باندھنا سنت ہے تارک فضل ہے محروم ہے مگر گنہ گار نہیں نماز میں خلل نہ آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الفقیہ امرتسر، ص ۱۸)

اسی مسئلہ سے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ''الملفوظ'' میں بھی ہے۔

عرض: اگر نماز کے وقت عمامہ باندھ لے اور سنتوں کے وقت اتار لے کہ دردسر کا گمان ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: خیر! مگر اولیٰ یہ ہے کہ نہ اتارے۔ (الملفوظ اول ص ۶۳)

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے بڑا تفصیلی جواب سپرد قلم فرمایا۔ الفقیہ امرتسر نے جسے متعدد شماروں میں قسطوار شائع کیا آپ کا جواب پڑھنے کے قابل ہے۔ جواب دینے میں آپ نے جس دقت نظر اور باریک بینی سے کام لیا ہے اس سے آپ کی تبحر علمی اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کے اس جواب کو اس دور کے جید اور جلیل القدر علماء نے سراہا ہے اور اپنے آرا اور دستخط سے جواب کو مزید توثیق اور موید کر دیا ہے۔ کچھ علمائے کرام کے اسماء اس طرح ہیں:

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبدالعزیز دارالعلوم منظر اسلام، مولانا سردار احمد گورداسپوری، مولانا احسان علی مظفر پوری (بریلی) مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولانا عبدالحق (پیلی بھیت)، مولانا عزیز احمد، مولانا عبدالواحد (بدایوں)، مولانا محمد رکن الدین نقشبندی، مولانا محمد محمود (الور راجپوتانہ)، ملک العلماء ظفر الدین قادری، مولانا سید رفاقت حسین، مولانا محمد اصغر حسین (پٹنہ)، مولانا ابو محمد الیاس امام الدین، مولانا محمد الیاس، مولانا ابو یوسف محمد شریف، مولانا ابوالنور محمد بشیر (سیالکوٹ)، مولانا سید احمد، مولانا دیدار علی، مولانا محمد فضل الرحمن، مولانا محمد (لاہور)، مولانا امتیاز احمد، مولانا محمد رفیع اللہ، مولانا عبدالحیٔ (اجمیر)، مولانا عبدالباقی برہان الحق، مولانا محمد عبدالسلام، مولانا عبدالغفور (جبلپور)، مولانا صاحب داد، مولانا محمد علی، مولانا عبدالعزیز (سلطان کوٹ) (الفقیہ امرتسر ص ۱۲)

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے اس جواب کا نام ''اظہار حق وحقیقت بر اہل سنت وجماعت'' رکھا ہے جو الفقیہ امرتسر کے شماروں میں تقریباً ۱۲ قسطوں میں شائع ہوا۔ تفصیلی معلومات کے لئے ان قسطوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

خطیبانہ شوکت

خطابت ایک اہم فن ہے یہ فن ہر ایک کو میسر نہیں ہوتا۔ اس فن کا علم سے کوئی جوڑ نہیں ہے بہت سے اہل علم ایسے گزرے ہیں جو سامعین کے مجمع میں ایک لفظ ادا کرنا کسی مشکل مرحلہ کو طے کرنے سے کم نہ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا اس شخص پر فضل عظیم ہوتا ہے جسے وہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ خطیبانہ شوکت سے بھی نوازتا ہے۔ ایسے لوگوں کی یقینا بہت کمی ہے جو میدان خطابت کے شہ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفن کے دریائے ناپیدا کنار بھی ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت ہر فن مولیٰ تھی۔ وہ تقریر وتحریر میں اپنی مثال آپ ہونے کے ساتھ زینت مسند درس بھی تھے۔ ہر میدان میں ان کی بالادستی اور عبقریت تسلیم کی گئی ہے۔ ایسی بیشتر مثالیں اور واقعات ہیں جہاں انھوں نے اپنی خطابت اور تقریر کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ دیگر خوبیوں کا بھی لوہا منوایا ہے۔

حضور حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان شیر بیشۂ اہل سنت کی خطیبانہ شوکت کا اعتراف کھلے دل سے کرتے تھے۔ ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے ارشاد فرمایا:

> ”حضرت مولانا ایک جلسے میں تقریر فرمارہے تھے کئی ہزار کا مجمع تھا۔ جب جلسہ ختم ہوا تو ایک ضعیف شخص آکر حضرت مولانا سے بغلگیر ہو گیا اور کہنے لگا کہ مولانا اپنی پوری زندگی میں میں نے صرف دو تقریریں سنی ہیں۔ ایک تقریر مولانا ہدایت رسول علیہ الرحمہ کی (جو میرے دادا ہیں) اور دوسری آج آپ کی زبان

سے۔'' (استقامت کانپور، اولیا نمبر ۱۹۷۸ء)

زبان میں سلاست اس درجہ تھی کہ بس! تقریر میں فصاحت و بلاغت کا سمندر موجیں مارتا۔ سلیس سے سلیس زبان بولنے پر بفضلہٖ تعالیٰ وہ قادر تھے۔ محاورے کی خاص آمد ہوتی عوام و خواص یکساں لطف اندوز ہوتے۔ تقریر کتنی پُر مغز ہوتی تھی ہم سے نہیں دوسروں سے پوچھ لیجئے۔ آیات قرآنی، احادیث کریمہ، تفسیر و معانی اور تصوف کی اصطلاحات پر کتنا عبور تھا۔ بس اس سے اندازہ کر لیجئے کہ جس موضوع پر بولنا شروع فرمایا تشنہ نہ رکھا، سیر حاصل بحث کی، کوئی گوشہ مخفی نہ رہا۔ بیسیوں آیات کی تلاوت اس کے ترجمے، بیسیوں احادیث کریمہ بلا تکلف پڑھتے۔ ان کے معانی و مطالب پھر ان کی شرحیں تفسیروں میں نکات اور ہر حدیث پاک کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام اپنے دلکش انداز میں موزوں کرتے ہوئے اس احسن اسلوب سے تقریر فرماتے کہ عوام و خواص سبھی مست و بے خود و یکساں محظوظ ہوتے۔ دلائل اتنے پختہ کہ ذہن فوراً قبول کر لے۔ یقین جانئے کہ ان کے بیان میں جتنی درد، کسک اور لذت محسوس ہوتی تھی اب کہیں نہیں ملتی۔ بلاشبہ وہ جادو بیان مقرر تھے۔ ان کی زبان میں سحر طرازی دیکھتے دیکھتے اپنے شیریں لب ولہجہ سے سامعین کے دل و دماغ پر جلد ہی تسلط فرما لیتے تھے۔ انداز بیان بڑا انوکھا تھا۔ آواز ساحرانہ ہونے کے ساتھ گرجدار بھی تھی۔ بارہا دیوبندی حضرات نے تقریر کو ناکام بنانے کے لئے الیکٹرک غائب کردی یا پولیس انتظامیہ سے اس کی اجازت نہیں لینے دی۔ پھر بھی بغیر کسی ''مکبّر صوت'' اور بغیر کسی لاؤڈ اسپیکر کے اپنی آواز ہزاروں کے مجمع میں یکساں پہنچانے پر قادر تھے۔ کئی ہزار کا مجمع ہوتا مگر آواز نہ پہنچنے کی شکایت کبھی نہیں ہوئی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر تقریریں سنتے اور پھر اس پر سر دھنتے تھے۔ اس طرح کا ایک واقعہ ''مہونا'' ضلع سلطان پور میں ۱۲ر فروری ۱۹۵۶ء کو پیش آیا۔ دیوبندیوں نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کرا دیا۔ لاؤڈ اسپیکر پر پابندی لگوا دی تاکہ احقاق حق و ابطال باطل نہ ہو سکے۔ مگر ہوا وہی جسے وہ نہیں چاہتے تھے۔

اسی طرح الہ آباد گلاب واڑی کا ایک واقعہ ہے۔ وہابیوں کے نرغے میں وہ جلسہ تھا۔ جلسہ کا انعقاد ''حسن منزل'' میں ہوا تھا۔ اس جلسے کے بارے میں پاسبان ملت حضرت علامہ

مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حسن منزل کے جلسے میں شہر کے شر پسند وہابیوں نے اینٹ پتھر برسائے مگر اللہ اکبر! یہ انھیں کا دل گردہ تھا کہ بادل کی طرح گرجتے رہے اور شمشیر کی طرح للکارتے رہے۔ سلام وقیام پر جلسہ ختم ہوا۔" (پاسبان ص ۹، اگست وستمبر ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا مفتی شریف الحق نے آپ کی خطیبانہ شوکت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے:

"مقررین سے جوش کے وقت تذکیر وتانیث اور جملوں کی ترتیب میں غلطی ہوجاتی ہے۔ مگر تین تین چار چار گھنٹوں کی سیکڑوں تقریریں میں نے سنی ہیں باوجود پوری توجہ کے کبھی کوئی غلطی نہ ملی۔ کلام میں شیرینی کا یہ عالم تھا کہ خطبہ پڑھتے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی کہ یہ رات بھر خطبہ پڑھتے رہیں۔ نعت شروع فرماتے تو ہر شخص یہی چاہتا کہ یوں ہی نعت پڑھتے رہیں اور جب تقریر شروع فرماتے تو خطبہ ونعت کی لذت بھول کر تقریر کی حلاوت مجمع پر ایسی غالب ہوتی کہ انھیں ہوش نہ رہتا کہ اس سے پہلے کیا سنا کیا دیکھا تھا۔ جب تقریر میں فضائل ومناقب بیان فرماتے تو بلا مبالغہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تقریر نہیں مدینہ طیبہ کی تازہ کھجوروں کا رس کانوں کے ذریعہ روح میں گھولے جارہے ہیں۔"

ذیل کے چند واقعات سے ان کی خطیبانہ شوکت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

برمارنگون

برمارنگون آپ کی والہانہ خطابت اور شعلہ بار تقریر کا میدان رہا ہے۔ جو آپ نے جوہر خطابت وہاں دکھائے ہیں اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے اپنی تقریروں سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کے دلوں کو مسخر کرلیا ہے۔ جہاں بھی بیان ہوتا کم از کم ایک لاکھ کا مجمع ہوتا۔ برمارنگون کے وہابی ہزاروں جتن کرتے کہ تقریر نہ ہو مگر ان کی ساری تدبیریں فیل ہوجاتیں اور شیر بیشۂ اہل سنت کی دھواں دھار تقریر سے متاثر ہوکر لوگ مذہب حق سے وابستہ ہوجاتے۔ اس لئے تقریر کو

روکنے اور اسے ناکام بنانے کی انھوں نے مختلف سازشیں کیں۔ بارہا ایسا بھی کیا کہ جب تقریر عین شباب پر پہنچی اسی وقت انھوں نے الیکٹرک غائب کروادی۔ منشا یہ تھا کہ انتشار ہو مگر ہوا یہ کہ لوگوں نے اپنی پرائیویٹ کار، جیپ گاڑیوں کی لائٹیں جلادیں اس طرح روشنی بھرپور پھیل گئی اور سارا مجمع تقریر سننے میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

کبھی کبھی تقریر کو ناکام بنانے کے لئے ایسا بھی کرتے کہ بند ڈبوں میں چھپکلی مینڈک چوہا وغیرہ لے کر جاتے اور عین مجمع میں جب تقریر شباب پر ہوتی ڈبہ کھول دیتے۔ مگر وہ زندہ دل مسلمان فوراً اسے وہیں مار کر خاموش ہو جاتے اور تقریر سنتے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت ۱۹۳۴ء میں رنگون تشریف لے گئے۔ تقریباً دو سال قیام کے بعد ۱۹۳۷ء میں واپس تشریف لائے۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے حکم صادر فرمایا کہ پورے شہر میں اعلان کر دو کہ ہماری نماز عید ''پوٹ رس'' کے میدان میں ہوگی۔ حکم پاتے ہی زندہ دل مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہوگئی اور جھنڈے ہاتھوں میں لے کر چوراہے چوراہے نگر نگر، محلہ محلہ موٹر گاڑیوں پر مائک باندھ کر اعلان کر دیا کہ اہل سنت کی نماز عید پوٹ رس کے میدان میں اور وہابیوں کی نماز عیدگاہ میں ہوگی۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا فرمان ہے کہ سنّی پوٹ رس کے میدان میں نماز عید ادا کریں۔ اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ وہابیوں کی عیدگاہ جہاں ہر سال لاکھوں کا مجمع ہوتا تھا اس سال مشکل سے پانچ چھ ہزار افراد نے نماز پڑھی اور ''پوٹ رس'' کے میدان مین لاکھوں افراد کا عظیم الشان مجمع ہوا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ العزیز نے نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ عید کی نماز پھر سے ہوگی۔

اتنے میں کئی ہزار فوجیوں کا ایک وفد بھی پہنچ گیا۔ انھوں نے بھی شامل ہو کر نماز ادا کی اور نماز کے بعد عرض کیا کہ حضرت ہم سب کو مرید کر لیں۔ حضرت نے مرید کیا اس کے بعد فوجیوں نے اپنے پیر حضور مرشدی شیر بیشۂ اہل سنت کو ایک شاندار سجے سجائے گھوڑے پر بٹھایا اور خود پیچھے پیچھے مارچ کرتے ہوئے انتہائی شان وشوکت اور بڑے اہتمام کے ساتھ پورے شہر کا گشت کرایا۔

بنگلور

یوں تو ہندوستان کا کوئی ایسا چپہ نہیں ہوگا جہاں شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی بیانات نہ ہوئے ہوں مگر جن تقریروں نے ایک خاص اثر ڈال کر لوگوں کو اپنا ہم نوا بنالیا ہے ان میں بنگلور کی سرزمین پر ہونے والی تقریروں کا بڑا اہم رول رہا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ آتا رہا اور منھ کی کھاتا رہا۔ بنگلور میں ۲۴ / ۲۵ / جون ۱۹۵۴ء کی تاریخیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان تاریخوں میں پہلی بار شیر بیشۂ اہل سنت نے بنگلور میں قدم رنجہ فرما کر مسلمانان اہلسنت کو اپنے نورانی، ایمانی، عرفانی، حقانی بیانات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشا۔ ان ایمان افروز بیانات سے مسلمانان بنگلور کے قلوب جگمگا اٹھے۔ ایمان میں تازگی پیدا ہوگئی اور حق و باطل کو پہچاننے والے ہوگئے مگر۔

دکھتی ہوئی آنکھوں کو برا لگتا ہے سورج
بیمار زبانوں کو برا لگتا ہے پانی

شیر بیشۂ اہل سنت کی دو شب تقریر کیا ہوئی حق و باطل میں خط امتیاز کھینچ کر رکھ دیا۔ دیوبندی حضرات کو یہ احقاق حق وابطال باطل والے بیانات نہ بھائے۔ انھوں نے مشترکہ طور پر کوشش کی کہ ان کے بیانات کو یا تو رکوایا جائے یا ان کی تقریروں کا جواب دیا جائے۔ تقریروں پر پابندی لگانا ان کے بس میں نہ تھا لہٰذا وہ لوگ ایسا نہ کر سکے۔ البتہ ان کی تقریروں کا جواب دینے کے لئے انھوں نے اپنی جماعت کے جید اور اکابر علماء کو لکھا۔ دیوبندی مولویوں میں سے مولوی منظور سنبھلی، مولوی وکیل تھانوی، مولوی طیب دیوبندی، مولوی ارشاد احمد مبلغ دیوبند، مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی وغیرہ آئے اور اپنی اپنی خطابت کے جوہر دکھائے مگر کوئی خاص اثر نہ ہو سکا۔ ان لوگوں کی تقریریں کیا ہوتی ہیں بالکل مرثیہ خوانی۔ جب ان کی تقریروں کا سلسلہ ختم ہو چکا تو شیر بیشۂ اہل سنت مسلمانان اہلسنت کی دعوت پر ۵ / فروری ۱۹۵۵ء کو بنگلور پھر تشریف لے گئے اور دیوبندیوں کے اکابر مولویوں نے جتنا کچھ مل جل کر کیا تھا وہ شیر بیشۂ اہل سنت کی صرف ایک تقریر سے برسات کے پانی کی طرح ڈھل گیا۔ مسلسل بیانات ہوئے ان بیانات کا

کیا اثر ہوا، اس کا اندازہ ۱۲ ر فروری ۱۹۵۵ء کی اس تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو ابراہیم اسٹریٹ میں ہوئی۔ کئی ہزار کا مجمع تھا۔ ایک بجے شب تک تقریر ہوئی پھر کئی روز تک مسلسل بیانات ہوتے رہے ان تقاریر کا اثر یہ ہوا کہ کئی لوگ اپنے باطل مذہب سے تائب ہو گئے اور مذہب اہلسنت اختیار کر لیا اور یہ بھی دیکھا گیا کہ مولوی حسین احمد اور مولوی قاری طیب دیوبندی کے مریدوں نے ان سے بیعت ختم کر کے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے دامن ارادت سے وابستہ ہو گئے۔ تقریروں میں کئی کئی ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ سامعین کا بیان ہے کہ ۱۳ ر فروری کی تقریر میں ۲۵ ہزار کا مجمع تھا جس میں سید شاہ امیر الحق مولانا سید محمد اسماعیل صدر المدرسین مدرسہ حقانیہ، مولانا بشیر الدین امام مسجد اعظم وغیرہم جیسی اہم ہستیاں رونق افروز تھیں۔

بھیونڈی

حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بمبئی اور اس کے اطراف ونواحی میں نہ جانے کتنی تقریریں کیں۔ تقریروں کا یہ سلسلہ شمار سے بالاتر ہے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت مولانا سید محمد امین قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت فیض درجت مولانا الشاہ سید ابو محمد علی حسین اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعوت پر بھیمڑی تشریف لے گئے۔ وہاں جو نورانی بیانات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سے کافی لوگوں کے قلوب نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔ ایوان وہابیت میں زلزلہ پیدا ہوا ان لوگوں نے فساد کی ٹھان لی مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ آج دشمنان رسول محفل میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رخنہ ڈال کر فساد برپا کرنا چاہتے ہیں تو شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل جب بیان کا وقت آیا تو آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور پرتو جلالت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعکس شجاعت مولائے کائنات سیدنا شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اللہ رب العزت جل مجدہ کی حمد وثنا اور اس کے پیارے محبوب طالب ومطلوب دانائے کل غیوب شافع خطایا وذنوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کے بعد بیان شروع فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سید صاحب قبلہ موصوف الصدر علیہ الرحمہ کی نظر مبارک حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی طرف اٹھی تو یک بیک مودب کھڑے ہو گئے اور پھر اخیر تک شیر بیشۂ اہل سنت کی طرف

منہ کئے ہوئے کھڑے رہے۔ اگر چہ دوران تقریر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے سید صاحب قبلہ کو کئی بار بیٹھنے کی فرمائش کی مگر آپ بدستور کھڑے ہی رہے۔

اختتام تقریر کے بعد جب اس قیام کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ جیسے ہی آپ نے ردوہابیہ بیان کرنا شروع کیا اسی وقت قطب عالم مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ رونق افروز ہوکر آپ پر سایہ فگن ہو گئے اور اپنا دست اقدس آپ کی پشت انور پر رکھے ہوئے تا اختتام جلسہ جلوہ فرما رہے۔ اسی لئے میں اعلیٰ حضرت کے احترام میں مؤدب کھڑا رہا۔ (پاسبان الہ آباد فروری ۱۹۶۰ء)

نوساری

گجرات کے علاقہ میں نوساری ایک مشہور شہر ہے۔ یہ علاقہ سند الاتقیاء حضرت شیخ امیرالدین جیلانی (وفات ۱۹۳۰ء) کے فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقہ میں دین حق کی اشاعت کا سہرا غالباً انھیں کے سر ہے۔ ان کی دعوت پر حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے وہاں اپنے فن خطابت کے جوہر دکھا کر لوگوں کے دلوں میں اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں پیدا کی ہیں۔ لیکن بطور خاص نوساری کی سرزمین پر ۱۹۲۶ء میں رونما ہونے والا وہ واقعہ ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا جب حضرت مولانا سید مفتی امیرالدین جیلانی کی دعوت پر نوساری ضلع بلساڑ تشریف لائے اور وہاں آپ کے روشن بیانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ نے حسب معمول دوران تقریر وہابی دیوبندی علماء کی لکھی ہوئی کتابیں تقویۃ الایمان، فتاویٰ رشیدیہ، صراط مستقیم، تحذیر الناس وغیرہ کی کفری عبارتوں کو مسلمانان اہلسنت کے سامنے پیش کیا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کر دیا صرف اہلسنت و جماعت ہی وہ جماعت ہے جو سیدھے راستے پر قائم ہے۔ اس جلسہ کے بعد ڈابھیل قصبہ کے ایک بوہرا جی نے شہر نوساری کی عدالت میں مولانا حشمت علی خاں اور مولانا سید امیرالدین بابا اور سید محمد میاں کے خلاف فوجداری کا مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ نو ماہ تک چلتا رہا آخر میں تینوں بزرگوں کو کچہری نے باعزت رہا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حق کی فتح ہمیشہ ہوئی ہے وہاں بھی ہوئی سرخرو ہوکر وہ لوگ گھر واپس تشریف لائے۔

اس مقدمہ کی مکمل روداد گجراتی زبان میں شائع ہوئی تھی جس کی نقل اب بھی سید امیر الدین کے جانشین جناب سید عظیم الدین بابا خطیب جامع مسجد بلڈنگ بڑودہ کے پاس محفوظ ہے۔(سنی دنیا بریلی ص ۷ ۳ ستمبر ۱۹۸۹ء)

گجرات کے علاقہ میں مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کی اشاعت انھیں کی رہین منت ہے۔مولانا الحاج علی محمد دھوراجی کا بیان ہے۔

”۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد جب وہابیہ اور دیابنہ نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہمارا وقت آگیا تو سرزمین گجرات پر انھوں نے سر اٹھایا اور مختلف طریقوں سے اہلسنت کو دبانے کی کوشش کی اور ہر علاقے سے میرے پاس خطوط آنے لگے۔ چنانچہ میں نے گجرات کی صورت حال سے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو مطلع کیا اور حضرت نے میری آواز پر لبیک فرما کر گجرات کی دعوت منظور فرمائی۔ راج پیلا“ تشریف لائے۔ سہ روزہ اجلاس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ اس کے بعد نبی پور، بڑودہ، پیلاداور، سورت وغیرہ میں جلسے ہوئے جس میں شیر بیشۂ اہل سنت نے عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑادیں۔ اس کے بعد گجرات کے سنی مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور خوف وہراس جاتا رہا۔“

(پاسبان الٰہ آباد، ص ۱۹، اگست ستمبر ۱۹۶۰ء)

رنگون

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہاں کے وہابیوں نے مناظرہ کے لئے چیلنج کر دیا۔ ظاہر ہے کہ چیلنج کرنا بہت آسان ہے مگر نپٹنا اس سے کہیں زیادہ مشکل۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے دعوت منظور فرمالی۔ آپ کے کچھ احباب نے آپ کو وہاں جانے سے منع کیا کہ وہ خالص وہابیوں کا علاقہ ہے۔ آپ کو اذیت پہنچنے کا امکان ہے مگر وہ بھلا شیر حق کہاں رکنے والا۔ فرمایا

”رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت ووقار کی حفاظت میں اگر مجھے زندگی تج دینی پڑے تو یہ ہماری زندگی کی معراج ہوگی۔“

احباب میں قاضی احسان الحق نعیمی جو خود علم و فضل کے پیکر تھے انھیں ساتھ لے جانا

چاہتے تھے۔انھوں نے فرمایا اچھا حضرت اگر آپ بضد ہیں مجھے لے جانا ہی چاہتے ہیں تو وعدہ کیجئے کہ زیادہ شدید رد نہیں فرمائیں گے۔حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا اچھا احتیاط کی کوشش کروں گا۔اس کے بعد ہم لوگ رنگون پہنچ گئے۔ چند غریب مفلس سنی مسلمانوں نے قدرے انتظام کیا اور شب میں بعد نماز عشاء تقریری سلسلہ شروع ہو گیا۔ہزاروں کا مجمع، عجیب عالم تھا۔ ہر طرف سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی اور لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔مگر جب شیر بیشۂ اہل سنت نے خطاب شروع فرمایا تو سارے مجمع پر سناٹا چھا گیا، شہر خموشاں کی طرح پورا مجمع پُرسکون ہو گیا۔حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے کچھ دیر احتیاط کرنے کی کوشش کی مگر تابہ کئے! جب گستاخان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخیاں ان کی کتابوں سے ثابت فرمانے لگے تو مجمع حیرت واستعجاب میں ڈوبا ہوا تھا۔کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مجمع کی خاموشی دیکھ کر میں دل ہی دل میں لرز رہا تھا کہ خدانخواستہ یہ طویل خاموشی کسی عظیم حادثے کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو اور میں نے حضرت کے پیر کو دبا کر وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی پھر کیا تھا ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے پٹرول میں آگ لگا دی ہو آپ بھڑک اٹھے اور مخصوص انداز میں رد فرمانا شروع کر دیا۔کچھ دیر تک میں سنتا رہا آخر خوف سے پریشان ہو کر اسٹیج سے جانے لگا۔ حضرت نے پکڑ کر بٹھا لیا اور پھر تھوڑی دیر میں تقریر ختم کر دی۔تقریر کیا تھی علوم ومعرفت کا خزانہ، دلائل وبراہین کا بحر بیکراں، حقائق ومعارف کا سیل رواں، کسی دیوبندی وہابی کی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔حاضرین نے صلاۃ وسلام پڑھا اور پھر اسی پر جلسہ کا اختتام ہو گیا۔

گونڈہ

آپ کی تقریر کا عالم یہ تھا جس نے بھی سنا جہاں بھی سنا پروانہ وار نثار ہوتا گیا۔قدموں سے لپٹ گیا، احقاق حق وابطال باطل اس طرح کر دیا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا۔سنیت سنور گئی اور نجدیت پژمردہ ہو گئی۔

مشرقی یوپی کے ایک مشہور شہر گونڈہ کا ایک واقعہ ہے۔گونڈہ چوک پر جلسہ ہو رہا تھا، سامعین کا اژدہام تھا، تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔دوران تقریر مجمع پر سناٹا تھا، ہر شخص بڑے انہماک کے

ساتھ آپ کی تقریر سماعت کر رہا تھا۔ تقریر کیا تھی خرمن نجدیت پر بجلی گر رہی تھی۔ پورے شہر میں پھیلی ہوئی وہابیت کو ننگا کر دیا۔ وہابی علماء کی برسہا برس کی محنت رائیگاں ہوگئی۔ ان کی ساری جد و جہد خاک میں مل گئی۔ رات میں تقریر ہوئی اور صبح ہوتے ہی سات وہابی اماموں کو مسجد سے نکال کر باہر کر دیا گیا۔ اتنی موثر اور زود اثر تقریر سننے میں نہیں آئی۔ جو اذہان وقلوب کی دنیا میں ایک انقلاب آفریں کیفیت پیدا کر دے۔ یہ تھی آپ کی تقریروں کی وہ خصوصیت جو دوسرے مقررین کے یہاں مشکل سے ملتی ہے۔

لاہور

اخبار ''زمیندار'' کے ایڈیٹر نے اپنے اخبار میں کچھ کفریات شائع کئے اس کے جواب میں مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کا عظیم الشان سہ روزہ اجلاس ''زمیندار'' کے سامنے باغ میں بیرون دہلی گیٹ منعقد ہوا حضرت شیر بیشۂ اہل سنت، حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس اجلاس میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تقریر کا اعلان فرمایا تو حضرت خطیب الملت علامہ قاری حکیم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رضوی الوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ اعلان سن کر میں حیران ہوا کہ مولانا حشمت علی خاں صاحب ابھی تک آئے نہیں اور ان کے بیان کا حضرت نے اعلان فرما دیا۔ فرماتے ہیں کہ میں جلسہ گاہ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اب تقریر کون کرے گا، اعلان تو مولانا حشمت علی صاحب کا ہوا ہے اور وہ موجود نہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام کی پشت کی جانب جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے ایک صاحب سادہ لباس میں بغیر عمامہ وعبا کے کھڑے ہوئے اور حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر تشریف لائے اور بیان شروع کیا تو علم وعرفان کے دریا بہا دیئے۔ خواص وعوام سب محظوظ ہو رہے تھے سبحان اللہ ومرحبا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔'' (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۷۷)

مناظرانہ صلاحیت

حق و باطل کی جنگ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک جاری ہے۔ البتہ زمانے کے ساتھ ساتھ جنگ کے موضوعات بدلتے رہے۔ یہ جنگ کبھی خدا وابلیس، کبھی ابراہیم ونمرود، کبھی فرعون وموسیٰ اور کبھی پیغمبر اسلام حضرت رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے درمیان اسلام وکفر کی شکل میں ہوتی رہی۔ سرزمین عرب سے نکل کر رفتہ رفتہ جب اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا جب بھی یہ جنگ نہ ختم ہوئی، کبھی مسئلہ زکوٰۃ، کبھی مسئلہ خلق قرآن، کبھی مسئلہ ختم نبوت اور کبھی مسئلہ مسجد ومندر کو لے کر ہنگامہ آرائی رہی۔ بعد کے ادوار میں مسلک کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ سنی شیعہ اختلاف، سنی وہابی اختلاف، سنی قادیانی اختلاف اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔

تیرہویں صدی ہجری کا نصف آخر اور چودھویں صدی کا نصف اول اس وجہ سے انتہائی اہم اور قابل ذکر ہے کہ اس صدی میں جتنے مناظرے اور بحث ومباحثے ہوئے شاید ہی کسی اور صدی میں ہوئے ہوں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، علامہ فضل حق خیرآبادی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم خاں، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی جیسی اہل علم عبقری روزگار شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

وہابی دیوبندی مکتب فکر کے علماء میں مولوی شاہ محمد اسماعیل دہلوی، مولوی اشرف علی

تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی جیسے افراد تھے۔

ان علماء میں کوئی اپنے کو کسی معاملے میں کسی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ بحث ومباحثہ اور مناظرے کی ترقی تھی۔ آئے دن مناظرے، قلمی جنگیں اور بحث ومباحثے کے لئے میدان سنوارے جاتے۔ تمام علماء کا ذہن تو مناظرانہ نہیں تھا۔ البتہ جہاں علمائے اہل سنت میں بہت سی مقتدر شخصیات میدان مناظرہ کی شہ سوار تھیں وہیں دیوبندی مکتب فکر کے بہت سے مولوی بھی اپنے کو میدان مناظرہ کا شہسوار سمجھتے تھے۔ علمائے اہل سنت کے مناظرین میں ہر ایک کی گفتگو کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف اور صرف مناظر اعظم ہند مظہر اعلیٰ حضرت حضور شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی مناظرانہ صلاحیت پر گفتگو کی جارہی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مناظرے کے لئے ان تمام علوم پر گہری نظر رکھنی ضروری ہے جن کی آئے دن مناظرے میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ علوم نقلیہ، عقلیہ اور ادبیہ کے علاوہ حالات حاضرہ سے بھرپور واقفیت ہر مناظر کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مناظرے کے اصول وضوابط اور شرائط۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو تمام علوم میں کس قدر دسترس تھی اور حالات حاضرہ سے کتنے باخبر تھے اس کا اندازہ ان کے کسی مناظرے کی روداد یا ہر اس شخص سے دریافت کر کے لگایا جاسکتا ہے جس نے ان کے مناظرے میں شرکت کی ہو۔ استناد کے طور پر آپ کی علمی عبقریت کے اعتراف میں لاہور کے اس قطعی فیصلہ کن مناظرہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم الشان مجمع علماء وفضلا میں ان کو کیسا عقیل وفہیم، ذہین وذکی اور معتبر ومستند سمجھا کہ تمام حضرات اجلہ علمائے کرام کی موجودگی میں ان کو اپنا وکیل مناظرہ بنایا اور صاف تحریر فرمایا کہ ان کا قبول وعدول میرا قبول وعدول اور ان کا اقرار وانکار میرا اقرار وانکار ہوگا۔ یہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی علمیت، قابلیت اور دین ودیانت کا روشن اظہار ہے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی مکمل زندگی احقاق حق وابطال باطل کی مکمل آئینہ دار ہے۔

زندگی کا ہر لمحہ دشمنان رسول اور گستاخان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف تھی۔ وہابی، دیوبندی، مجدی، رافضی، قادیانی، چکڑالوی، نیچری، آریہ ہر ایک باطل طاقت سے ٹکرائے اور اپنے شیرانہ پنجوں سے انھیں پاش پاش کردیا۔ اس سے پہلے کہ ہم ان کے کسی مناظرے کا تفصیلی ذکر کریں ذیل میں ان موضوعات کی وضاحت کی جارہی ہے۔ جن پر آئے دن علمائے حق اور علمائے باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی تھی۔

۱۔ مسئلہ امکان کذب باری تعالیٰ

۲۔ مسئلہ علم غیب و عالم الغیب

۳۔ مسئلہ امتناع نظیر

۴۔ مسئلہ اختیار رسول

۵۔ تصرفات اولیاء

۶۔ استمداد اولیاء

۷۔ مسئلہ علم رسول اور علم شیطان

۸۔ مسئلہ ختم نبوت

۹۔ نماز میں تصور رسول اور تصور گاؤ خر

شیر بیشۂ سنت نے دوران تعلیم ہی سے بحث و مباحثہ اور مناظرے میں حصہ لینا شروع کردیا تھا اور تادم حیات ان کا رد بدعات و منکرات ہی محبوب مشغلہ بنا رہا۔ اشاعت دین حق کے لئے زندگی کا ہر لمحہ وقف تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے نہ جانے کتنے باطل مذاہب کے رہنماؤں سے ٹکرلی اور انھیں اس طرح لاجواب کیا کہ میدان مناظرہ سے چوری چھپے بھاگتے ہی بن پڑی۔ ایسے لوگوں میں مولوی منظور سنبھلی، مولوی یٰسین خام سرائی، مولوی عبدالشکور کاکوروی، مولوی شبیر احمد دیوبندی، مولوی انور شاہ کشمیری، مولوی محمد حسین راندیری، مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہ سب کے سب اپنی صلاحیت کا لوہا منوانے والے آپ کے بالمقابل فرار کی ذلت اٹھائے ہوئے اور شمشیر رد وابطال

کے زخم خوردہ ہیں۔

شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے یوں تو کئی مناظرے کئے اور بے شمار مناظروں میں اپنے اکابر کی معاونت کی۔ مگر جن مناظروں میں یکہ وتنہا میدان مناظرہ میں شیر بیشۂ اہل سنت بن کر دہاڑتے رہے ایسے مناظروں کی تعداد بھی کم نہیں۔ ایسے مناظروں میں مناظرۂ ادری، مناظرۂ پنجاب، مناظرۂ ملتان، مناظرۂ گیا، مناظرۂ راندیر، مناظرۂ پادرہ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ہر مناظرے کا تفصیلی ذکر یقینا ایک تفصیلی کتاب کا متقاضی ہے۔ مگر تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ان تمام مناظروں کا اجمال پیش کرنا ضروری سمجھوں گا جس میں علمائے اہلسنت نے باتفاق رائے آپ کو مناظر منتخب کیا ہے تاکہ قارئین ان کی مناظرانہ صلاحیت کا بھرپور اندازہ لگا سکیں۔

فن مناظرہ میں انھیں کس قدر مہارت تھی اس کے ثبوت میں حضرت مفتی شریف الحق امجدی کا قول برمحل ہوگا۔ موصوف ان کی مناظرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ کو اللہ عزوجل نے ایسی جامعیت تامہ عطا فرمائی تھی جو دیکھی تو کیا، سنی بھی کم جائے گی۔ لیکن آپ کو جس وصف میں عالمگیر شہرت حاصل ہے وہ وصف مناظرہ ہے۔'' (ماہنامہ نوری کرن بریلی ۱۹۶۰ء)

> مفتی صاحب دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

> ''شیر بیشۂ اہل سنت کی خصوصیت میں مناظرہ کا ملکہ وہ ممتاز صفت ہے جس میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ مناظرہ کے لئے جو خصوصیات ضروری ہیں وہ سب حضرت علیہ الرحمہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ کلام میں روانی، افہام وتفہیم، ذکاوت ذہن، حاضر جوابی، علم مستحضر، آواز میں قوت ان سب صفات میں یگانۂ وقت تھے۔ کلام میں روانی کا یہ عالم تھا کہ جو بات متوسط لہجے میں بات کرنے والے پندرہ منٹ میں ادا کرتے تھے حضرت اسے بلا مبالغہ دو منٹ میں اس عمدگی سے ادا فرماتے کہ ایک ایک کلمہ کا حرف حرف موتی کی طرح مرصع پوری صحت کے ساتھ بغیر کسی التباس کے سننے میں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مناظروں کی

رو داد میں اگر حریف کی تقریر ایک صفحہ ہے تو حضرت کی تقریر ڈھائی ڈھائی تین

تین صفحے کی ہے جب کہ اصولاً وقت دونوں کا مساوی ہوتا تھا۔''

میدان مناظرہ سے بھاگنا انھوں نے سیکھا ہی نہیں۔ وہ شیر تھے شیر۔ میدان مناظرہ کے علمی سوالوں کے بدلے وہابی مناظرین اور معتقدین کی جانب سے اینٹ پتھر کے جواب آئے مگر پھر بھی آپ میدان مناظرہ سے نہیں ہٹے اور جبل مستقیم بنے رہے۔ اس ہمت مردانہ کا اعتراف علامہ مشتاق احمد نظامی نے ان لفظوں میں کیا ہے:

''میدان مناظرانہ میں گالیوں کی بوچھار ہے۔ اینٹ پتھر کی بارش ہے دشمنوں کی یلغار ہے مگر علم وفن اور صبر واستقلال کا وہ مرد مجاہد گرج گرج کر شاتمان رسول کو للکار رہا ہے۔

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول

پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے دشمنانِ اسلام وشاتمان خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتنے مناظرے کئے اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں تاہم اتنا مسلم ہے کہ جہاں بھی بحیثیت مناظر آپ گئے دشمنوں نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھی اور اگر مد مقابل آئے تو انھیں شکست فاش سے دو چار ہونا پڑا۔ آپ نے جتنے مناظرے کئے ان میں بیشتر کی روداد من وعن شائع ہو چکی ہے جس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں کچھ اہم مناظرے یہ ہیں۔

۱۔ مناظرۂ سنبھل	بمقابلہ مولوی منظور حسین سنبھلی	موضوع علم غیب رسول اور کفریات علمائے دیو بند
۲۔ مناظرۂ راندیر	بمقابلہ محمد حسین راندیری	موضوع: حفظ الایمان کی کفری عبارت
۳۔ مناظرۂ بریلی	بمقابلہ آریہ	موضوع: جیو پراکرتی
۴۔ مناظرۂ بریلی	بمقابلہ عیسائی پادری	موضوع: عقیدۂ تثلیث
۵۔ مناظرۂ فیروز پور چھاؤنی	بمقابلہ آریہ	موضوع: وید الہامی کتاب ہے کہ نہیں؟
۶۔ مناظرۂ فیروز پور چھاؤنی	بمقابلہ غیر مقلدین	موضوع: قرأت خلف الامام

۷۔مناظرۂ فیروز پور پنجاب	بمقابلہ مولوی عبدالرحیم کھوی	موضوع: تقلید ائمہ اربعہ
۸۔مناظرۂ لکھنؤ	بمقابلہ مولوی عبدالشکور کاکوروی	موضوع: مسئلہ علم غیب
۹۔مناظرۂ سورت گجرات	بمقابلہ مولوی محمد حسین راندیری	موضوع: کفریات علمائے دیوبند
۱۰۔مناظرۂ مالیگاؤں ممبئی	بمقابلہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی	موضوع: کفریات علمائے دیوبند
۱۱۔مناظرۂ لاہور پنجاب	بمقابلہ مولوی منظور حسین سنبھلی	موضوع: کفریات علمائے دیوبند
۱۲۔مناظرۂ ادری اعظم گڑھ	بمقابلہ مولوی منظور حسین سنبھلی	موضوع: علم غیب رسول وکفریات علمائے دیوبند
۱۳۔مناظرۂ ملتان	بمقابلہ مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری	موضوع: کفریات علمائے دیوبند
۱۴۔مناظرۂ گیا بہار	بمقابلہ مولوی منظور حسین سنبھلی	موضوع: مسئلہ خاتم النبیین
۱۵۔مناظرۂ نانپارہ بہرائچ	بمقابلہ مولوی نور محمد ٹانڈوی	موضوع: مسئلہ ما کان ما یکون
۱۶۔مناظرۂ بسڈیلہ بستی	بمقابلہ مولوی نور محمد ٹانڈوی	موضوع: عقائد علمائے دیوبند
۱۷۔مناظرۂ مورانوں	بمقابلہ مولوی نور محمد ٹاندوی	موضوع: کفریات طواغیت اربعہ
۱۸۔مناظرۂ بازار باغ دھانے پور	بمقابلہ حبیب اللہ بہرائچی	موضوع: عقائد علمائے دیوبند

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی ان تمام مناظرانہ صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آیئے ان اہم اور بڑے مناظروں کی تفصیل پڑھیں جہاں آپ نے درجنوں علمائے دیوبند کے بالمقابل تنہا مناظرہ کیا اور فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوئے لیکن اس ترتیب میں ابتداء اس مناظرے سے کی جارہی ہے جہاں سے آپ کی مناظرانہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

مناظرہ ہلدوانی

یہ کوئی ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء کی بات ہے قصبہ ہلدوانی ضلع نینی تال میں مولوی یٰسین خام سرائی جو مولوی اشرف علی تھانوی کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، پہنچ کر اس عقیدے کی نشرواشاعت کرنے لگے جس عقیدے میں رسول کو دیوار کے پیچھے کے علم سے بے خبر اور جاہل بتایا گیا ہے اور مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا علم تو ہر صبی ومجنوں کو حاصل ہے۔ معاذ اللہ۔ اس

گستاخانہ باطل عقیدے کے بانی مولوی اشرف علی تھانوی تھے۔اسی طرح اور دوسرے مکتب فکر کے رہنماؤں کی تعلیمات سے ان سیدھے سادے مسلمانوں کو بھڑکا کر اپنے دامن تزویر میں پھنسانے لگے مگر تابہ کے وہاں کے مسلمانوں کو یہ بات بری لگی اور اس کے باطل خیالات کی تردید کرنے لگے۔مولوی خام سرائی اس تردید پر برہم ہوئے اور کہا اپنے مولویوں کو بلاؤ اور خاص طور سے جو تم سب کا سردار ہو میں مناظرہ کروں گا۔یہ اطلاع امام اہلسنت سرکار اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو ہوئی۔وہ بھلا خام سرائی کو اپنے منہ کیا لگاتے یقیناوہ آپ کے علم بحرِ ذخار کے سامنے کیا ٹکتا، سیل رواں کی نذر ہو جاتا۔امام احمد رضا نہ جا کر مدرسہ کے ایک طالب علم جس کا نام حشمت علی تھا، اس بڑے مہم کو سر کرنے کے لئے سر پر دست شفقت پھیر کر روانہ کر دیا۔مولانا حشمت علی کی عمر اس وقت ۱۹ برس کی تھی جب کہ مقابل کا مناظر زندگی کی ۸۰ بہاریں دیکھ چکا تھا۔زمانہ کے سرد گرم حالات سے اچھی طرح نبرد آزما تھا۔مولوی حشمت علی جب ہلدوانی پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اس کی خبر ہوئی کہ امام احمد رضا خود نہ آکر مدرسے کے ایک طالب علم کو اس عظیم معرکہ کو سر کرنے کے لئے بھیجا ہے سنتے ہی ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ وہاں کے سارے سنی مسلمان محو حیرت واستعجاب تھے۔جب شام کو جلسہ ہوا اور جو بصیرت افروز تقریر آپ نے بیان فرمائی اس سے ان کے چہروں پر فرحت وانبساط کی لہر دوڑنے لگی۔اب ان کے دل کو اطمینان ہو چلا مگر پھر بھی دل کے کسی گوشہ میں تھوڑا تردد برقرار تھا۔دوسرے دن جب میدان مناظرہ میں آمنے سامنے اسٹیج سجائے گئے۔ایک طرف ۸۰ سال کا سن رسیدہ مناظر یاسین خام سرائی اور دوسری طرف ۱۹ سالہ نوجوان طالب علم مولوی حشمت علی، مجمع شش وپنج میں تھا۔آخر یہ کیا مقابلہ ہے کسی معاملے میں کوئی تطابق ہی نہیں لیکن جلد ہی مسئلہ حل ہو گیا کہ مناظرہ جسمانی قوت وطاقت کا نہیں علمی طاقت کا ہے۔مناظرہ عمر کا نہیں مبلغ علم کا ہے۔مناظرہ جہاں بینی ودور اندیشی کا نہیں حق وباطل کا ہے۔سامعین کا کہنا ہے نوعمر مناظر نے سن رسیدہ تجربہ کار مناظر کو ناکوں چنے چبوا دیے۔حفظ الایمان کی کفری عبارتوں پر مناظرہ تھا مسئلہ علم غیب پر وہ مبہوت ہو گیا اور آپ کے سوالوں کی تاب نہ لا کر میدان مناظرہ سے فرار اختیار کرتے ہی بنی۔

فتح وکامرانی کے بعد آپ بریلی واپس تشریف لائے اور مناظرہ کی روداد من وعن بیان فرمائی تو آپ کے پیرومرشد امام احمد رضا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ ''ابوالفتح'' ہیں۔ اور پھر سینے سے لگا کر بے شمار دعاؤں سے نوازا اور ساتھ ہی اپنا عمامہ اور انگرکھا شریف بطور انعام دیا اور پھر پانچ روپیہ نقد عطا فرما کر مدرسہ کے رجسٹر میں قلم سے درج ذیل عبارت تحریر فرمائی:

''حشمت علی میرا روحانی بیٹا ہے آج سے میں ان کا پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔''

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہی ہمت افزائی اور دعا نوازی تھی کہ جس مناظرے میں بھی آپ نے شرکت کی وہاں غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

مناظرۂ پادرہ

پادرہ علاقہ ریاست بڑودہ گجرات میں ایک شہر ہے۔ وہاں کے سنی مسلمانوں کے اصرار پر دعوت وتبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی تقریر اگر ایک طرف سنی مسلمانوں کے ایمان کو تازگی عطا کرتی تھی تو دوسری طرف وہابیوں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتا تھا۔ غیر مقلدین کے پیشوا مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر ''اہلحدیث'' کو جب اپنی قوم اور ذریت کی بے بسی کی خبر ملی تو اس نے شیر بیشۂ اہل سنت کو مناظرہ کی دعوت دے دی اور چیلنج مناظرہ کر کے مناظرہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ شیر بیشۂ اہل سنت مناظرہ کے سلسلے میں ہمیشہ بھوکے شیر رہتے۔ آپ نے فوراً چیلنج قبول کر لیا۔ مناظرہ تحریری شکل میں شروع ہو گیا۔ کچھ ہی دیر تحریری بحث ومباحثہ کا سلسلہ چلا تھا کہ غیر مقلدوں کا شیر پنجاب سنیوں کے شیر بیشۂ اہل سنت کے سامنے بکری نظر آنے لگا۔ دانتوں سے پسینے چھوٹنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سوالوں کے جوابوں کی تاب نہ لا کر میدان مناظرہ سے شکست خوردہ فرار اختیار کر لی۔ اہلسنت وجماعت نے اس شاندار کامیابی پر جشن فتح منایا۔ ملک وملت کے مشاہیر علماء نے اس میں شرکت کر کے ابوالفتح شیر بیشۂ اہل سنت

کی جناب میں خراج عقیدت پیش کیا۔ نیر بڑودوی کا یہ خراج عقیدت یقیناً برمحل ہوگا:

ثناء اللہ کو حشمت علی نے یا رسول اللہ دکھایا آپ کی امداد سے میدان میں نیچا
کیا نادم تمہاری دشمنی نے یا رسول اللہ عقیدہ ہے یہ نیر کا بحمد اللہ دشمن کو

مناظرۂ راندیر

شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے کسی علاقے میں تبلیغ دین کی خاطر تشریف لے گئے تھے لیکن جب راندیر ضلع سورت کے سنی مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے شیر بیشۂ اہل سنت کی بارگاہ میں حاضری دی اور اپنے ان تمام مظالم کا ذکر کیا جو دیوبندی علماء نے ان پر ڈھائے تھے۔ ساتھ ہی منشی محمد عمر خاں (اردو ٹیچر) کے نام شائع ہونے والی اس تحریر کا بھی ذکر کیا جس کا عنوان ''فضل رب خبیر'' تھا اور دیوبندیوں نے شائع کرایا تھا۔ یوں تو اس تحریر کا حرف حرف توہین رسالت کا غماز تھا لیکن اس کے صفحہ نمبر ۱۱ کی عبارت جو مناظرہ کا سبب بنی یہ تھی۔

''حرمین شریفین سے دیوبندیوں کے کفر پر جو فتوے لئے گئے تھے جب علمائے حرمین پر اصل عبارت ظاہر ہوئی تو انھوں نے دیوبندیوں کو کفر کے فتوے سے بری کر دیا اور انھیں مسلمان لکھ دیا۔''

شیر بیشۂ اہل سنت کے سامنے جب یہ تحریر نظر سے گزری تو انھوں نے اولاً اس کا مطالبہ کیا کہ وہ تحریر جس میں انھیں مسلمان لکھا گیا ہے دکھائی جائے جس مذہب کی بنیاد ہی توہم اور دروغ گوئی پر ہو اس میں صداقت کا عنصر کہاں ملے گا۔ بات مناظرے تک پہنچی اور ۷ رجمادی الاخری ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء روز پنجشنبہ دس بجے دن محبوب مسجد چناروا ڑہ میں مناظرہ ہونا طے ہو گیا اور دیوبندیوں کی طرف سے مناظر مولوی عبدالشکور کاکوروی اور مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی منتخب ہوئے۔

میدان مناظرہ سے فرار دیوبندی علماء کی وراثت میں ہے۔ جب دیوبندی مناظرین کو یہ معلوم ہوا کہ شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی سنیوں کے مناظر ہیں تو ان کے مقابل نہ آنا ہی پسند کیا لیکن عزت و آبرو خطرے میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آ تو گئے مگر تھانہ والوں کی

جیب گرم کر کے مناظرہ رکوانے کی کوشش میں لگ گئے۔ جس میں انھیں کامیابی بھی ملی۔ جب متعینہ تاریخ پر شیر بیشۂ اہل سنت مقام مناظرہ پر پہنچے اور یہ صورت حال دیکھی تو برہم ہوئے اور تھانہ میں داروغہ کے پاس گئے۔ ہزار گفت وشنید کے بعد مناظرہ کی اجازت دے دی لیکن ادھر دیوبندیوں نے محبوب مسجد (مقام مناظرہ) کو اپنا نجی گھر بتا کر اس میں داخلے کی پابندی لگا دی تھی۔ مناظر اعظم شیر بیشۂ اہل سنت دیوبندی مناظرین کو للکارتے رہے اور بغرض مناظرہ حضرات تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آستانے کی مسجد ''ناپت پاڑہ'' تشریف لے گئے۔ جب دیوبندی سیٹھوں نے اپنے علماء کا فرار دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر آج مناظرہ نہیں ہوگا تو چندہ بند کر دیا جائے گا۔ اصل مناظرین تو فرار ہو ہی چکے تھے۔ بادل ناخواستہ مولوی محمد حسین راندیری اور ایں قدر وآں قدران کے ساتھی اس لوہے کے چنے کو انجام کی پروا کئے بغیر چبانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مناظرہ حفظ الایمان کی کفری عبارتوں پر تھا۔

دیوبندی مناظر لفظ ''ایسا'' پر زور دے کر بحث کر رہے تھے۔ حفظ الایمان کی اصل عبارت یہ ہے:

> ''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنوں بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔''
>
> (حفظ الایمان: مولوی اشرف علی تھانوی، ص ۸)

دیوبندی مناظر کا کہنا تھا کہ لفظ ''ایسا'' ہمیشہ تشبیہ کے لئے ہی نہیں آتا اور اگر تشبیہ کے لئے بھی ہو تو من کل الوجوہ نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا اگر میں کہوں کہ آپ کی صورت کی کیا تخصیص ہے ایسی صورت تو گدھے کی بھی ہے اور آپ کی ناک کی کیا تخصیص ایسی ناک تو سور اور کتے کی ہے۔ ناظرین آپ تو یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ مولانا شیر بیشۂ اہل سنت گالی دے رہے ہیں تو یہ گالی نہیں اس کا اصل جواب تھا۔ چنانچہ انھوں

نے اس کی صراحت بھی کی۔ آپ برا نہ مانئے کیونکہ ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ لفظ ''ایسا'' ہمیشہ تشبیہ کے لئے نہیں آتا ہے اور اگر تشبیہ بھی ہو تو من کل الوجوہ نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے سور (خنزیر) کتّے کی ناک بھی خدا کی مخلوق ہے اور آپ کی ناک وصورت بھی خدا کی مخلوق وہ بھی گوشت وپوست سے بنی ہے اور آپ کی ناک اور شکل وصورت بھی گوشت وپوست سے بنی ہے۔ اس بات پر دیوبندی عوام اور علماء دونوں چیخ پڑے کہ یہ گالیاں ہیں اس میں ہماری توہین ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا اگر یہاں لفظ ''ایسا'' سے آپ کی توہین ہوسکتی ہے تو حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ''ایسا'' سے کیوں کر رسول کی توہین نہ ہوگی۔ یہ سن کر دیوبندی مناظر مبہوت ہوگیا۔

اس مناظرے کا انجام بھی ظاہر تھا۔ ہوا وہی جو ان کا موروثی حق ہے۔ شکست فاش ہوئی، منہ کی کھائی اور لاجواب ہوگئے۔ اس عظیم الشان کامیابی پر سورت (گجرات) میں خراج تحسین کے جلسے منعقد ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے شیر بیشۂ اہل سنت کی جناب میں داد تحسین کی سوغات پیش کی۔ اس موقع پر شیر بیشۂ اہل سنت نے امام اہلسنت کی جناب میں اپنی طرف سے خوشی ومسرت کے کچھ کلمات منظوم شکل میں پیش فرمائے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

تہنیت کا ایک جلسہ سورت میں مناظرے کے دوسرے دن حضرت خواجہ دانا شاہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستانے پر اس فتح مبین کی خوشی میں ہوا۔ اس اجلاس میں علماء ومشائخ داعیان گجرات وعوام وخواص کے اتفاق سے آپ کو ''شیر بیشۂ اہل سنت'' کا خطاب دیا گیا۔

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۶۴)

عوام وخواص کے حلقے میں یہ خطاب اس قدر مقبول ہوا کہ بعد میں یہی علم بن گیا اور لوگ آپ کے اصل نام سے بے پرواہ ہوگئے اور ان شاء اللہ تا قیام قیامت دنیائے سنیت میں آپ اسی نام سے جانے پہچانے جاتے رہیں گے۔

مناظرۂ فیض آباد

شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے علمائے دیوبند سے جتنے مناظرے ہوئے سب میں ان لوگوں نے انتظامیہ و پولیس کی مدد سے مناظرہ یا تو رکوا دیا یا شیر بیشۂ اہل سنت پر کوئی جعلی الزام لگا کر بات کچہری تک پہنچا دی یا مناظرے کی متعینہ تاریخ پر وہابی دیوبندی مناظر خود میدان مناظرہ سے ڈھکے چھپے فرار ہو گئے۔ یا وہ مقام مناظرہ پر پہنچے ہی نہیں۔ اس طرح کی نہ جانے کتنی وارداتیں ہیں جو شیر بیشۂ اہل سنت کی زندگی میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں مگر فیض آباد کا مناظرہ اور وہاں کا تاریخی مقدمہ اس وجہ سے انتہائی اہم اور قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے مواقع شیر بیشۂ اہل سنت کو کم میسر آئے کہ انھوں نے کورٹ میں مناظرہ کیا ہو۔

ذیل میں فیض آباد کے تاریخی مقدمے اور مناظرے کی مختصر رپورٹ ''شمع منور رہ نجات'' اور ''سوانح اعلیٰ حضرت'' مصنفہ مولانا بدرالدین احمد رضوی سے اخذ کر کے پیش کی جا رہی ہے۔

اس مناظرے کی روداد تبلیغ دین حق یعنی ان کی خطیبانہ شوکت سے شروع ہوتی ہے مقدمہ اور پھر فتح و کامرانی پر اس مناظرہ کا اختتام ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ نے قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد اور اس کے اطراف و نواحی میں ۲۲ رمئی ۱۹۴۶ء تا ۶ رجون ۱۹۴۶ء مسلسل تقریریں فرمائیں جس میں آپ نے مذہب اہلسنت و جماعت کی تبلیغ اور سنی مسلمانوں نیز دیگر حاضرین کی نصیحت و ہدایت اور مذہب حق کی شناخت کے لئے حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ کے مضامین پڑھ کر سناتے رہے اور وہابیوں کے عقائد کفریہ سے آگاہ کرنے کے لئے تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان اور مختصر سیرت نبویہ کی کفری عبارتیں کھول کھول کر لوگوں کو دکھلاتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے وہابی دیوبندی عوام جو بیچارے اپنے پیشواؤں کے عقائد کفریہ سے آگاہ نہ تھے توبہ کر کے سنی مسلمان ہو گئے۔ جب دیوبندیوں کے سربراہوں کو اس کی خبر ہوئی کہ امام احمد رضا کے شیر کے ہاتھوں وہابیت کی مٹی پلید ہوتی جا رہی ہے تو انھوں نے اپنے علماء سے سازش کر کے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے خلاف مہابیر پرشاد اگروال مجسٹریٹ درجہ اول شہر فیض آباد کے اجلاس میں استغاثہ دائر کیا جس میں یہ الزام قائم کیا۔

ملزم (شیر بیشۂ سنت) نے بتاریخ ۸ رجون ۱۹۴۶ء بوقت ۹ ربجے شب لغایت ۱۲ ربجے شب ایک تقریر کی جس کے دوران میں ملزم نے مدعیان کے مذہبی عقائد مجروح کرنے نیز فرقہ وارانہ فساد برپا کرنے کی غرض سے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی عبدالشکور کاکوروی لکھنوی کافر مرتد و بے دین ہیں۔ ملزم کی تقریر مذکور سے مدعیان اور ان علمائے دین کی سخت توہین اور دلآزاری ہوئی۔

عالیجاہا! ملزم نہایت ہی مفسد آدمی ہے اور جرم دفعات ۲۹۸ اور ۵۰۰ و ۱۵۳ الف کا مرتکب ہے لہٰذا تدارک ملزم حسب دفعات بالا فرمایا جائے۔

عرضی: فدویان عبدالحمید خاں و سراج الحق خاں و حبیب اللہ مدعیان ساکن قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد، مورخہ ۱۲ رجون ۱۹۴۶ء

کارروائی استغاثہ کے بموجب شیر بیشۂ اہل سنت جب کورٹ میں پہنچے تو مجسٹریٹ نے استغاثہ کے متعلق جواب طلب کیا۔ آپ نے اجلاس میں تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فوٹو فتاویٰ مہری دستخطی گنگوہی اور مختصر سیرت نبویہ مصنفہ مولوی عبدالشکور کاکوروی پیش کیا اور ان کی عبارت کفریہ سے مجسٹریٹ کو آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ہی آپ نے مجسٹریٹ پر یہ بھی واضح کر دیا کہ دنیائے سنیت کے عظیم و جلیل پیشوا شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے مولوی تھانوی، مولوی نانوتوی، مولوی گنگوہی، مولوی انبیٹھوی پر ان کے عقائد کفریہ کے سبب بحکم شریعت اسلامیہ کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا ہے جو انھی کی مصنفہ کتاب ''حسام الحرمین'' میں چھپ کر پورے ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے اور اس فتوے کی تصدیق عرب شریف کے اکابر پیشوائے عظیم اور ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ علمائے اسلام اپنے مہری دستخط کے ساتھ کر چکے ہیں۔ ''حسام الحرمین'' کے فتاویٰ میں ایک حکم شرعی یہ بھی ہے کہ جو شخص مولویان مذکورین بالا کے عقائد کفریہ پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ کہے یا کافر ہونے میں شک کرے تو بحکم قانون شریعت وہ بھی کافر ہے۔ یہی وجہ ہے ''مبلغ وہابیہ کی زاری'' میں ہندوستان کے ۹۴

علمائے اسلام نے شرعی فتویٰ دیا کہ مولوی عبدالشکور کاکوروی نے اپنی کتاب ''نصرت آسمانی'' صفحہ ۱۵، ۲۷ اور ۴۸ میں مولوی تھانوی اور انبیٹھوی کی کفری عبارتوں کی حمایت وطرفداری کی ہے لہٰذا مولوی عبدالشکور کاکوروی بھی بحکم شریعت اسلامیہ کافر ومرتد و بے دین ہیں۔ پھر شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے دعویٰ کی تصدیق نیز مجسٹریٹ کے اطمینان کے لئے اجلاس میں ''حسام الحرمین'' اور ''الصوارم الہندیہ'' وغیرہ کتابیں پیش کیں اور ان کے ساتھ اپنا ایک طویل تحریری بیان بھی پیش کیا جس میں آپ نے عبارات ''حفظ الایمان'' ص ۸ ''براہین قاطعہ'' ص ۵۱ و ''فوٹو فتاویٰ گنگوہی'' وغیرہ کی ہندی کی چندی کر کے ان کو اتنا عام فہم بنا دیا کہ انگریزی داں غیر مسلم مجسٹریٹ بھی پوری طرح سمجھ گیا کہ مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی وغیرہ نے ضرور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی ہے اور یہ لوگ یقینی طور پر ''حسام الحرمین'' کے فتاویٰ کے مطابق کافر ومرتد ہو چکے ہیں۔

اس مقام پر وہابی حضرات ہرگز یہ خیال نہ کریں گے کہ کسی نے مجسٹریٹ کے سامنے ''المہند'' کا مضمون نہیں سنایا اور نہ کسی نے اجلاس میں پیشوایان وہابیہ تھانوی وغیرہ کا مسلمان ہونا ثابت کیا کیونکہ اس تاریخی مقدمہ میں مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری وہابیت کے ایکسپرٹ عالم کی حیثیت سے پیش کئے گئے اور برسر اجلاس مجسٹریٹ کے سامنے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قدس سرہ العزیز اور مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری کے درمیان ایک طویل وعریض مناظرہ ہوا۔ جس میں پیشوایان وہابیہ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے دیوبندی میگزین کے نئے اور پرانے جتنے بھی ہتھیار تھے وہابیت کے اس ایکسپرٹ عالم نے سب استعمال کر ڈالے مگر احمد رضا کے شیر مولانا حشمت علی نے حرمین کی حسام برّاں سے کفر وارتداد کے قلب وجگر کو کاٹ کر پھینک دیا اور بارگاہ رسالت کے گستاخ باغیوں کے طرفدار مولویوں کو لوہے کے چنے چبوا دیے اور دلائل شرعیہ کی کسوٹی پر پیشوایان وہابیہ مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی وغیرہ کا کافر ومرتد ہونا ایسا بے نقاب فرمایا کہ مولوی ابوالوفا جیسا ہوشیار ماہر علم بھی مجسٹریٹ کے سامنے دیوبندی کفریات پر پردہ ڈالنے میں بری طرح ناکام رہا اور پیشوایان وہابیہ کا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکا۔ اب ہم مجسٹریٹ کی طویل بحث کا

اختصار جو اس نے استغاثہ کا فیصلہ کرتے ہوئے کی ہے اس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔

مجسٹریٹ کا فیصلہ

ملزم کہتا ہے کہ اس نے ۸ ر جون ۱۹۴۶ء کو کوئی تقریر بھدرسہ میں نہیں کی اور نہ اس نے کبھی بھی ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو مستغیثان نے حلفاً بیان کئے ہیں۔ نہ کبھی وہ اس طرح ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے وہ قطعی طور پر کہتا ہے کہ اس نے ۷ ر جون کے پہلے کچھ تقریریں کی تھیں جن میں اس نے مختلف کتابوں یعنی حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ، مبلغ وہابیہ کی زاری سے کچھ عبارتیں پڑھی تھیں ان کتابوں میں یہ مولویان (اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی اور عبد الشکور کاکوروی) اسلامی فتویٰ سے بے دین، کافر، مرتد اور دیو کے بندے کہے گئے ہیں۔

اب ہم دیکھیں گے کہ تقریر میں کیا کہا گیا۔ مستغیثان نے تحریر میں کچھ بھی نہیں دیا کہ ملزم نے کیا کہا۔ صرف مستغیثان اور دو گواہوں کا بیان ہے کہ ملزم نے اوپر کے لکھے ہوئے الفاظ (یعنی مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی عبد الشکور کاکوروی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کافر و مرتد اور بے دین ہیں) استعمال کئے ہیں ملزم یہ مانتا ہے کہ اس نے ان مولویوں کے حق میں اوپر لکھے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں مگر وہ عبارت دوسری تھی۔

گواہ نمبر ا کہتا ہے کہ (ملزم) کی تقریر کو کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا اور نہ خود اس (گواہ) نے نوٹ کیا۔ ملزم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ اس کو زبانی یاد ہیں اور کچھ مختصر مفہوم تقریر کا بھی یاد ہے اس گواہ نمبر ایک کے بیان کے مطابق ملزم تقریر کے وقت کتابیں اپنے ہاتھ میں لیتا تھا اور اس بیان سے ملزم کی بات کو تقویت ملتی ہے۔

ملزم اقرار کرتا ہے کہ اس نے ان مولویوں کے حق میں اوپر کے لکھے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن عبارت دوسری ہے اور اس نے وہ الفاظ چند کتابوں کی تحریر کی مدد سے لئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ملزم کا فعل بالکل درست تھا کہ وہ کتاب سے پڑھ رہا تھا اور ملزم یہ بات نیک نیتی سے پبلک کی آگاہی کے لئے کر رہا تھا تاکہ وہ مذہبی بات سمجھ لیں۔ اس لئے ملزم کا فعل دفعہ

۵۰۰ تعزیرات ہند میں نہیں آتا۔ ملزم کی تقریر سے پبلک کے اشتعال، جھگڑے کے احتمال کے متعلق کچھ گواہوں نے یہ بیان کیا کہ ملزم کی تقریر سن کر بہت سے (وہابی) لوگ اس کی باتیں سمجھ کر ملزم کے ہم مذہب (سنی) ہو گئے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملزم کا وعظ بہت دلچسپ تھا۔

اس مقدمہ میں ایک ایکسپرٹ مولانا ابوالوفا کی گواہی کو مقدمہ کی گواہی کہنے کے بجائے مذہبی مناظرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے اوپر بحث کی ہے ۸؍جون ۱۹۴۶ء کا واقعہ سراسر گڑھی ہوئی بات ہے اور ایسا کوئی واقعہ نہ ہونے پایا۔ ملزم کی وہ اگلی تقریریں تھیں جن سے (وہابی) مستغیثوں کو دلآزاری ہوئی کیونکہ فریق ثانی (سنی مسلمانوں) کے عقائد پر قبضہ جمارہے تھے اس لئے مستغیثوں نے بغیر سیاق وسباق کا تعلق دیکھتے ہوئے تقریر کے چند الفاظ لے کر ملزم کے خلاف جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ میرے خیال میں ملزم کو اس کی جماعت میں صرف بدنام کرنے کے لئے یہ مقدمہ دائر کیا گیا ہے کیونکہ وہ مذہبی مبلغ ہے اور اچھی مقدار میں مریدین رکھتا ہے جیسا کہ دوران مقدمہ میں دیکھا گیا۔

میں ملزم (مولانا حشمت علی) کو تعزیرات ہند کی دفعات ۵۰۰، ۱۵۳، ۲۹۸ سے جن کا الزام اس پر لگایا گیا ہے اور اس پر مقدمہ چلایا گیا ہے بےقصور قرار دیتا ہوں اور اس کو زیر دفعہ ۲۵۸ ضابطہ فوجداری آزاد کرتا ہوں۔

دستخط مہابیر پرشاد اگروال مجسٹریٹ درجہ اول، فیض آباد

۲۵؍ستمبر ۱۹۴۸ء

سیشن جج کا فیصلہ

۲۱؍ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۵؍ستمبر ۱۹۴۸ء کے اس تاریخی فیصلہ نے دنیائے وہابیت میں تہلکہ مچادیا۔ دیوبندیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کے سارے فتنہ پرور منصوبے خاک میں مل گئے۔ حق وباطل کے اس معرکہ میں میدان "حسام الحرمین" کے ہاتھ رہا اور بارگاہ رسالت کے باغیوں کے گلے میں شکست وذلت کا طوق پڑا۔ پھر وہابیوں نے سوچا کہ

اس فیصلے نے تو غضب ہی ڈھا دیا کہ مجسٹریٹ نے شیر رضا کو جیل خانے کے پنجرے میں بند کر دینے کے بجائے اس کو باعزت طور پر آزاد کر دیا اور ''حسام الحرمین'' کی حقانیت وصداقت کا لوہا بھی مان لیا۔ اس لئے مجسٹریٹ کے اس فیصلے کو توڑ وا دینا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اپنی ناکامی کو کامیابی سے بدلنے کے لئے ایک بار پھر انھوں نے زور باندھا اور مجسٹریٹ کے فیصلے کے خلاف شیشن جج یعقوب علی کے اجلاس میں اپیل دائر کر دی۔ شیشن کورٹ کے فاضل جج نے اپیل پر بحث کرتے ہوئے فیصلہ لکھا جس کا اقتباس ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

ملزم نے بیان کیا کہ ۷ / جون ۱۹۴۶ء کے قبل اس نے چند تقریریں بھدرسہ میں کیں جن میں اس نے (حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ وغیرہ) کتابوں سے چند عبارتیں پیش کیں اور ان عبارتوں میں (مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی، مولوی نانوتوی وغیرہ) علماء جو کہ استغاثہ میں درج ہیں بذریعہ فتویٰ کافر، مرتد، بے دین دیو کے بندے اور وہابی قرار دیے گئے تھے۔

۷ / جون ۱۹۷۶ء سے قبل تقریریں جو کہ ملزم نے بھدرسہ میں کی تھیں ان کا مضمون کچہری میں خود ملزم نے پیش کیا جس پر EXDZ پڑا ہے۔

فریقین کی طرف سے ثبوت کے بعد لائق مجسٹریٹ نے اولاً یہ فیصلہ کیا کہ ملزم نے ۸ / جون ۱۹۴۶ء کو کوئی تقریر نہیں کی جس کی مستغیثان شکایت کرتے ہیں اور یہ صرف ایک بنایا ہوا قصہ تھا۔ دوسرا فیصلہ مجسٹریٹ نے یہ کیا کہ یہ الفاظ ملزم نے گزشتہ دوسری تقریروں میں استعمال کئے تھے جن سے ان کے جذبات کو صدمہ پہنچا تھا کیونکہ انھوں نے ان الفاظ کا سیاق وسباق سے تعلق دیکھے بغیر مطلب نکال لیا اور یہ غلط مقدمہ ملزم کے خلاف دائر کیا۔ اس پر لائق مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا اور یہ اعتراض کیا کہ ملزم چونکہ مذہبی مبلغ ہے اور اس کے پاس بہت کافی مرید اور معتقد ہیں اس لئے پبلک میں اس کی بے عزتی کرنے کو یہ مقدمہ دائر کیا گیا ہے۔ ملزم اس وجہ سے بری کر دیا گیا تھا۔

اور اسی بریت کے خلاف مستغیثان نے نگرانی کی درخواست دی ہے اور وہ اس حکم کے خلاف ہیں۔ فریقین کے پیش کردہ زبانی اور تحریری ثبوت کو بہت غور سے پڑھنے اور سننے کے

بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ درخواست نگرانی کچھ دم نہیں رکھتی۔

لائق مجسٹریٹ کی تجویز سے مجھ کو پتہ چلتا ہے کہ لائق مجسٹریٹ نے ثبوت زبانی وتحریری کو بغور دھیان دیا اور ملاحظہ کیا اور صحیح فیصلہ کیا کہ ملزم نیک نیتی کے ساتھ کتابوں کی عبارتیں پڑھنے میں صحیح راستے پر تھا۔

لائق مجسٹریٹ کا فیصلہ جس میں اس نے ملزم کو بری کر دیا فریقین کے پیش کردہ ثبوتوں کی بنا پر بالکل صحیح اور درست ہے۔ مستغیثان میرے سامنے لائق مجسٹریٹ کے فیصلے میں کوئی قانونی غلطی یا اور کوئی عام غلطی نہ بتا سکے۔ درحقیقت اس اپیل میں کوئی جان نہیں اس لئے میں اس کو خارج کرتا ہوں۔

دستخط

یعقوب علی سیشن جج فیض آباد

۲۸؍اپریل ۱۹۴۹ء

واضح رہے کہ وہابیوں کا دائر کردہ مقدمہ دو برس تین ماہ تیرہ دن جاری رہ کر ۲۵؍ستمبر ۱۹۴۸ء کو ختم ہوا۔ پھر ان کی اپیل کا فیصلہ ۲۸؍اپریل ۱۹۴۹ء کو ہوا۔ ''فرحت افزا فتح مبین'' میں وہابیوں کے استغاثے کا پورا مضمون مستغیثان وبعض گواہوں کا بیانِ ظہری پھر برسر اجلاس حضرت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ کا زبانی مختصر بیان اور تحریری طویل بیان پھر مجسٹریٹ اور جج کا انگریزی میں فیصلہ اور اس کا اردو ترجمہ چھپ کر ہندوستان بھر میں شائع ہو چکا ہے جو صاحب اس تاریخی مقدمہ کی کارروائی اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا کامل تحریری بیان اور مجسٹریٹ وجج کا مکمل فیصلہ دیکھنا چاہیں وہ ''فرحت افزا فتح مبین'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اس عظیم الشان کامیابی پر دنیائے سنیت میں جشن کا ماحول تھا ہر ایک نے اپنے اعتبار سے مسرت وشادمانی کا اظہار کیا۔ مولانا محمد طیب دانا پوری نے اس موقع سے ایک معرکۃ الآرا تاریخی قطعہ لکھا اور قطعہ کے ہر بند سے حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا نام نامی اسم گرامی ''حشمت علی خان'' نکالا، وہ قطعہ یہ ہے۔

ح+ش۔	حمد خالق کو کہ دی اس نے ہمیں فتح وظفر	شرم سے جھک گئی ہر دیوبندی کی نظر
م+ت۔	مل گیا مٹی میں ان کا آج سارا طمطراق	تاج نصرت حضرت بوالفتح کے سر دیکھ کر
ع +ل۔	عید سے بڑھ کر مسرت سینوں میں ہے عیاں	لائے ہیں ہم بھی مبارک باد کا زریں گہر
ی+خ۔	یوں ہی دے ہر اہل سنت کو ظفر اے کارساز	خوب شق ہوتا رہے ہر دیوبندی کا جگر
ا+ن۔	اس خوشی میں آج طیب اس قدر مسرور ہے	نام سے نصرت کے اس کا سر ہے گویا عرش پر
	۳۶۷	۱۰۰۰

اسم فاتح پڑھ لو ہر مصرع کے پہلے حرف سے
اور سن فتح مبین ظاہر ہے پچھلے حرف سے
(شمع منورہ نجات، ص:۱۵۲)

مناظرۂ ادری

شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نے جتنے مناظرے کئے ان میں ادری ضلع اعظم گڑھ کے مناظرے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مناظرہ ۲۴/۲۵/۲۶/ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء بروز یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ مسلسل ہوتا رہا۔ اس مناظرے کے دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی کے علاوہ دوسرے چھوٹے بڑے ڈیڑھ سو علماء تھے۔ ادھر صرف اور صرف حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ تنہا تھے۔ خدائے برحق کے علاوہ بظاہر کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ اس وجہ سے مولانا عبدالاحد خاں نے یہ خیال فرماتے ہوئے ایک عریضہ محدث اعظم ہند کی جناب میں ارسال کیا۔ جس میں ادری کی صورت حال کا ذکر اور پھر مناظرے میں شرکت کی دعوت تھی۔ مگر محدث اعظم ہند پہلے سے تقریباً پورے ماہ دوسروں کے پابند ہو چکے تھے۔ وہ تو تشریف نہیں لائے البتہ حامل رقعہ کے بدست جو خط لکھا تھا اس میں اس مناظرے کی کامیابی کی یقین دہانی ضرور تھی۔

''جہاں تک منظور کی علمی استعداد کا حال ہے اس کی سرکوبی کے لئے اعز الاخوان فاضل جلیل الشان مولانا مولوی حشمت علی خاں صاحب نہ صرف یہ کہ کافی سے

زیادہ ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اس مناظرے کو منظور کر کے ہضمائلنفسہٖ تنزل سے کام لیا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حشمت علی کے جلو میں فتح و نصرت رہی اور منظور و مفرور کا تو قافیہ ہی ایک ہے...... میں اپنے آنے کی ادنیٰ ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔"

(مناظرہ ادری: مولانا محمد طیب داناپوری ص ۲۸، مطبوعہ ثانی الہ آباد ۱۴۰۳ھ)

اس مناظرے کا موضوع "مسئلہ علم غیب اور عالم الغیب" تھا۔ چنانچہ یہ موضوع دیوبندی مناظر ہی کا منتخب کردہ تھا۔ وہ (سنی) مناظر کے پاس بھیجنے والے پہلے عریضہ میں لکھتے ہیں:

"ہمارے یہاں آپ کے عقائد سے متعلق بہت زیادہ غلط فہمی پھیل گئی ہے۔ بالخصوص مسئلہ علم غیب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر میرے اور آپ کے مابین مباحثہ ہوجائے۔"

(مناظرہ ادری: مولانا محمد طیب داناپوری، ص ۲۶ مطبوعہ ثانی الہ آباد ۱۴۰۳ء)

استکتبہ احقر عباداللہ محمد منظور النعمانی

۱۳/اکتوبر ۱۹۳۳ء ۹ بج کر ۱۰ منٹ

باضابطہ مناظرہ ۲۴/جمادی الاخری سے شروع ہوا اور تین یوم لگاتار رہا۔ مناظرہ کی ابتدا تو تحریری ہوئی تھی مگر پھر تقریری میں مناظرہ تبدیل ہوگیا۔ جو انجام ہر مناظرے کا ہوتا ہے وہی انجام اس مناظرے کا بھی ہوا۔ جب دیوبندی مناظر کو شکست کا احساس ہوا تو اس نے تھانہ داروں اور وظائف کی مدد سے مناظرہ کو بند کر کے ہی دم لیا۔ مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ نے اس موقع سے ڈیڑھ سو سوالات قاہرہ علم غیب سے متعلق وارد کئے جس کا مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی اور ان کے ڈیڑھ سو معاون مولوی مل کر نہ جواب دے سکے۔

جن ڈیڑھ سو علماء نے مولوی منظور نعمانی کی پشت پناہی کی ان میں چند کے نام درج ذیل ہیں:

مولوی عبداللطیف مئوی، مولوی حبیب الرحمن مئوی، مولوی منیرالدین، مولوی محمد صدیق،

مولوی سعد اللہ، مولوی عبد الصمد کو پا گنجی، مولوی محمد امین ادری اور مولوی یار محمد گھوسی وغیرہ وغیرہ۔

مناظرے کی تفصیلی روداد شائع ہو چکی ہے جس کے مرتب مولانا محمد طیب داناپوری ہیں۔ ۲۰×۳۰ سائز کے ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے چہ جائیکہ میں اس مناظرے کے بارے میں لکھوں۔ ارباب ذوق سے گزارش ہے کہ خود اصل روداد کا مطالعہ معیار اور حق و انصاف کی کسوٹی پر رکھ کر فرمائیں تاکہ حق و باطل دودھ اور پانی کی طرح نکھر کر سامنے آجائے۔ اس روداد کا نام ''مناظرۂ ادری'' ہے۔ مگر تاریخی نام ''روداد مباحثہ اہلسنت وہابیہ'' (۱۳۵۲ھ) ہے اس کی دوسری بار طباعت الہ آباد سے صفر المظفر ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء میں طلبہ جماعت رابعہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ مناظرہ کی اس مختصر سی روداد سے لگایا جا سکتا ہے۔

''اس مناظرے میں دیوبندی مناظر نے تابیرنخلہ والی حدیث پیش کر کے ثابت کرنا چاہا کہ صحابہ کرام کی دنیوی علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد تھا۔ اس نے اسی تقریر میں یہ کہا کہ حدیث میں ''انتم اعلم باموردنیاکم'' ہے۔ ''انتم'' اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل مفضل و مفضل منہ چاہتا ہے۔ مفضل منہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مفضل صحابہ۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کو حضور سے یہ علم زائد تھا۔ اس نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ کو ہدایۃ النحو بھی یاد نہیں اس میں یہ لکھا ہے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے جوابی تقریر میں اسی وقت اپنے حریف سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔ مجھے ہدایۃ النحو یاد نہ ہونے کا طنز دینے والے تمہیں پنج گنج اور نحو میر بھی یاد نہیں۔ پنج گنج میں ہے افعل کا وزن تین معنوں کے لئے آتا ہے۔ ایک اسم صریح جیسے اکمل دوسرے صفت جیسے احمر تیسرے اسم تفضیل جیسے افضل۔ نحو میر میں مذکور ہے کہ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ ایک من کے ساتھ ایک الف لام کے ساتھ ایک اضافت کے ساتھ۔ یہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعلم اسم تفضیل کے لئے نہیں بلکہ صفت محض

کے لئے ہے۔اب صحابہ کرام کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد علم ثابت نہیں ہوا۔

(مناظرہ ادری:ص ۶۳)

مناظرہ گیا

گیا کا مناظرہ بھی تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مناظرہ تحریری اور تحذیر الناس کی اس عبارت پر تھا۔جس میں مولانا قاسم نانوتوی نے رسول کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا ہے۔لکھتے ہیں:

''عوام کے خیال میں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ زمانہ کے تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔''

(تحذیر الناس:ص ۲۴)

دوسری جگہ یہ عبارت ہے:

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بھی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس:ص ۲۴)

یہ مناظرہ محلہ معروف گنج کے وسیع میدان میں ۲۹ رذیقعدہ ۱۳۵۴ھ رفروری ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوا تھا۔مناظرہ ''حفظ الایمان'' کی عبارت پر ہونا طے پایا تھا مگر دیوبندی مناظر اس پر راضی نہیں ہوئے۔اس لئے تحذیر الناس ہی کی عبارت کو موضوع بحث بنایا گیا۔(تفصیل کے لئے دیکھئے الفقیہ امرتسر ۲۸ رمارچ ۱۹۳۶ء جلد ۱۹)

عام طور پر مناظرے ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارتوں پر ہوتے ہیں۔مناظروں کی دنیا میں یہ اچھوتا موضوع تھا۔مگر مولانا حشمت علی تو علم کے بحر بیکراں تھے ہی ہر قسم کے موضوعات پر مناظرہ کرنے کے لئے ہمہ دم تیار رہتے تھے۔چنانچہ انھوں نے اپنے حریف مناظر کے ارادے اور چیلنج کا خیر مقدم کیا۔ظاہر ہے کہ اس قسم کے موضوعات سے وہ شیر بیشۂ اہل سنت کو رعب میں لینا چاہتا تھا۔مگر ایسا نہ ہوسکا۔اس مناظرے میں ان کے حریف مناظر مولوی منظور سنبھلی تھے۔مناظرہ حالانکہ اصول وضوابط کے مطابق طے ہو چکا تھا اس سے مفر ممکن نہیں تھا۔

مناظرہ شروع ہوتے ہی مولانا منظور سنبھلی نے بجائے اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے مدعی اور مدعی علیہ کی بحث چھیڑ دی۔ ظاہر ہے کہ اس کا موضوع سے کسی طرح کوئی مناسبت نہیں تھی۔ مگر کیا کہا جائے حریف مناظر کو۔ انھوں نے کہا کہ مولانا! یہ بتائیے کہ مدعی کون ہے اور مدعی علیہ کون ہے؟ اپنے کو مدعی ثابت کرنے کے لئے دیوبندی نے کہا کہ مدعی کسی چیز کو ثابت کرنے والے کو کہتے ہیں اور مدعی علیہ انکار کرنے والے کو۔ اسی بنا پر مدعی علیہ کو منکر بھی کہا جاتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور آپ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں لہٰذا ہم مدعی ہوئے اور آپ لوگ مدعی علیہ۔ اور اس کے علاوہ اگر ایک شخص چند مختلف اعتبارات سے مختلف صفت سے موصوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ مشہور مقولہ ہے لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا مولوی لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ نہ تو فرمان خدا ہے اور نہ ہی قول رسول اور یہ اصول فقہ کا کوئی قاعدہ کلیہ بھی نہیں۔ موضوع بحث اس وقت فلسفہ کے خرافات نہیں۔ اور پھر فلاسفہ کے نزدیک بھی مختلف اعتبارات سے وہی چیزیں مختلف ہوتی ہیں جو اعتباری ہوں۔ شئی واقعی اعتبارات کے بدلنے سے نہیں بدلتی۔ مدعی اور مدعی علیہ ہونا اعتباری نہیں کہ اعتبارات کے اختلاف سے مختلف ہوجائے۔ یہ واقعی چیز ہے۔ مدعی کے احکام الگ ہیں۔ مدعی علیہ کے احکام الگ۔ ایک شخص کو آپ کی بتائی ہوئی تعریف پر مدعی اور مدعی علیہ دونوں مان لیا جائے تو حدیث مشہور البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کے مطابق قضاۃ اسلام کو فیصلہ کرنا دشوار ہوجائے گا۔ مثلاً آپ میرے اس عصا کو اپنے ہاتھ میں لے کر قاضی اسلام کے سامنے جائیں اور کہیں کہ یہ عصا میرا ہے اور میں وہاں آپ کا خصم ہو کر یہ کہوں کہ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھ میں کھڑا ہے میرا ہے۔ آپ بتائیے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعریف کی بنا پر آپ بھی مدعی اور میں بھی مدعی اور اس حیثیت سے کہ آپ میرا عصا ہونے سے انکار کرتے ہیں آپ منکر اور مدعی! اور میں آپ کا عصا ہونے سے انکار کرتا ہوں میں بھی منکر اور مدعی علیہ اب آپ بتائیے کہ قاضی اسلام کس سے بیّنہ طلب کرے گا اور کس سے قسم لے گا۔

اگر میرے اس سوال کے جواب میں یہ کہیں کہ دونوں سے بیّنہ لے گا دونوں سے قسم

لے گا تو چونکہ واقع میں عصا میرا ہے لہٰذا میں قسم کھالوں گا کہ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھ میں کھڑا ہے میرا ہے جسے انھوں نے زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور آپ کے اعتقاد کے مطابق چونکہ خدا جھوٹا ہے لہٰذا آپ کی جھوٹی قسم کھانے میں کہاں باک ہوگا۔ اب بتایئے قاضی اسلام کس کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ کتابوں میں مدعی اور مدعی علیہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔

شیر بیشۂ اہل سنت کی اس تقریر سے دیوبندی مناظر کی بولتی بند ہوگئی اور اپنی خفت مٹانے کے لئے سٹی مجسٹریٹ سے جو مناظرہ کے انتظام کے لئے موجود تھا فریاد کی۔ حضور سی، ڈی، ایم صاحب! میری مدد کو پہنچیں مولوی حشمت علی صاحب نے مجھے گالی دی ہے اور اپنے آپ کو میرا خصم کہا ہے۔ خصم کے معنی شوہر کے ہیں۔ آپ خود شوہر بنے ہیں اور مجھے بیوی بنایا ہے۔ اسی بنا پر ڈنڈا ہاتھ میں ہے اور ڈنڈا کھڑا کرنے کا بار بار ذکر کرتے ہیں ان کو تنبیہ کی جائے کہ وہ ایسے الفاظ نہ استعمال کریں۔ یہ دیکھئے یہ لغات کشوری ہے اس میں دیکھئے خصم کے معنی شوہر لکھے ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو اس فرار سے حیرت ہوئی۔ آپ نے سٹی مجسٹریٹ سے فرمایا کہ نہ معلوم میرے مخاطب کو کیوں دھوکا ہوگیا کہ میں ان کا شوہر اور وہ میری بیوی ہیں حالانکہ وہ عورت نہیں۔ اگر بالفرض وہ عورت ہوتے بھی تو انھیں معلوم ہے کہ میں سنی ہوں اور وہ دیوبندی ہیں۔ دیوبندی عورت کا نکاح کسی سنی سے درست نہیں۔ میں ان سے نکاح کب کرسکتا ہوں۔ اسی پر سارے مجمع نے قہقہہ لگایا۔ خود سٹی مجسٹریٹ بھی کافی محظوظ ہوا۔ لیکن دیوبندی مناظر کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا کہ پھر آپ نے اپنے آپ کو ان کا خصم کیوں کہا۔ خصم کے معنی شوہر کے ہیں اور اس میں ان کی دلآزاری ہے۔

اس پر شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا کہ انھیں اپنے اوپر اس قسم کے الفاظ چسپاں کرنے میں کوئی لذت محسوس ہوئی ہے جبھی تو انھوں نے چسپاں کیا ہے۔ حالانکہ خصم عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی مدعی کے ہیں۔ دیکھئے ''مناظرہ رشیدیہ'' اس میں خصم بمعنی ''مدعی'' مستعمل ہے۔ دیکھئے یہ فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور بڑے بڑے محققین اسے

زیر مطالعہ رکھتے ہیں۔ اس میں بھی خصم مدعی کے معنی میں مذکور ہے۔ سٹی مجسٹریٹ اور سارا مجمع انگشت بدنداں تھا کہ دیوبندی مناظر نے خصم کے معنی شوہر مزاد لے کر اپنے اوپر زبردستی چسپاں کرنے میں کوئی شرم بھی محسوس نہیں کی۔ اس پر مجسٹریٹ نے کہا دیکھئے یہ (شیر بیشۂ اہل سنت) خصم کے معنی مدعی بتاتے ہیں اور ثبوت میں یہ کتابیں دکھاتے ہیں اور اب آپ کو کیا اعتراض ہے۔ دیوبندی مناظر نے کہا اور انتہائی دھاندلی کے ساتھ کہا کہ جب تک یہ لفظ واپس نہ لے لیں گے میں مناظرہ پر راضی نہیں ہوں گا۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا یہ تو معقول پسندی نہیں۔ آپ میرے استدلال کو دلائل سے رد کیجئے۔ میں اپنا لفظ واپس لے لوں گا۔ دیوبندی مناظر ہٹ کرتے ہوئے بولا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا جب تک یہ اپنا لفظ واپس نہیں لیں گے میں ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گا۔

اب سٹی مجسٹریٹ نے شیر بیشۂ اہل سنت سے کہا کہ میں مجبور ہوں یا تو آپ اپنا لفظ واپس لے لیں یا مناظرہ بند کر دیں۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا جب میرے مخاطب اس قدر ضد کر رہے ہیں اور مجھے بہر حال مناظرہ کرنا ہے لہٰذا میں اپنا لفظ واپس لیتا ہوں۔

اب میرے مخاطب میرے اعتراضات کا جواب دیں۔ دیوبندی مناظر تو یہ سمجھا کہ شیر بیشۂ اہل سنت اپنے لفظ کو تو واپس نہ لیں گے اور میری جان بچ جائے گی۔ لیکن جب کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنا لفظ واپس لے لیا اور اپنے اعتراضات کے جواب مانگنے تو دیوبندی مناظر کے چہرے پر پسینے آنے لگے۔ بدحواسی کے عالم میں یہ بولا کہ میں نے مدعی کی تعریف کر دی اور میں نے اپنے کو مدعی علیہ ثابت کر دیا اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر آپ کو مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف یاد ہو تو بتائیے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے گرجتی ہوئی پُر جلال آواز میں فرمایا یہ تمہاری عجیب عادت ہے کہ تعلیوں میں تو آسمان سے اوپر پرواز کی سوجھی ہے اور اعتراضات کے جوابات کے وقت تحت الثریٰ میں پہنچ جاتے ہو۔ محض تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس تعریف کو صحیح بھی ثابت کر و اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دو۔

"اب سارے مجمع کو معلوم ہو گیا کہ دیوبندی مناظر کو مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف معلوم نہیں۔"

لہٰذا میں اس بحث کو ختم کرنے کے لئے مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف کر کے ثابت کرتا ہوں کہ میں مدعی ہوں اور تم مدعی علیہ۔ سنو! ظاہر کے خلاف ثابت کرنے والے کو مدعی کہتے ہیں۔ اور ظاہر کے مطابق ثابت کرنے والے کو مدعی علیہ اور منکر کہتے ہیں۔ یہ عصا اس وقت میرے ہاتھ میں ہے اور آپ کہیں کہ میرا ہے تو آپ کا کہنا ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا آپ مدعی ہوئے میں کہوں کہ آپ کا نہیں میرا ہے تو ظاہر کے مطابق ہے لہٰذا میں مدعی علیہ ہوا۔ اس طرح جو مدعی اسلام ہے اس کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ مسلمان نہیں ہے تو اس کا کہنا ظاہر کے خلاف ہے یہ مدعی ہوا۔ اور وہ مدعی علیہ، آپ کی جماعت بھی مدعی اسلام ہے، ہمارے علمائے اہلسنت کا آپ کے بارے میں فتویٰ ہے کہ آپ لوگ مسلمان نہیں کافر ہیں۔ ظاہر آپ کے مطابق ہے لہٰذا آپ لوگ مدعی علیہ اور منکر ہوئے اور ہم ظاہر کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں تو ہم مدعی ہوئے۔ اس فاضلانہ تقریر سے تمام مجمع جوش مسرت میں واہ واہ کے نعرے لگانے لگا۔ دیوبندی مناظر اور اس کے معاونین سب کے سب انگشت بدنداں اور ایسے خائب و خاسر ہوئے کہ مارے شرم کے سر نہیں اٹھا رہے تھے۔ لیکن پھر بھی اپنا بھرم رکھنے کے لئے دیوبندی مناظر بولا اچھا مولانا آپ کو مدعی بننے کا شوق ہے تو جائیے آپ ہی مدعی بنئے ہم مدعی علیہ بنتے ہیں۔ مدعی علیہ پر قسم ہے آپ ہم سے قسم لیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ میں بہ حلف شرعی کہتا ہوں کہ رب کعبہ کی قسم میں مسلمان ہوں چلئے بحث کا تصفیہ کر لیجئے ہماری قسم پر اعتبار کر لیجئے ہمیں مسلمان مان لیجئے اختلاف ختم کیجئے۔

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا سبحان اللہ! سبحان اللہ! آپ کی اس ہوشیاری کی داد نہیں دی جا سکتی۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مدعی علیہ پر یمین اس وقت ہے جب مدعی بیّنہ پیش نہ کر سکے۔ میرے پاس آپ کے کفر کی براہین قاطعہ ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کی قسم کا کوئی محل نہیں۔ پھر جب کہ آپ کے نزدیک آپ کا خدا جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ آپ کے اکابر کے فتوے کے مطابق وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے تو آپ کو جھوٹی قسم کھانے میں کیا دریغ۔ اور آپ کی قسم کا کیا اعتبار؟ اس کے بعد دیوبندی مناظر نے کئی گھنٹے اس میں ضائع کئے کہ موضوع

مناظرہ کونسی عبارت ہوگی۔

حالانکہ جب دیوبندی مناظر نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو مدعی مان لیا تھا تو اختیار حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو تھا کہ دیوبندیوں کے کفر پر جو دلیل چاہتے پیش کرتے لیکن دیوبندی مناظر کو مناظرہ تو کرنا تھا نہیں اس لئے وقت ٹالنے کے لئے یہ ضد کرنے لگا کہ مناظرہ ''تحذیر الناس'' کی عبارت ہی پر ہوگا۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کو مناظرہ کرنا تھا اس لئے دیوبندی مناظر کی اس ضد کو بھی منظور فرمالیا اور ''تحذیر الناس'' کی عبارت پر مناظرہ شروع فرمادیا۔ یہ مناظرہ اتنا کامیاب رہا کہ دیوبندی مناظر کی عاجزی و بے کسی اس کے چہرے پر مجمع کے ہر فرد کے سامنے عیاں تھی۔ دیوبندی مناظر کی جوابی تقریر پر جب شیر بیشۂ اہل سنت اعتراضات قاہرہ وارد کرتے تو دیوبندی مناظر لاجواب ہوکر مبہوت ہوجاتا۔ دیوبندی مناظر کا کہنا تھا کہ نانوتوی صاحب ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں مانتے بلکہ خاتمیت ذاتی مراد لیتے ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ''ہدایۃ المھدیین'' مصنفہ مولوی محمد شفیع دیوبندی کی یہ عبارت پیش کی ''ان اللغة العربية حاكمة بان معنى خاتم النبيين في الآيت هو آخر النبيين'' (محمد شفیع ہدایۃ المھدیین ص ۲۱ مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۲ھ) عربی لغت اس پر حاکم ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ہیں اور پھر سید شہاب الدین آلوسی بغدادی (وفات ۱۲۷۰ھ) کی مشہور تفسیر ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی'' کی ایک عبارت سنائی اور جب اس کا ترجمہ کیا کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو اس کے خلاف دعویٰ کرے کافر ہے اور اسی پر اڑا رہے تو قتل کیا جائے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت فرماتے ہیں کہ میرے استدلال کو سن کر منظور ہکابکا رہ گیا۔ اور غریب منظور نے میری تحریر کو ہاتھ میں لے کر اس بے کسی کے ساتھ مجھے دیکھا کہ اگر معاملہ کفر و اسلام کا نہ ہوتا تو مجھے ضرور ترس آجاتا۔ اس وقت میں نے منظور سے کہا کہ اب بھی مان لو اور سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فرمانے سے نہ سہی اپنے مادر علمی کے مفتی کے کہنے سے قبول کرلو کہ یہ کفری عبارت ہے۔

یہ یاد رکھئے کہ وہ واحد مناظرہ تھا جو ''تحذیر الناس'' کی عبارت پر ہوا سوائے اس ایک

مناظرے کے اس عبارت پر اور کوئی دوسرا مناظرہ کبھی ہوا ہی نہیں۔ منظور کی عادت تھی کہ ہر مناظرے میں لہک لہک کر اس عبارت پر مناظرہ کے لئے تیار ہوتا تھا۔ چونکہ اس کے پاس اس عبارت کی تاویلات باطلہ کی تائیدات تین پشت کی جمع کردہ موجود تھیں اور وہ ان پر نازاں تھا کہ ان کے جوابات کوئی سنی عالم اچانک نہیں دے سکتا لیکن جب ''گیا'' بہار میں اس کی ساری پونجی کے پرخچے اڑ گئے تو حیران رہ گیا اور اپنی آبرو بچانے کے لئے حضرت علیہ الرحمہ کا وہ ٹرنک جس میں کتابیں اور طرفین کے مناظرے کی فائلیں تھیں غائب کروا دیا۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے کئی بار حسرت کے ساتھ فرمایا کاش کہ وہ روئیداد چھپ جاتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ دیوبندی کتنے کیّا دو مکّار اور آنکھ میں دھول جھونکنے کے فن میں کتنے ماہر ہوتے ہیں۔'' (ماہنامہ اعلیٰ حضرت ص ۶۰ جون ۱۹۹۰ء)

مناظرۂ سنبھل

شیر بیشۂ سنت اور مولوی منظور سنبھلی کے مابین حق و باطل کی اکثر معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ سنبھل کا مناظرہ جو خاص منظور سنبھلی کا وطن ہے انھیں معرکوں کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس مناظرے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اسے اپنے گھر میں شکست فاش ہوئی جو ان کے لئے انتہائی ذلت وندامت کا باعث ہے۔ دوسرے مناظروں کی طرح یہاں بھی اصل مناظر تو منظور سنبھلی تھے مگر ان کی پشت پناہی کرنے والوں کی تعداد سیکڑوں میں تھی۔ اس مناظرے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔ مولوی منظور سنبھلی نے جمال الملۃ مولانا محمد اجمل سنبھلی کو ایک تحریر ارسال کی جس میں لکھا تھا کہ:

> ''دیوبندیوں کے کفر واسلام پر ایک زبردست مناظرہ تم اپنی مجموعی حیثیت کے ساتھ ایک بار مجھ سے کرالو میں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بار بار کہاں تک مناظرہ کرتا رہوں گا آج مسئلہ میلاد پر کروں پھر قیام پر کروں پھر علم غیب پر مناظرہ کروں لہٰذا ایسے مسئلے پر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں جس کا بہترین نتیجہ برآمد ہو۔'' (معرکہ حق و باطل مرتبہ محمد یونس ص ۶ مطبوعہ دہلی ۱۴۰۵ھ)

خود یہ تحریک شروع کی مگر جب تاریخ مناظرہ آئی تو وہ سارے کے سارے مولوی نہ

جانے کہاں گھس کر پناہ لینے لگے۔

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء کو بہت ہی کوششوں کے بعد مناظرہ چبوترہ انجمن معاون الاسلام پر شروع ہوا۔ مناظرہ سے فرار اختیار کرنے کے سلسلے میں دیابنہ نے نہ جانے کتنی چالیں چلیں مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر شیر بیشۂ اہل سنت انھیں میدان مناظرہ میں کھینچ ہی لائے۔ ''مسئلہ علم غیب'' مناظرہ کا موضوع طے پانے کے ساتھ تقریری ہونا بھی طے پایا۔ دیوبندی مناظر نے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اس سے آپ کی کیا مراد ہے بعطائے الٰہی یا بغیر عطائے الٰہی بعض کا یا کل کا غیب مانتے ہیں؟

شیر بیشۂ اہل سنت: میں اپنے دعویٰ کو پیش کرتا ہوں سنئے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت و محبت سے اس قدر علم غیب عطا فرمایا کہ تمام ''ما کان و ما یکون'' کو شامل ہو گیا۔

دیوبندی مناظر: افسوس میں نے جو بات دریافت کی آپ نے ایسا جواب دیا جسے عربی داں سمجھ گئے لیکن جو عربی نہیں جانتے وہ کچھ نہیں سمجھے کہ ما کان و ما یکون کیا چیز ہے۔ یہ بھی بتائیے کہ ما کان و ما یکون ازل سے ابد تک تمام معلومات کو شامل ہے یا نہیں؟

شیر بیشۂ اہل سنت: میں نے صاف الفاظ عرض کئے تھے آپ اور تفصیل چاہتے ہیں میں اور وضاحت کئے دیتا ہوں۔ سنئے حضرت عزت وعظمت نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب عرش تا فرش سب انھیں دکھایا ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا۔ روز اول سے روز آخر تک سب ما کان و ما یکون انھیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی

ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم عظیم ان
سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر ہر رطب و یابس خشک وتر جو پتا
گرتا ہے زمین کے اندھیریوں میں جو دانہ پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا
والحمدللہ حمداً کثیراً بلکہ یہ کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا پورا علم نہیں بلکہ حضور کے علم سے ایک چھوٹا سا حصہ ہے ہنوز احاطہ علم محمدی میں
وہ ہزار در ہزار بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں۔ جن کی حقیقت وہ جانے یا
ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولیٰ جل وعلا۔ (معرکہ حق وباطل ص ۱۰)

اس طرح بحث ومباحثے کئی علماء کے جمگھٹ کے ساتھ ساتھ ہزاروں سامعین کے مجمع میں ہوئے۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے علم وفن کے جو جوہر دکھائے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ڈیڑھ سو سوالات اب بھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جو ان پر واجب الادا ہیں۔ جیسی شکست منظور سنبھلی کو اس مناظرے میں ہوئی ویسی شاید ہی کسی مناظرے میں ہوئی ہو۔ اس دن وہابیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی اہلسنت سے منھ چھپائے پھرتے تھے۔ سب کی زبانوں پر مہر سکوت لگی ہوئی تھی۔ اپنی ذلت ورسوائی کا اچھی طرح انھیں احساس تھا مگر اہلسنت کو گالیوں سے یاد کرنے کے سوا اور کچھ بس نہ چلتا تھا۔ نشست گاہیں سرد پڑ گئی تھیں۔ بعضوں نے ہفتوں تک گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ کتنوں نے کچھ زمانہ تک بازار کی آمدورفت بند کر دی اور اکثر نے اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کر لی۔

اس مناظرے کی مکمل روداد حضرت مولانا محمد یونس قدس سرہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد نے ''معرکہ حق وباطل'' کے نام سے ترتیب دی ہے جس کا تاریخی نام ''تصفیۂ مناظرہ سنبھل'' (۱۹۲۸ء) ہے جب کہ اس کا لقبی نام ''افتادِ منظور خداوندی برا کابر فرقہ دیوبندی'' ہے اس کی اشاعت پہلی بار سنبھل سے ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ اب دوسری بار آستانہ حشمتیہ پیلی بھیت سے ۱۸×۲۲ کے سائز پر ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل عمدہ طباعت کے ساتھ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء میں جناب مولانا قاری عطاء الحشمت کی کوششوں اور مولانا محمد ادریس

رضا خاں کے زیر اہتمام شائع ہو چکی ہے۔حق و باطل میں خط امتیاز کھینچنے کے لئے اس مناظرے کی روداد کا تفصیلی مطالعہ از حد ضروری ہے۔

مناظرۂ پنجاب

یہ مناظرہ ۲۹ر جون ۱۹۲۴ء کو فیروز پور پنجاب میں علمائے اہل سنت و جماعت اور غیر مقلدین و آریہ سماج کے علماء کے درمیان ہوا۔اس مناظرے میں اہل سنت و جماعت کے جلیل القدر علماء کی موجودگی میں مناظرے کے فرائض حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے انجام دیئے۔اس مناظرے کے اسباب وقوع سے متعلق بحث کرتے ہوئے مناظرۂ پنجاب کے مرتب لکھتے ہیں۔

> ''فیروز پور پنجاب میں آریوں نے رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ سے بہت فتنہ انگیزی برپا کر رکھی تھی اور پنڈت دھرم بھکشو اور ان کے امثال بہت زائد دریدہ دہنی، بدزبانی و بدلگامی سے اسلام و مسلمین کی سخت سخت توہین کر کر کے مسلمانوں کا دل دکھا رہے تھے۔''
>
> (مناظرۂ پنجاب: مرتبہ مولوی فرزند علی، ص ۲۶ مطبوعہ ۱۴۰۶ھ)

جب مسلمانوں سے ان کی یہ شر انگیزی برداشت نہ ہوئی تو انھوں نے پہلے تو ایک مدرسہ ''انجمن حنفیہ'' کے نام سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ اور حضرت صوفی شاہ پیر جماعت علی علیہ الرحمہ کی سر پرستی میں قائم کیا۔اس سلسلے میں حضرت مولانا احمد مختار میرٹھی علیہم الرحمہ والرضوان نے کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اس انجمن کا قیام آپ ہی کی جد و جہد کا نتیجہ ہے۔اس انجمن حنیفہ کے زیر اہتمام مناظرہ ہونا طے پایا۔اس سلسلے میں مولانا احمد مختار اغیار کی فتنہ انگیزی کا جواب دینے کے لئے مراد آباد سے استاذ العلماء حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا محمد عمر نعیمی اور بریلی دار الافتاء سے حضرت مولانا حشمت علی خاں علیہم الرحمۃ والرضوان کو ساتھ لے گئے۔آپ حضرات کی آمد پر فیروز پور کے سنی عوام نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ جمعہ کا دن تھا نمازیوں سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور بعد نماز جمعہ جلسہ تھا۔ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور بعد نماز جمعہ نعرۂ

تکبیر ورسالت اور درود شریف کی صداؤں کی گونج میں علمائے کرام جلسہ گاہ تشریف لائے اور پھر روایتی شان وشوکت کے ساتھ جلسہ کا آغاز ہوا۔ حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے پہلی تقریر فرمائی اور موضوع تقریر ''ویدک دھرم'' مقرر کیا۔ اس موضوع پر آپ نے جو عالمانہ اور بصیرت افروز تقریر فرمائی اس سے آریہ سماج کے لوگ مبہوت ہو گئے اور مناظرے سے پہلو تہی کرنے لگے اور اس سلسلہ میں نہ جانے کتنی افواہیں پھیلائی گئیں۔ نتیجہ یہی ہوا کہ علمائے حق کے بالمقابل ان کے قدم اکھڑ گئے اور کسی قیمت پر مناظرے کے لئے نہیں تیار ہو سکے۔ اسی دن ۶ ربجے شام کو حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی تقریر ہوئی۔ ''مذاہب باطلہ کی تردید'' عنوان سخن قرار پایا۔ اس موضوع پر آپ نے جو ایمان افروز تقریر فرمائی۔ اس کی حلاوت کی لذت سننے والے کان اب بھی محسوس کر رہے ہوں گے۔ اس تقریر میں مذہب اہلسنت کی حقانیت پر آپ نے ایسے زبردست دلائل دیے کہ مجمع بے اختیار پکار اٹھا کہ اہلسنت کے سوا جتنے فرقے ہیں سب دجالین گمراہ اور بددین ہیں۔

دوسرے دن صبح محمد اسماعیل سکریٹری انجمن اہلحدیث فیروز پور کی طرف سے ایک تحریر آئی جس میں درج تھا۔

> ''مولوی حشمت علی خاں نے ہم کو دجالی کہا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ انفرادی طور پر ان سے باقائدہ (باقاعدہ) مناظرہ ہو جائے۔''
>
> (مناظرۂ پنجاب، ص:۲۵)

سکریٹری صاحب کے مبلغ علم کا عالم یہ تھا کہ اس تحریر میں دوجگہ ''باقائدہ'' لکھا ہوا تھا۔ جب اس کی اطلاع حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو ہوئی تو آپ نے فرمایا میں نے کب دجالی کہا ہے۔ میں نے ان کے خیالات بیان کر کے مجمع سے پوچھا تھا مجمع نے انھیں دجال، کذاب، گمراہ وبددین کہا ہے لہٰذا انھیں مجمع سے چیلنج مناظرہ کرنا چاہئے اور جہاں تک رہا مجھ سے مناظرہ کرنے کا معاملہ تو میں بلاشرط جہاں چاہیں جب چاہیں جس مسئلہ پر چاہیں میں ہر وقت مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بہرحال مناظرہ کی تاریخ مقرر ہوگئی اور روز یکشنبہ ۲۵ رذیقعدہ ۱۳۴۲ھ

مطابق ۲۹ر جون ۱۹۲۴ء ۵ بجے سہ پہر سے ساڑھے سات بجے شام تک مراد علی صاحب غیر مقلد رئیس فیروز پور کے مکان پر مناظرہ رکھا گیا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت وقت مقررہ پر اکیلے مقام مناظرہ پر پہنچ گئے۔ غیر مقلدین کی طرف سے مناظر مولوی عبد الرحیم شاہ مکھوی تھے اور دوسرے اعوان ان کی پشت پناہی میں تھے۔ مناظرہ کا آغاز ہوتے ہی حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے مولوی عبد الرحیم شاہ مکھوی سے ایک تحریر لی جس میں درج تھا ''میں عالم ہوں اور قرآن کی کسی آیت کا منکر کافر ہے۔'' آغاز مناظرہ میں مکھوی شاہ نے تہتر فرقوں والی حدیث پڑھ کر کہا ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجات پانے والا فرقہ صرف سنت والجماعت ہے اور صرف ہم اہلحدیث ہی سنت والجماعت ہیں کہ صرف حدیث کو مانتے اور تمام جماعت صحابہ کا اتباع کرتے ہیں۔ آپ لوگ حدیث کو نہیں مانتے بلکہ اپنے اماموں کے اقوال کو مانتے اور شخص معین کی تقلید کرتے ہیں تو جماعت کا اتباع بھی آپ لوگ نہیں کرتے تو آپ سنت والجماعت نہ ہوئے تو ضرور آپ جہنمی ثابت ہوئے اور نجات پانے والا فرقہ صرف اہلحدیث ہے اور وہی سنت والجماعت ہے۔'' (مناظرہ پنجاب ص ۲۶)

شاہ مکھوی کی اس تقریر کے جواب میں شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا:

''پہلے یہی بتا دیجئے کہ ''سنت والجماعت'' کون سا لفظ ہے یہ کیسی ترکیب ہے اس پر الف لام کیسا ہے یہ لفظ اس ترکیب کے ساتھ عربی ہے یا فارسی یا کیا اور اس کو جو آپ نے اپنے اوپر حمل کیا تو یہ کونسی قسم کا حمل ہے اور آپ پر یہ حمل جائز ہے یا ناجائز افسوس جس شخص کو بولنے تک کی تمیز نہیں وہ یوں دعویٰ کرے کہ ''میں عالم ہوں'' دوسرے آپ حدیث کے سوا کچھ نہیں مانتے یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے ہی فرقہ کا نام سنت والجماعت ہے تو اس کے ثبوت میں لائیے کوئی حدیث صحیح جس میں آپ کے فرقہ کا نام سنت والجماعت رکھا گیا ہو پیش کیجئے۔'' (مناظرہ پنجاب ص ۲۶)

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے اس طرح سوالات کی بوچھار کر دی کہ وہ دم بخود ہو کر

کھڑے ہو گئے اور سوالوں کا جواب دینے کے بجائے فرمایا۔

''رسول اللہ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ میری صراط مستقیم ہے اور دو خط داہنی طرف اور دو بائیں طرف کھینچے اور فرمایا یہ گمراہی کے راستے ہیں۔''

(مناظرہ پنجاب، ص:۲۸)

یہ دیکھئے آپ کے چاروں مذہبوں کو رسول مقبول نے طرق ضلال فرمایا۔ اس پر مولوی محمد شیر خاں جو سنیوں کی طرف سے صدر مناظرہ تھے باآواز بلند فرمایا۔

''اگر تم حدیث سے ثابت کر دو کہ ان چار خطوط سے مراد مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ہیں تو ابھی دو سو روپے کے انعام دیتا ہوں اور اگر نہ ثابت کر سکو تو خبردار اب اس حدیث کا یہ مطلب نہ گڑھو۔'' اس پر شاہ مکھوی خاموش ہو گئے۔(مناظرہ پنجاب، ص:۲۸)

مناظرہ اسی طرح جاری رہا۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے سوالات قاہرہ کی تاب بھلا جب ان کے اساتذہ نہ لا سکے تو وہ کیونکر لا سکتے تھے۔ جلد ہی سپر ڈال دیے۔ شیر بیشۂ اہل سنت کو اعلیٰ کامیابی ملی اور سارے شہر فیروز پور میں ظفر و فیروز مندی کا جلوس نکالا گیا شہر کے سنی عوام مارے خوشیوں کے پھولے نہ سماتے تھے۔ جب کہ غیر مقلدین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس مناظرے کی تفصیل ''مناظرۂ پنجاب'' اور بنام تاریخی ''ہیبت قہار یہ بنار یہ وسماجی آریہ'' (۱۳۴۲ھ) شائع ہو چکی ہے۔ اس کے مرتب مولانا مولوی سید فیروز علی ہیں جو ایک عرصہ مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے نگراں رہ چکے ہیں۔ کتاب حشمت نگر پیلی بھیت سے قاری عطاء الحشمت کے زیر اہتمام ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۴ء میں دوسری بار چھپی ہے۔

مناظرۂ ملتان

ملتان (پاکستان) کا مناظرہ بھی اپنی نوعیت کا واحد مناظرہ ہے جس میں دیوبندی مناظر کو شرمناک شکست ہوئی ہے۔ یہ مناظرہ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق جون ۱۹۳۷ء میں بمقام باغ لانگے خاں میں ہوا۔ اس مناظرے کا موضوع ''وہابیہ دیوبندیہ کے اقوال کفریہ'' تھا۔

وہابیوں کی طرف سے صدر مولوی عطاء اللہ بخاری کانگریسی کو نامزد کیا گیا۔ جب کہ اہلسنت و جماعت کے صدر جناب قاضی فیض رسول اویسی خطیب جامع مسجد منتخب ہوئے۔

اس مناظرے کے انعقاد سے پہلے انجمن حزب الاحناف ملتان کی طرف سے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ جو دراصل اس عظیم الشان معرکہ حق و باطل کا پیش خیمہ تھا۔ اس اجلاس میں ملک کے نامور علماء نے شرکت کی جس میں درج ذیل حضرات انتہائی اہم تھے۔

(۱) حضرت ابوالمحامد سید محمد شاہ صاحب محدث اعظم کچھو چھہ شریف

(۲) استاذ العلماء حضرت مولانا نعیم الدین صاحب صدر آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد

(۳) صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب صدر المدرسین بریلی شریف

(۴) حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خاں صاحب رضوی لکھنوی

(۵) حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان بریلی شریف

لیکن جن لوگوں کی انتھک کوششوں سے یہ عظیم الشان اجلاس وجود میں آیا تھا ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

(۱) مولوی قاضی فیض رسول صاحب نائب صدر انجمن حزب الاحناف (ملتان)

(۲) مولوی غلام جہانیاں صاحب معینی قریشی جنرل سکریٹری

(۳) مولوی محمد امین صاحب جرنلسٹ فینانس سکریٹری

(۴) مولوی مطیع اللہ صاحب محاسب

(۵) مولوی محبوب احمد پروپیگنڈہ سکریٹری

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے حضرات تھے جنھوں نے اجلاس و مناظرہ دونوں کو فتح و کامرانی کا جامہ پہنانے کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔

۷ ربیع الاول کو مناظرہ شروع ہوا۔ صدر اہلسنت نے کہا کہ وہابیوں نے اس علاقے میں بارگاہ رسالت میں گستاخیاں کر کے غربائے اہلسنت کو دامن فریب میں لانے کی کوشش کی ہیں۔ لہٰذا یہ خود سامنے آئیں اور مناظرہ کریں۔ اس سلسلے میں بات بہت آگے بڑھ گئی مگر وہ کسی

طرح راضی نہ ہوئے۔ سارا مجمع مطالبہ کر رہا تھا کہ مولوی عطاء اللہ تم خود مناظرہ کرو۔ ہم کسی دوسرے کو نہیں جانتے تم نے ہمارا ایمان بگاڑنے کی کوشش کی ہے اور علمائے اہلسنت کو چیلنج دیے ہیں۔ اس وقت مناظرے سے گریز کیوں ہے؟ مولوی عطاء اللہ ایک بے جان مجسمہ کی طرح کھڑے تھے اور کسمپرسی کے عالم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کئی گھنٹے برابر مطالبہ جاری رہا مگر انھوں نے ہرگز تسلیم نہیں کیا پھر ان کی طرف سے مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری مناظر مقرر ہوئے۔ جب کہ سنیوں کی طرف سے شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں کا نام نامی اسم گرامی منتخب کیا گیا۔

ابوالوفا کی کوشش یہ تھی کہ خصوصیات پر بحث ومباحثہ کا وقت ختم ہو جائے اور اصل موضوع پر بات شروع ہی نہ ہو۔ ان کی یہ کوشش رائیگاں گئی اس لئے کہ شیر بیشۂ اہل سنت کے چنگل سے بچ کر نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال گفتگو یہاں سے شروع ہوئی۔

دیوبندی مناظر نے کہا: ہم مدعی ہوں گے ہماری پہلی تقریر ہوگی۔

شیر بیشۂ اہل سنت: مناظرہ رشیدیہ کے ص ۱۴ پر لکھا ہے کہ المدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم بالدلیل اوالتنبیہ مدعی وہ ہے جو اپنے نفس کو حکم کے ثابت کرنے کے لئے قائم کرے۔ دلیل سے یا تنبیہ سے۔ تو ہمارا دعویٰ ہے کہ رشید احمد گنگوہی نے اللہ جل شانہ کو جھوٹا کہا ہے۔ قاسم نانوتوی نے ختم نبوت کا انکار کیا اور خلیل احمد انبیٹھوی نے شیطان کے علم کو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زائد بتایا۔ اشرف علی تھانوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں، جانوروں، چار پایوں کے مثل بتایا۔ لہٰذا یہ چاروں پیشوایان دیوبندیہ کافر، مرتد، بے ایمان ہیں۔ آج ہم اس دعویٰ کے دلائل قاطعہ پیش کریں گے اور آفتاب سے زیادہ روشن براہین قاطعہ کے انبار لگا دیں گے۔ آپ کو ہمارے اس دعویٰ پر کوئی اعتراض ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو لکھ کر دیجئے ہمارا آپ کا اتفاق ہو گیا اور اگر اعتراض ہے تو آپ سائل ہوئے تو مدعی کیونکر بنتے ہیں۔

دیوبندی مناظر: (اس تقریر سے لاجواب ہوکر) اچھا آپ ہی مدعی ہیں اور پہلی

تقریر آپ ہی کا حق ہے۔آپ ہی پہلی تقریر کیجئے۔ دیوبندی مناظر راضی تو ہو گیا کہ پہلی تقریر آپ کی ہوگی مگر اس بات پر بھی اڑا رہا کہ سائل کی آخری تقریر ہوگی لیکن شیر بیشۂ اہل سنت نے مناظرہ رشیدیہ کے ص ۳۶ کی ایک عبارت سے واضح کیا کہ مدعی کی آخری تقریر بھی ہوگی۔ دیوبندی مناظر نہ مانا اور اسی پر اڑا رہا۔اس عبارت کا غلط ترجمہ کرنے لگا۔ بہر حال بالآخر اسے تسلیم کرنا پڑا کہ مناظرہ رشیدیہ میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ سائل کی آخری تقریر ہوگی۔اس اقرار کے بعد باضابطہ گفتگو شروع ہوئی۔

پہلے تو ''حفظ الایمان'' ''براہین قاطعہ'' اور ''تحذیر الناس'' کی کفری عبارتوں پر مناظرہ ہوا۔ جب اس کا جواب دیوبندی مناظر سے نہ بن سکا تو لایعنی باتوں میں وقت گزارنا چاہا مگر شامت کا مارا کسی طرح وہ جانبر نہ ہو سکا۔ کسی طرح بات رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ کے اس شعر پر جا پہنچی۔

زباں پر اہل اہوا ہے اُعْلُ ہُبَل شاید
اٹھا عالم سے کوئی بانئ اسلام کا ثانی

(مولوی محمود حسن، مرثیہ گنگوہی، ص ۴)

اس شعر پر شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا کہ اس تحریر میں محمود الحسن دیوبندی نے گنگوہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بتا دیا کیا یہ کفر نہیں؟ مگر دیوبندی مناظر یہ کہہ کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اول درجہ میں ہیں اور مولانا گنگوہی صاحب دوسرے درجہ میں ہیں۔ثانی کا معنی دوسرا ہے۔قرآن شریف میں حضرت ابوبکر صدیق سے متعلق "ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" آیا ہے۔

شیر بیشۂ سنت نے فرمایا ثانی کے معنی اردو محاورہ میں مقام تعریف میں مثل اور مانند کے ہوتے ہیں۔مگر آپ نے اس کو عربی محاورے پر قیاس کیا ہے۔ جب کہ شعر اردو زبان میں ہے۔ اگر ہم آپ کے بقول تسلیم بھی کر لیتے ہیں تو مرثیہ کے اس شعر کا مفہوم پھر کیا ہوگا:

جہاں تھا آپ کا ثانی وہیں جا پہنچے خود حضرت

کہیں کیونکر بھلا کس منہ سے مولانا تھے لاثانی

(مرثیہ گنگوہی، ص۱۰)

یعنی جہاں گنگوہی کا ثانی نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے وہیں گنگوہی بھی پہنچ گئے۔ اس شعر میں اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گنگوہی کا ثانی بتلا دیا ہے۔ پہلے سے زیادہ ڈبل کفر ہوگا۔ کیا یہاں بھی ثانی کے معنی دوسرا ہیں اور سنئے مولانا محمود الحسن دیوبندی مرثیہ نگار لکھتے ہیں:

قبولیت اس کو کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں

عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

(مرثیہ گنگوہی، ص۸)

کہتا ہے کہ گنگوہی کے گورے گورے خوبصورت غلاموں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ جو اس کے کالے کلوٹے بندے ہیں وہ حسن وجمال میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل ہیں۔ کہئے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بے ادبی ہوئی یا نہیں؟

اس تقریر پر دیوبندیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ سارے مجمع نے مولوی ابوالوفا کی بے بسی، عاجزی، خاموشی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اہلسنت کی فتح مبین اور وہابیت و دیوبندیت کی شکست کا باآواز بلند اعلان بھی کر دیا۔ صدر اہلسنت نے اعلان فرمایا کہ تین بج چکے ہیں نماز ظہر اور کھانا کھانے کے لئے مناظرہ ملتوی کیا جاتا ہے۔ کل صبح آٹھ بجے اس مقام پر پھر مناظرہ ہوگا۔ لیکن مولوی عطاء اللہ جو دیوبندی اسٹیج کے صدر تھے انھوں نے دو تار پیش کئے کہ میری بیوی بیمار ہے مجھے جانا ضروری ہے میں آج رات کو چلا جاؤں گا۔ انھیں ہزار روکنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ مانے اور رات میں نکل ہی گئے۔

اس مناظرے کی مکمل روداد ''مناظرہ ملتان'' کے نام سے ۳۲ صفحات میں جناب قاضی علی محمد صاحب تبلیغی ناظم انجمن حزب الاحناف ملتان نے ترتیب دی ہے جو مولانا صوفی احمد مشہود رضا خاں صاحب کے زیر اہتمام آستانہ عالیہ حشمت نگر سے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء میں

دوسری بار شائع ہوئی ہے۔ ناشر قاری عطاء الحشمت چشتی ہیں جب کہ اس روداد کی پہلی اشاعت ملتان سے ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی۔

مناظرۂ رنگون

رنگون میں جب وہابیوں کی طرف سے پھیلائے ہوئے فتنے نے اپنی جڑیں کافی مضبوط کرلیں اور سیدھے غریب مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے میں کامیاب دکھائی دیے تو وہاں کے خوش عقیدہ سنی مسلمانوں نے شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں کو خط لکھا جس میں وہاں کی مذہبی صورت حال کی مکمل داستان تھی مذہب حق کی اشاعت حضرت ممدوح کی زندگی کا مقصد تھا ہی۔ دین کی اشاعت کے لئے رنگون پہنچ گئے۔ جب دیوبندیوں کو حضرت ممدوح کی آمد کی اطلاع ہوئی تو پوری دیوبندی فضا پر سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ بیک زبان ہوکر لوگوں نے کہا یہ عام مولویوں کی طرح نہیں ان سے مقابلہ اور کسی معاملے میں بحث ومباحثہ کرنا ناکوں چنے چبانا ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت کی ولولہ انگیز تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی تقریر رکوانے کے سلسلے میں دیوبندیوں نے ہزار جتن کئے مگر اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ جب مسلسل کئی روز ایمان افروز بیانات ہوئے تو لوگ وہابیت سے تائب ہوکر جوق در جوق مسلک اہل سنت پر گامزن ہونے لگے۔ کٹر قسم کے وہابی یہ منظر دیکھ کر بوکھلا گئے۔ فوراً اس کے روک تھام کی تدبیریں کرنے لگے۔ انھوں نے مولانا محمد منظور سنبھلی کو ایک خط لکھا جس میں اس وقت کے حالات کی تفصیلی رپورٹ درج کردی اور پھر لکھا کہ جتنی جلد ممکن ہو تشریف لے آئیں ہم لوگ آپ کی آمد کے شدت سے منتظر ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنت کے بالمقابل آنے سے انھوں نے صاف انکار کردیا اور لکھ دیا کہ مجھے فرصت نہیں۔ ان کا پہلا نشانہ خطا کر گیا بہت گھبرائے کہ اب کیا ہوگا۔ انھوں نے بیک وقت اور دوسرے کئی مولویوں کے پاس خطوط بھیجے مگر کہیں سے انھیں کوئی جواب نہ ملا۔ بالآخر ان لوگوں نے مولوی عبدالشکور کاکوروی کو خط لکھا جس میں رنگون میں شیر بیشۂ اہل سنت کے قیام کو چھپاتے ہوئے یہ تحریر کیا وہ جاچکے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں ہم لوگوں کو کیا کچھ نہیں کہہ ڈالا ہے۔ لہٰذا موقع اچھا ہے جلد تشریف لے آئیں اگر آپ نہ

آئیں گے تو مذہب کا بڑا نقصان ہوگا۔

مولوی عبدالشکور کاکوروی نذرانے کی لالچ میں انجام کی پروا کئے بغیر خط کی عبارت کی روشنی میں چل پڑے۔ جیسے ہی رنگون کی گودی میں جہاز سے اترے فوراً سنیوں نے آگے بڑھ کر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کا چھپا ہوا مہری دستخطی چیلنج مناظرہ ہاتھ میں تھما دیا۔ پڑھنے کے بعد کاکوروی نے پوچھا کیا مولانا حشمت علی ابھی رنگون میں ہیں۔ سنیوں نے کہا جی ہاں موجود ہیں اور کفریات دیوبند پر آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اتنا سنتے ہی مولوی عبدالشکور کاکوروی کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ دل کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور جوش و مسرت کا امنڈتا ہوا سیلاب سرد پڑ گیا۔ کہنے لگے مجھے دھوکا دیا گیا ہے میں مناظرہ کرنے نہیں آیا ہوں میں واپس جا رہا ہوں۔ اتنا کہا اور واپس چلے گئے۔

جب مولوی عبدالشکور کاکوروی مقابلہ کرنے سے جی چرا کر واپس چلے گئے تو وہابیوں کو نئی چال سوجھی اور وہ یہ کہ دو آدمی حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی قیام گاہ پر گئے۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے آنے کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے آپ کے بچے ہندوستان میں ہیں اور آپ یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم کو حاجی سیٹھ ہاشم بھڑوچ نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ مولانا سے کہہ دو کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں میں ان کو یہاں سے دو سو روپیہ ماہانہ تا زندگی بھر ارسال کرتا رہوں گا اور اس کے علاوہ آپ کے پیر و مرشد کے دونوں شاہزادوں کی خدمت میں بھی سو سو روپیہ ماہ بماہ تا زیست ارسال کروں گا۔ شیر بیشۂ اہل سنت نے فرمایا کہ آخر آپ لوگوں کو اور ہاشم بھڑوچ کو میری اور میرے بچوں کی کیوں فکر دامن گیر ہے۔ میرے اور میرے بچوں کا رازق تو وہ معبود حقیقی ہے جس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کے لئے گھر بار چھوڑ کر میں یہاں آیا ہوں۔ اشاعت دین حق ہی میری زندگی کا لائحہ عمل ہے۔ اب بتاؤ کہ آخر آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے؟ چنانچہ انھوں نے وہی کہا جو ان کے دل میں تھا۔ بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔ کہا کہ مولانا صاحب یہاں بڑے بڑے عالم آئے ہم نے ان کو راستہ بتا دیا مگر آپ کے مقابلے کی ہم میں تاب نہیں۔ آپ تقریر کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر آپ ہماری کتابیں

ثبوت میں نہ پیش کریں۔ اس صورت میں ہم مذکورہ بالا شرائط کے پابند رہیں گے۔ اتنا سننا تھا کہ شیر بیشۂ اہل سنت کو جلال آ گیا اور گرجتی ہوئی آواز مین فرمایا خبیثو! نکل جاؤ یہاں سے تم لوگ میرے ایمان کا سودا کرنے آئے ہو۔

سن لو! دو سو کی کیا حقیقت اگر ساری دنیا کی دولت لے کر آؤ جب بھی حشمت علی اظہار حق سے باز نہیں رہ سکتا۔

جب سیٹھ ہاشم کی پیشکش کو مسترد کر کے ان کے قاصدین کو ذلت ورسوائی کے ساتھ اپنی قیام گاہ سے نکال دیا تو مخالفین اسمبلی ہاؤس کے ایک ممبر جناب تلا محمد خاں مسیدی کے پاس پہنچے اور انھیں ہر طرح سمجھا بجھا کر شیر بیشۂ اہل سنت کے پاس بھیجا۔ وہ گئے اور کہنے لگے۔

> ''مولانا آپ کیوں خواہ مخواہ اپنی جان اذیت میں ڈالتے ہیں۔ آپ اپنے ملک چلے جایئے ورنہ فساد ہو جائے گا۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور اس قتل وغارت گری کی تمام ذمہ داری آپ کے سر عائد ہوگی۔''

شیر بیشۂ اہل سنت جب ممبر اسمبلی کی بات سن چکے تو چراغ پا ہو کر فرمایا او خان! تو خان کا بچہ ہو کر ایسی بزدلی کی باتیں کرتا ہے افسوس ہے تیری عقل وذہانت پر!

ارے تم حشمت علی کو ڈراتے ہو یاد رکھو میں ڈرنے والا نہیں۔ اگر مجھے پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت میں جیل کی کوٹھری میں مقید ہونا پڑے تو میں اپنی آزادی پر اس قید کو ترجیح دیتا ہوں بلکہ اگر جان کی بازی لگا دینی پڑے تو میرے لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ ایسی موت کا درجہ میرے لئے معراج زندگی سے کم نہ ہوگا۔

شیر بیشۂ سنت کی اس اولوالعزمی، ثبات قدمی، جرأت مندی اور بہادری کو دیکھ کر تلا محمد خاں مسیدی ممبر اسمبلی حیران وششدر رہ گیا اور شرم وندامت سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مناظرۂ حجاز

دوسری بار سفر حج کے دوران کا واقعہ ہے کہ جب شیر بیشۂ اہل سنت مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حسب عادت تبلیغ دین حق فرمانے کا معمول آپ نے دوران سفر حج بھی جاری رکھا۔ ہندوستانی دیوبندی مولویوں سے یہ دیکھ کر رہا نہ گیا چنانچہ انھوں نے وہاں کی پولیس انتظامیہ سے ان کی شکایت کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس نے انھیں حراست میں لے کر قاضی (جج) کے اجلاس میں پہنچا دیا اور مذہب اہلسنت کی اشاعت کا الزام لگا کر ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا مگر آپ تھے کہ چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیمگی کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ عادت کے مطابق الغیاث یا رسول اللہ العون یا نبی اللہ فرماتے رہے اور اسی طرح کوتوالی میں پہنچے۔

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ
اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

جب آپ کچہری میں پہنچے تو ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اجلاس کا قاضی آیا تو سب لوگ جو بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر آپ اطمینان سے اپنی جگہ تشریف فرما رہے۔ جب آپ کا مقدمہ پیش ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ آپ الغیاث یا رسول اللہ اور العون یا نبی اللہ یا اسی طرح اور دیگر جملے کیوں فرماتے ہیں ان کلمات سے تو شرک کی بو آتی ہے۔ مگر حضرت ٹھہرے واقعی شیر بیشۂ اہل سنت، بے باک، نڈر ہو تو ایسا۔ انتہائی فصیح عربی میں اپنی بات کو قرآن و احادیث کے علاوہ علمائے دیابنہ کے پیشوا، ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی کی کتب فتاویٰ سے مدلل کر کے جوابات دیئے۔ قاضی نے ندائے یا رسول اللہ، استغاثہ بغیر اللہ، توسل بالانبیاء والاولیاء اور مسئلہ شفاعت کی تردید میں کئی دلائل دیے۔ مگر شیر بیشۂ اہل سنت نے سب کی کاٹ کر دی اور اس کے جواز کے ثبوت میں انھی کے پیشواؤں کی کتابوں سے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ بحث مسلسل ساڑھے تین گھنٹہ چلتی رہی۔ جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو قاضی نے قاضی القضاۃ کو فون کیا کہ عدلیہ میں ایک ایسا ہندوستانی مولوی گرفتار کر کے لایا گیا ہے جو ندائے یا رسول اللہ، استغاثہ بغیر اللہ اور توسل بالانبیاء والاولیاء کو جائز سمجھتا ہے اور قرآن و حدیث

کے علاوہ ہمارے علماء کی کتابوں سے اس کے جواز کے ثبوت میں دلائل پیش کرتا ہے۔ اب کیا کروں؟ قاضی القضاۃ کہتا ہے ھذا ابلاء سلط اللہ علینا یہ ایک مصیبت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر نازل ہوگئی ہے۔ تم نے غلطی کی ہے اس سے معافی مانگ لو اور عزت سے رخصت کردو۔

مجدی جج نے ریسیور رکھ دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے پاس والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ چائے کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے رفقائے سفر قیام گاہ پر بھوکے پیاسے ہوں گے میں چائے انھیں کے ساتھ پیوں گا۔ پھر مجدی جج نے کہا آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ مدینہ منورہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم میں حاضری! چنانچہ قاضی نے فوراً آپ کو مدینہ منورہ شریف پہنچانے کے لئے ایک اسپیشل سواری کا انتظام کرنے کا حکم صادر کیا۔ اور دروازے تک باعزت طریقے سے معافی مانگتا ہوا رخصت ہوا۔ آپ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ قیام گاہ واپس ہوگئے اور نعرۂ الغیاث یارسول کے صلے میں جلد مدینے طیبہ بلالئے گئے۔

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

مناظرۂ رسولی (بارہ بنکی)

بارہ بنکی میں دیوبندی مناظر کئی بار دن و تاریخ مقرر کرکے روپوش ہوگئے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب کئی بار ایسا کیا تو انجمن حنفیہ اہلسنت کے صدر ڈاکٹر محمد حسین انصاری نے دیوبندی مناظر کو ایک اشتہار دیا جس میں اسی کی تفصیلات تھیں۔ وہ اشتہار ہم یہاں بعینہ نقل کررہے ہیں تاکہ آپ وہابیہ دیابنہ کے مکروفریب اور علمائے اہلسنت کی استقامت علی الحق کا اندازہ لگاسکیں۔ یہ اشتہار سرفراز پریس لکھنؤ میں چھپا تھا اشتہار درج ذیل ہے:

جناب مولوی عبدالغنی صاحب رسولوی   سلام علیکم کما علمنا القرآن الحکیم

(۱) جمادی الآخر ۱۳۸۷ھ سہ شنبہ دسمبر ۱۹۵۸ء کو مسلمانان اہلسنت پر خلوص باصرار بسیار دعوت پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت دام ظلہم الاقدس اپنے فرزند ارجمند فاضل نوجوان

شاہزادہ عالی شان مولانا محمد مشاہد رضا خاں نصر ہما الرحمن دائما علی جمیع اعداء الایمان کو ہمراہ لئے ہوئے رامپور کٹرہ ضلع بارہ بنکی تشریف فرما ہوئے۔ دو عظیم الشان جلسوں میں سنیت کا احقاق اور دیوبندیت کا ازہاق بفضل الخلاق بطریق احسن و بروجہ اتم ہوا۔ آپ کے اشتعال دلانے پر وہاں کے ملایان دیوبند نے عظمت علی بہرام گھاٹی کو بلایا اور مناظرے مناظرے کا بہت شور وغل مچایا اور جب حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے عظمت علی کے نام مفاوضہ وعالیہ امضا فرمایا کہ کفریات تھانوی و انبیٹھی و گنگوہی و نانوتوی و دیوبندی و کاکوروی مندرجہ ''حفظ الایمان'' ص ۸ ''براہین قاطعہ'' ص ۱۵ و ''فوٹوے فتوائے گنگوہیہ'' و ''تحذیر الناس'' ص ۱۳، ۱۴، ۲۸ و ''جہد المقل'' ص ۷۷ و ''مختصر سیرت نبویہ'' ص ۲۲ پر میں آپ لوگوں سے اس طرح مناظرے کے لئے تیار ہوں کہ ہر مناظر جو کچھ کہنا چاہے گا لکھ کر اس پر دستخط کر کے اپنے مقابل کو دے کر اسی کا مثنیٰ مجمع مناظرہ میں کھڑا ہو کر سنایا کرے گا مگر آپ کے اذناب نے مناظرے سے بلکہ خط لینے ہی سے انکار کر دیا۔ سنی مسلمانوں کو فتح واضح اور دیوبندی مرتدوں کو شکست فاضح حاصل ہوگئی۔

(۲) پھر دوشنبہ مبارکہ ۱۵ر جمادی الاخری ۷۸ ۱۳ھ/ ۱۹۵۸ء کو حضرت شیر بیشۂ اہل سنت دام ظلہم المبارک شہاب پور ضلع بارہ بنکی میں وہاں کے سنی مسلمان بھائیوں کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ شب کو جلسے میں آپ کی تحریر پہنچی۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے پھر آپ کی دعوت قبول فرما کر اسی مضمون کا والا نامہ فوراً آپ کو بھیج دیا کہ میں آپ سے مجمع عام میں کفریات دیوبندیہ پر دو بدو اس طرح مناظرے کے لئے تیار ہوں کہ ہر مناظر جو کچھ بھی لکھنا چاہے لکھ کر دستخط کر کے اپنے مقابل کو دے کر اسی کا مثنیٰ کھڑا ہو کر سنا دیا کرے۔ آپ نے انکار کر دیا اور اپنے اذناب واتراب کو لئے ہوئے شب کو ایک بجے پانی برستے میں شہاب پور سے ''رسولی'' کو چل دئے۔ اور پھر سنی مسلمانوں کو فتح مبین اور دیوبندی ملحدوں کو شکست مہین حاصل ہوگئی۔ وختم شد

(۳) پھر آپ نے واقعہ شہاب پور کے متعلق افترائات و کذبات پر مشتمل ایک تحریر شائع کی جس کے آخر میں آپ نے لکھا تھا کہ ضلع میں کسی مقام پر جلد دن تاریخ مقرر کر کے مجمع میں گفتگو کرنے کے لئے تیار ہو کر ہمیں اطلاع دیں۔ فوراً اشتہارات شائع کر کے آپ کو رجسٹری

بھیج دیا کہ ضلع بارہ بنکی کے مقام گروہنڈہ میں ۲۶ر ۲۷ رجب المرجب ۱۳۷۸ھ جمعرات جمعہ مبارکہ ۵ر ۶ر فروری ۱۹۵۹ء کو صبح ۹ بجے سے دو بجے وقت ظہر تک عام مجمع میں دو کفریات دیوبندیہ پر اسی طرح گفتگو کے لئے آجائیں کہ ہر مناظر اپنی ساری تقریر قلمبند کر کے دستخط کر کے اپنے مقابل کو سپرد کر کے اسی کاشتی سنا دیا کرے۔ آپ کی دستخطی رسید آگئی۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت وقت پر ساڑھے پانچ سو میل سے پہنچ گئے۔ عیدگاہ میں مناظرے کا مجمع ہوا آپ کے لئے بھی سامنے اسٹیج سجایا گیا لیکن آپ نہیں آسکے اور پھر مسلمانان اہلسنت کو فتح منیر اور زنادقہ دیوبندیہ کو شکست مبیر حاصل ہوگئی۔ لیجئے یہ تیسرا بھی ختم شد

ان واقعات کی تفصیل رسالہ مبارکہ "قوارع الواحد القهار على الاحزاب الديوبندية الكفار" میں چھاپ کر شائع کر دی گئی اور رسالہ مبارکہ آپ کو پہنچا دیا گیا جواب تک لاجواب ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ثم شاء حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ لاجواب رہے گا۔ مگر پھر ایک تحریر آپ کی پچھلی ایک صاحب کے ذریعے سے ملی جس میں آپ نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے متعلق لکھا ہے کہ رسولی یا صفدر گنج یا شہر بارہ بنکی میں اگر مجمع عام کے اندر دوبدو گفتگو کے لئے تیار ہوکر دن تاریخ مقرر کریں تو حفظ امن کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ لہٰذا آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ۵ر ذی القعدۃ الحرام ۱۳۷۸ھ پنج شنبہ ۱۴ر مئی ۱۹۵۹ء کو صبح ۹ ربجے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت دامت برکاتہم القدسیہ بعونہ تعالیٰ وبعون حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم رسولی میں مجمع عام میں دوبدو کفریات دیوبندیہ پر اسی طرح گفتگو کرنے کے لئے تشریف فرما ہوں گے کہ ہر مناظر جو کچھ کہنا چاہے لکھ کر دستخط کر کے اپنے مقابل کو دے کہ اسی کاشتی کھڑے ہوکر سنا دیا کرے تاکہ ہر مناظر کا ایک ایک لفظ اس کے مقابل کے پاس محفوظ رہے اور کسی مناظر کو اپنی کہی ہوئی کسی بات سے بھی انکار کرنے، مکرنے، بدلنے، مچلنے، لچکنے کا موقع نہ ملے اور بعد اختتام مناظرہ بھی کسی فریق کو جھوٹی روداد چھاپنے، جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کی مجال نہ ہو اور زبانی گفتگو میں عاجز ومغلوب مناظر کو بدزبانی، اشتعال انگیزی کر کے مناظرے کو درہم برہم کرنے اور اس طرح مناظرے سے اپنی جان بچانے کا جو موقع مل جایا کرتا ہے اس کا موقع بھی کوئی مناظر نہ پاسکے اور فریقین کی تمام

تحریرات مناظرہ بعینہا بلاکم وکاست بغیر کسی تغیر وتبدل کے جب شائع ہوں تو ہر انصاف پسند دیکھنے والا ان کو جب کبھی دیکھے صدق وکذب، حق وباطل، فتح وشکست کا فیصلہ کرلیا کرے۔ مناظرہ گاہ کسی وسیع سایہ دار مقام کو مقرر کر لیجئے۔ اپنی تحریر کے مطابق حفظ امن کا پورا انتظام رکھئے۔ مناظرہ صبح ۹ ربجے سے دو بجے وقت ظہر تک ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ حق کا مالک جل جلالہ بارہا نہیں بلکہ ہمیشہ کے حق واضح کو پھر واضح تر فرمادے۔ (آمین)

تنبیہ: خوب یاد رکھئے کہ یہ آپ کی آخری بے جا ضد پچھلی ناروا ہٹ بعونہ تعالیٰ وبعون حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کی جارہی ہے۔ اگر اس مرتبہ بھی آپ اس فیصلہ کن پرامن طریقے پر مناظرے کے لئے تیار نہ ہوئے تو یہ پھر آپ کی بدترین شکست وخیم اور مسلمانان اہلسنت کی منیر ومبین فتح عظیم ہوگی۔ العجل، الوحا، الساعة!!! حاضر شو!! حاضر شو!!! پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ وما العون ولا النصر الامن عنداللہ العزیز الغفار الواحد القہار ثم من حبیبه المختار علیه وعلی اله و صحبه و ابنه الغوث الاعظم وسراج امته الامام الاعظم وامام اهل سنته المجدد الاعظم وحزبه الصلاة والسلام دائما ابدا بالدوام والاستمرار وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

بندگان خدا وغلامان مصطفیٰ کا خدمت گزار

(ڈاکٹر) محمد حسین انصاری قادری رضوی غفرلہ ربہ حفظہ اہلسنت رامپور کٹرہ ضلع بارہ بنکی)

۲۶ رشوال المکرم ۱۳۷۸ھ سہ شنبہ ۵ رمئی ۱۹۵۹ء

رسولی ضلع بارہ بنکی کے مناظرہ ہی میں آپ کو زہر دیا گیا جس کا تذکرہ آپ نے محمد بدیع الزماں خاں قادری رضوی کے نام لکھے گئے خط میں ان لفظوں میں کیا ہے:

> ”وہ ہبڑوں دیو کے بندوں لعنھم اللہ الواحد القہار سے مناظرے کے لئے رسولی ضلع بارہ بنکی جانا ہوا تھا وہیں کسی بے ایمان نے پان میں کسی قسم کا زہر کھلا دیا کہ آواز تو اسی وقت سے بالکل ہی بیٹھ گئی اور اسی دن سے نزلہ حارّہ کے شدید انصباب میں مبتلا ہو گیا کھانسی کی شدت وکثرت کی وجہ سے دوپہر اور شب کو سونا

دشوار ہو گیا کھانا کھانے چائے پینے میں سخت پھندے لگتے ہیں۔ خدا اور رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم مجھ گناہ گار سگ بارگاہ قادری رضوی کو جملہ روحانی وجسمانی بیماریوں سے شفائے تام کامل اور قرضداروں و پریشان حال سے نجات دائمہ بالخیر بہت جلد بخشیں اور آپ سب کو ہم سب کو اسلام وسنیت وقادریت ورضویت ہی پر حیات وثبات واستقامت بخیرت وعافیت وفرحت ومسرت وفتح ونصرت وعزت وحرمت ونعمت وبرکت اور پھر اس پر خاتمہ بالخیر عطا فرمائیں، اور وہبڑوں دیو کے بندوں کے ہر ایک مکر سے اور تمام دشمنانِ اسلام واعدائے سنیت کے ہر ایک مکر اور ہر ایک شر سے ہمیشہ بچائیں۔''

مناظرہ فیروز پور چھاؤنی

حضور شیر بیشۂ اہل سنت ایک بار حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ فیروز پور چھاؤنی جلسہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ''غوری منزل'' میں حضرت کا قیام ہوا۔ جلسہ کے بعد ایک صاحب نے آکر حضرت حجۃ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آریوں کا جلسہ ہو رہا ہے اور کل انھوں نے مسلمانوں کو چیلنج دیا ہے مگر اب تک کوئی مناظر مسلمانوں کی طرف سے نہیں آیا ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے بھی سنا تو حجۃ الاسلام کی خدمت میں عرض کی۔ حضور والا فقیر کو اجازت ہو تو جا کر احقاق حق وابطال باطل کرے۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ شیر بیشۂ اہل سنت دوسرے روز سادہ لباس میں بغیر عمامہ وعبا کے تشریف لے گئے۔ آریوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت نے جا کر اطلاع دی کہ آپ لوگوں کے چیلنج پر آیا ہوں۔ ان لوگوں نے فوراً کرسی میز لگا دی اور اعلان کیا کہ مناظرہ ہوگا۔ لیکن جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص مناظر ہے تو لباس اور حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا پنڈت جی کپڑے مناظرہ نہیں کرتے۔ مناظرے میں دلائل اور براہین پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ اگر میں نہ پیش کرسکوں تو ہنسنا۔ یہ بے موقع ہنسی کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا کیونکہ جو دوسروں پر ہنستا ہے تو اس کی بھی ہنسی ہوتی ہے۔

پھر مناظرہ شروع ہوا۔ مناظرہ اس موضوع پر تھا کہ ''وید الہامی کتاب ہے یا نہیں''

حضرت نے ویدوں کے غیر الہامی اور انسانی کلام ہونے پر دہ دلائل قائم فرمائے کہ آریائی مناظر دُھائی گھنٹے کے وقت میں ان کا جواب نہ دے سکے اور ویدوں کا الہامی ہونا ثابت نہ کر سکے۔ وقت مناظرہ ختم ہونے کے بعد آپ فتح و فیروز مندی سے ہمکنار ہو کر مسلمانوں کے مجمع کے ساتھ نعروں کی گونج میں قیام گاہ تشریف لائے۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کیفیت وتفصیل سن کر تبسم فرمایا اور بہت دعائیں دیں۔ پھر ارشاد فرمایا کیوں نہ ہو آخر آپ ''ابوالفتح'' ہیں۔ (محبوب علی: سوانح شیر بیشہ سنت ص ۵۲)

مناظرۂ آگرہ

جب متھرا، آگرہ اور بھرت پور کے علاقے میں ملکانوں کے اندر پنڈت شردھانند نے شدھی کا کام شروع کیا تو جماعت رضائے مصطفی بریلی نے اپنا وفد بھیجا اور باقاعدہ کام کرنے اور مبلغین بھیجنے کے لئے رکاب گنج آگرہ میں مرکزی تبلیغی دفتر جماعت رضائے مصطفی قائم ہوا۔ اس موقع سے شیر بیشۂ اہل سنت نے بہت نمایاں خدمت انجام دیں۔

ایک دن دفتر آگرہ میں خبر آئی کہ فلاں گاؤں پرسوں شدھی ہوگا۔ شردھانند کی آمد ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد عمر صاحب (وفات ۲۸ رصفر ۱۳۷۶ھ اور پنجشنبہ مبارکہ مطابق ۱۹۵۶ء) کو ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ اس گاؤں میں بڑی آرائش اور چہل پہل نظر آئی۔ جا بجا مٹھائیاں بنتی ہوئی دکھائی دیں۔ گاؤں کے پردھان کے پاس گئے۔ اسلام کی خوبیوں اور حقانیت سے آگاہ کیا مگر بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس نے کہا کہ اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ وہ لوگ تو مجھے زمین اور روپیہ دے رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسلام زر، زن، زمین کسی لالچ سے نہیں قبول کیا جاتا اگر حقانیت وصداقت کی تلاش ہے تو اسلام میں آؤ، اگر مکتی نجات چاہتے ہو تو اسلام قبول کرو۔ بارہ بجے رات تک یہی کوشش جاری رہی مگر پردھان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔

صبح نماز سے فراغت کے بعد آپ وظائف میں مشغول تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شردھانند بھرت پور کی موٹر میں بھرت پور کے فوجی رسالہ کے ساتھ آگیا ہے۔ آپ

نے وظیفہ تمام کر کے حسب عادت ''یارسول اللہ الغیاث'' کہا اور چھوٹے بھائی مولانا محمد عمر کو لے کر اس کے پنڈال کے اندر پہنچ گئے۔ دیکھا شردھانند صدر مجلس ہے اور بہت سے پنڈت چوبے مالدار قسم کے لوگ بیٹھے ہیں۔ پشت پر بھرت پور کا فوجی دستہ کھڑا ہے۔ ایک طرف وہ ملکانے بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ہون کنڈ ہے آگ روشن ہے۔ گھی جلنے کی بُو پھیلی ہوئی ہے۔ آپ بے باکانہ صدر مجلس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مجمع سب آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ جب صدر مجلس کے قریب آ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ

''میں نے سنا ہے کہ آپ یہاں ہمارے بھائیوں کو مکتی کا راستہ بتانے کو پدھارے ہیں لہٰذا میں بھی حاضر ہو گیا کہ معلوم کروں کہ واقعی جو راستہ ان کو آپ بتائیں گے وہ مکتی نجات کا راستہ ہے؟''

پنڈت شردھانند نے سوچ کر جواب دیا۔

''مولانا یہ مناظرہ کی جگہ نہیں ہے۔ ہم ان کو شدھی کرنے آئے ہیں ہم کو مناظرہ نہیں کرنا ہے لہٰذا آپ چلے جائیں اور ہماری سبھا میں کھنڈت نہ کریں ورنہ آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔'' (محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۵۲)

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے بہ کمال جرأت و دلیری فرمایا:

''پنڈت جی! یہ ہون کنڈ ہے آگ روشن ہے مناظرہ کا وقت نہیں ہے۔ آیئے ہم اور آپ مباہلہ کریں۔ یہ فرما کر آپ نے آگے بڑھ کر شردھانند کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا آیئے ہم اور آپ اس آگ میں چلیں اور پندرہ منٹ ہم دونوں اسی میں رہیں۔ پھر باہر آئیں۔ جس کا دین حق ہو گا وہ سلامت رہے گا اور جو باطل ہو گا جل جائے گا۔ یہ سن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ پنڈت جی نے سر جھکا لیا پانچ منٹ تک مجمع پر سکوت طاری رہا اس کے بعد شردھانند نے کہا مولوی صاحب آپ چلے جایئے ہم نہ مباہلہ کریں گے نہ مناظرہ ہم تو ان کو شدھی کرنے آئے ہیں۔''

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۵۲)

''اس واقعے سے مجمع پر عجب سکتہ طاری رہا۔ آپ تو مسجد میں چلے آئے، جب پنڈت جی نے کہا ''ہاں بھائی ملکانو! بڑا شبھ سمے ہے بڑے بڑے پنڈت مہاشے براشے براجے ہیں آؤ اب شدھ ہو جاؤ۔''

(محبوب علی: سوانح شیر بیشۂ اہل سنت ص ۵۳)

اتنا سنتے ہی گاؤں کے پردھان نے کہا کہ آپ ایک نوجوان عالم کا جواب نہ دے سکے ''ہم شُدھ ودھ'' نہ ہوں گے۔ اسلام ہی سچا مذہب ہے آپ میرے یہاں سے نکل جایئے ایک آدمی سے اس نے کہا کہ جاؤ مسجد سے مولانا صاحب کو بلا کر لاؤ ہم لوگ ان سے مسلمان ہوں گے۔ ہوا یہی کہ پنڈت جی پردھان کی اس گفتگو سے نو دو گیارہ ہو گئے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے یہ سن کر سجدۂ شکر ادا کیا اور سب لوگوں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا اور پھر مٹھائیاں اور پکوان تقسیم کر کے مسرت و خوشی کا اظہار کیا گیا۔

موضع کھڑوائی آگرہ سے کافی دور ہے یہاں کے لوگ بھی فتنۂ ارتداد کی لہر میں بہہ چلے تھے جب اس کی خبر حضور شیر بیشۂ اہل سنت کو ہوئی تو یہ اپنے وفد کے ساتھ ۱۸؍ فروری ۱۹۲۳ء کو وہاں پہنچ گئے وہاں کے حالات انتہائی ناگفتہ بہہ تھے ان حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے حضور شیر بیشۂ اہل سنت لکھتے ہیں:

''ہم آبادی میں داخل ہوئے تو یہاں کے مسلمان کہلانے والے راجپوتوں کی حالت اس سے بدتر پائی جو خیالات میں دیکھی اور لوگوں سے سنی تھی مسلمانوں کے نام مرلی سنگھ، ہری سنگھ تھے سلام کی جگہ رام رام کہتے تھے۔ ملاقات ہوتے ہی کہا صاحب ہم کو نماز روزہ نہ بتانا اس سے خاندان بگڑ جاتا ہے اور ہماری راجپوتی میں فرق پڑتا ہے۔

اللہ اکبر مسلمان ایسے خواب غفلت میں پڑے سو رہے ہیں کہ ان کے بھائی اس حالت کو پہنچ گئے اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی وہ اب تک یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر جھوٹ اڑائی گئی ہے۔ بھلا کہیں مسلمان بھی ہندو ہو سکتے ہیں۔ میں اس بات

کے کہے پر ہوں کہ ہماری بے خبری مستی اور مخالف کی باخبر سرگرمی سے ہمیں سخت نقصان پہنچا اسی ایک موضع کھڑوائی میں آریوں کی طرف سے جماعتیں ان غافل لوگوں کو بہکانے کے لئے دورہ کرتی رہتی ہیں کاش اب بھی ہمارے مسلمان بھائی آنکھیں مل کر اس غفلت کی نیند سے چونک اٹھیں اور اپنے ان ڈوبتے ہوئے بھائیوں کا ہاتھ پکڑلیں۔''

(ہفت روزہ دبدبہ سکندری رام پور، ص ۹، ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

دوسرے دن اس گاؤں کے دوسری چوپال میں یہ وفد جا کر وہاں کے راجپوتوں کو سمجھا کر دین اسلام پر قائم رہنے کے لئے راضی کیا مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے نواب علی خاں اور برہما دو مسلم راجپوتوں کے سروں سے ان کی رضا مندی سے ان کی چوٹی کاٹی اس کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے وفد کے ترجمان حضور شیر بیشۂ اہل سنت لکھتے ہیں:

''اصحاب وفد نے ان دونوں کو مدت کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح گلے لگایا انھیں مبارک بادیں دیں کلمۂ شہادت کے غلغلے بلند ہوئے اور دعا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے ان ساڑھے چار لاکھ بچھڑے ہوئے بھائیوں کو جلد ہم سے ملادے۔''(دبدبہ سکندری، ص:۹، ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

وفد کی کوششوں سے گاؤں کے آدھے لوگ شدھی ہونے والوں سے جدا ہو گئے اس کامیابی پر آپ لکھتے ہیں:

''بفضلہٖ تعالیٰ ان سے جدا ہو کر اسلامی احکام کے آگے سرخمیدہ ہو گیا ہم نے ان کی چوٹیاں کاٹیں انھیں تجدید اسلام کرائی ابتدائی تعلیم کا مدرسہ کھول دیا اور اب ان میں نماز روزہ کی تعلیم دی جائے گی ان میں جوان اصحاب بھی ہیں جوان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد سیکھ جائیں گے۔''(دبدبہ سکندری، ص:۹، ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

مگر گاؤں کے نصف لوگ شدھی اور جہالت کے اثر سے وفد والوں سے سخت متنفر اور بےزار تھے ان کے متعلق شیر بیشۂ اہل سنت لکھتے ہیں:

''دوسرا گروہ بہت سخت سرکش اور متمرد ہے یہ ہم سے نفرت کرتا ہے ہم سے بدکتا ہے، بھڑکتا ہے، ہم سے ہنسی کرتا ہے ہم نماز پڑھتے ہیں تو یہ مسلمان کہلانے والے لوگ تمسخر سے پیش آتے ہیں۔ اس گروہ کی ہدایت کے لئے اور بھی زیادہ زبردست ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور ہمارا وفد اس بات کی غور وفکر میں ہے کہ ہم استقلال کے ساتھ کام کئے جائیں۔ (دبدبہ سکندری، ص:۹، ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

چنانچہ ہوا یہی کہ اس وفد سے انتہا کی دلجمعی سے کام کیا جس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی ملی وہ راجپوت جو مرتد ہو چکے تھے ان کے قریب ہوئے اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا وعدہ کیا اپنی اس کامیابی کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے وفد کے ترجمان حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھتے ہیں:

''راج پوت علاقہ کے خزاں دیدہ چمنستانوں میں اسلامی ہوائیں چلیں پھر باد بہار نے اپنے فیضان کرم سے توجہ فرمائی پھر مردہ زمین میں جان پڑنے کی امید پیدا ہوئی پھر مسلمانوں کی پنجۂ اغیار میں پھنسی ہوئی نسلوں کی آزادی کے اسباب مہیا ہوئے پھر اسلامی سمندر میں موجیں اٹھیں پھر اندھیری رات میں صبح درخشاں کے آثار نمودار ہوئے۔

للہ الحمد ایک وہ دن تھا کہ ہمارا وفد اس علاقہ میں پہنچا اور اس نے وہ جگر خون کن مناظر دیکھے جس کے تصور سے دل کانپتا ہے۔ مسلمانوں کی نسلیں مسلمانوں کے لخت جگر کفری رسوم میں مبتلا ہندوؤں کی سی معاشرت، ہندوؤں کی سی صورت، اس پر طرہ یہ کہ آریہ اپدیشک ان میں دورے کر رہے ہیں ان کی اصلاح کے لئے مدتوں لگا تار ان تھک کوششیں درکار ہیں۔ ان کو مانوس کرنا اور اپنی باتیں سنانے کے لئے راضی کر لینا بڑی بات تھی مگر فضل الٰہی شامل حال تھا کہ ہمارے خیال یہ بات آئی کہ ہم موضع سلطانپورہ کے راجپوتوں میں سے باثر حضرات کو اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے لیں جن سے علاوہ برادری کے ان لوگوں

کے تعلقات قرابت ورشتہ داری بھی ہے۔ ہماری یہ تدبیر کار آمد ثابت ہوئی اور بہت تھوڑے عرصہ میں ہم کو یہ بات میسر آئی کہ اس موضع کے لوگوں کی نفرتیں دور ہو گئیں اور وہ ہم سے مانوس ہو گئے ہماری مجلسوں میں آنے لگے۔"

(دبدبہ سکندری، ص:۶، ۱۹ر فروری ۱۹۲۳ء)

موضع کھڑوائی میں فتنۂ ارتداد کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے بعد وفد اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ مزید یہیں رہ کر ان مسلم راجپوتوں کا اسلامی نہج پر ترتیب واصلاح کا کام کرنے لگا جو ۴ر تا ۸ر فروری ۱۹۲۳ء تک یہاں مقیم رہا مگر وفد کا دوسرا حصہ اپنی کارکردگی کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے صدر مقام آگرہ آ گیا اس گروہ میں شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی، مولانا رحم علی منگلوری اور مولانا شفاء الرحمن مظفر پوری تھے۔ دوسرے دن بروز جمعہ ۹ر فروری ۱۹۲۳ء کو بعد نماز مغرب شاہی جامع مسجد آگرہ میں ایک مختصر سا جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا حشمت علی خاں نے اپنی تقریر میں اس کامیابی کی تفصیل بیان کی۔

موضع اوندی کا ایک شخص اجے چند کا انتقال ہوا اس کا اسلامی نام حبیب اللہ تھا دبدبہ سکندری کے رپورٹ کے مطابق یہ شخص کبھی کبھی نماز بھی پڑھتا تھا وہ چوٹی نہیں رکھتا تھا۔ آریہ اس کی نعش کو جلانا چاہتے تھے اس کا بھتیجہ جو روپئے کی لالچ میں آریہ ہو گیا تھا وہ بھی لاش کو جلانا چاہتا تھا مگر وفد اسلام کے سمجھانے بجھانے سے گاؤں والوں نے اس کی لاش کو آریوں کو سپرد نہ کر کے اس کا آخری انجام اسلامی طریقہ کے مطابق کیا اس کے متعلق ہفت روز دبدبہ سکندری کا ایڈیٹر لکھتا ہے:

"جب مولانا مولوی حافظ وقاری محمد حشمت علی خاں صاحب لکھنوی جو اس وفد کے سربراہ ہیں، انھوں نے میت کے غسل اور تکفین اور تدفین میں شرکت کی اور باقاعدہ مسلمانوں کے طریقہ پر نماز پڑھا کر دفن کیا گاؤں والوں نے اس سے بہت اچھا اثر لیا یہاں کے چھوٹے بڑے مولانا کے نماز پڑھانے کو متوفی کی خوش قسمتی بتاتے تھے کتنا ظلم ہوتا اگر اس میت کو پھونک دیا جاتا۔"

اس روز دفن کے بعد پنڈت جوالا پرشاد آریہ نے جو یہاں مقیم تھے مولانا سے گفتگو کی مگر تھوڑی دیر کے بعد پنڈت کی قوت نے جواب دے دیا اور انھوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں جواب نہیں دے سکتا گو کہ ہم مناظرہ سے بہت بچتے ہیں مگر جب عوام کی بدگمانی اور ان کے بہک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور مجبور ہوتے ہیں تو ناگزیر مناظرہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ الحمد للہ اس کے نتائج بہت اچھے ہوئے یہاں کے لوگ اس یقین پر پہنچ گئے کہ آریہ میدان خالی میں آکر بہکانے کے مرد ہیں علماء کے سامنے ان کی ہمتیں جواب دیتی ہیں اور زبانیں بند ہوجاتی ہیں۔ عام لوگوں میں اس کے چرچے سنے گئے۔

(دبدبہ سکندری، ص: ۱۳، ۱۹ر فروری ۱۹۳۲ء)

اس طرح شدھی سنگٹھن کے دور میں آپ نے آریوں اور پنڈتوں سے متعدد مناظرے مختلف مقامات پر کئے۔ شدھی تحریک کا آپ نے اور دیگر علمائے اہلسنت نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسے پسپا اور نیست و نابود کر کے ہی دم لیا۔ اس کی دیگر تفصیلات کے لئے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کی کارکردگی کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

مناظرۂ لاہور

یہ مناظرہ ۱۴ر شوال ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء کو مسجد وزیر خاں لاہور پاکستان میں ہوا، اس مناظرہ کا موضوع ''کفریات دیوبند'' تھا جس میں اہل سنت کی طرف سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں نے وکیل مناظرہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں کو مقرر کیا تھا جب کہ دیوبندیوں کی طرف سے مولانا اشرف علی تھانوی نے وکیل مناظرہ مولوی منظور سنبھلی کو منتخب کیا تھا۔

۱۵ر شوال ۱۳۵۲ھ روز چہارشنبہ دس بجے دن میں مسجد وزیر خاں سنی علماء و عوام سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست صدر جلسہ منتخب ہوئے اور دیوبندیوں کی طرف سے قصبہ سنبھل کے مولوی اسمٰعیل کو صدر بنایا گیا۔ حجۃ الاسلام اپنے تمام علمائے اہل

سنت کے ساتھ میدانِ مناظرہ میں موجود تھے۔ مگر مولانا اشرف علی تھانوی اور نہ ہی ان کے وکیل کا کوئی پتا تھا، انتظار شدید کے بعد ایک صاحب آئے اور انھوں نے مولانا اشرف علی تھانوی کی طرف سے ایک وکالت نامہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''کہ مذبذبین کو عبارت حفظ الایمان کی تفہیم کے لئے مولوی حسین فیض آبادی مولوی منظور مولوی اسماعیل سنبھلی اور مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری کو اپنا وکیل بناتا ہوں۔''

جب یہ وکالت نامہ پڑھا گیا تو مولانا مفتی سید احمد صاحب نے فرمایا کہ یہ تفہیم کی اجازت ہے۔ وہ بھی مذبذبین کو اس میں کہیں مناظرہ کا لفظ تک نہیں۔ طویل گفت وشنید کے بعد ابوالفتح حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں نے کھڑے ہو کر فرمایا:

''سند وکالت مناظرہ نہیں نہ تھانوی خود آئے اور نہ ہی ان کا وکیل مجاز پہنچا لہٰذا بے قرار داد ان کی اس شکست کا اعلان کرتا ہوں۔''

وہابیوں اور دیوبندیوں کے صدر سکریٹری نے اپنی شکست کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ خود ہی اپنا وکیل چنتے ہیں اور مناظرہ ہوگا کیوں کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع مناظرہ دیکھنے کو بے تاب تھا، بحث ومباحثہ کے بعد مولوی منظور سنبھلی کو مولانا اشرف علی تھانوی کا وکیل تسلیم کیا گیا اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا نے مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خاں کو اپنی طرف سے مناظرہ کی اجازت دی۔ جو حشر علمائے دیوبند کا تمام مناظروں میں ہوتا ہے وہی حشر اس مناظرہ میں بھی ہوا علمائے اہل سنت کو فتح مبین اور علمائے دیوبند کو شکست مہین حاصل ہوئی۔ اس کامیابی پر حضور شیر بیشۂ اہل سنت کے پاس مبارکباد کے خطوط اور پیغام آئے ان پیغامات کی کثرت کے سبب آپ نے لاہور مناظرہ کی مختصر تفصیل کے ساتھ ایک اشتہار شائع کیا اور اسے تمام مبارکباد دینے والوں کے پاس بھیج دیا اس اشتہار کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

۷۸۶
۹۲

۲۱ رشوال المکرم ۱۳۵۲ھ

محب سنیت عدو دیوبندیت جناب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بحمدہٖ تعالیٰ بخیرت اور آپ کے لئے اور تمام اہلسنّت احباب کے لئے طالبِ خیریت ہوں فیصلہ کن مناظرہ لاہور کے متعلق احباب کے لئے درپے خطوط آرہے ہیں۔ فقیر آج کل علیل ہے اور ہر ایک خط کا جواب علیحدہ علیحدہ لکھنا دشوار ہے، لہٰذا یہ خط چھاپ کر اپنے دینی احباب کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ کن مناظرہ لاہور میں ۱۵ رشوال ۱۳۵۲ھ کو حضرت سیدی حجۃ الاسلام مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی دام ظلہم الاقدس اور مولوی اشرف علی تھانوی کے درمیان مقرر ہوا تھا مباحث مناظرہ چار تھے۔ (۱) تکذیب رحمان (فتوائے گنگوہی) (۲) نبوت ستانی (تحذیر نانوتوی) (۳) ارجاس شیطانی (براہین قاطعہ انبیٹھی) (۴) جنون سگانی (حفظ الایمان تھانوی) بحمدہ تعالیٰ حضرت حجۃ الاسلام دام ظلہ کا میدان مناظرہ میں بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے۔ حضرت استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی، حضرت شیخ الوقت شاہ علی حسین صاحب سجادہ نشین کچھوچھہ شریف، حضرت مخدوم الوقت پیر سید صدر الدین صاحب سجادہ نشین ملتان شریف اور دوسرے مشائخ وعلماء اہل سنت کا عظیم الشان اجتماع تھا جس کی نظیر فقیر کی آنکھوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی تھی مگر افسوس نہ تو خود تھانوی آیا نہ ہی اس کا ماذون ومجاز مطلق وکیل حتی کہ جماعت دیوبندیہ کا کوئی بڑا مولوی بھی نہ آیا۔ تین لونڈے منظور سنبھلی، ابوالوفا شاہجہانپوری اسماعیل سنبھلی پنجاب کے چند غیر معروف وہابی مولویوں جتھا لے کر میدان مناظرہ یعنی مسجد وزیر خاں لاہور میں پہنچے۔ سب سے پہلے خبیثوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ ہاں تھانوی نے اس مناظرہ کے لئے کسی کو اپنا وکیل نہیں بنایا مگر ساتھ ہی یہ کافرہٹ پیش کی کہ اب ہم میں سے کسی کو تھانوی کا وکیل تسلیم کر کے اس کے ساتھ مناظرہ کر لو حضرت حجۃ الاسلام دام ظلہ نے اس فقیر کو اپنا وکیل مطلق فرما دیا۔ دیوبندی مولویوں نے منظور سنبھلی کو تھانوی کا وکیل تسلیم کرا لیا مگر پھر پولیس کے دامنوں میں پناہ لی اور کوتوال صاحب کی آڑ لے کر میدان مناظرہ سے بھاگ گئے اب تمام وہابیوں اور دیوبندیوں پر حسب قرارداد مسلم فریقین لازم ہے کہ وہ تھانوی سے اظہار بیزاری

کر کے اس کی پیروی چھوڑیں اور مذہب اہل سنت قبول کریں اشتہارات بھیجتا ہوں اس فیصلہ کن فتح کی خوشی میں جلسہ میلاد شریف کیجئے اور اس میں اشتہارات سنایئے۔ اور ممکن ہو تو اپنے یہاں کی زبان میں چھپوا کر شائع کیجئے۔ وہابی مولوی سب لاہور سے بھاگ گئے ہیں۔ اہل سنت کے جلسے روزانہ مختلف مقامات پر ہو رہے ہیں۔ دیو کے بندے منھ چھپائے پھر رہے ہیں مولیٰ تعالیٰ توفیق ہدایت بخشے آمین۔

فقیر عبید الرضا غفرلہ

دفتر مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور، اندرون دہلی دروازہ

مناظروں کی دنیا میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے کتنے مناظرے کئے اور کتنے دیوبندی مولویوں اور پنڈتوں کو شکست فاش دی ہے۔ البتہ دو درجن مناظروں کی ہمارے پاس فہرست ہے۔ جن میں آپ نے ببانگ دہل مسلک اہل سنت کی حقانیت کا اعلان کیا ہے اور مذاہب باطلہ کی تردید کی ہے۔ بے شمار وہابیوں، دیوبندیوں اور رافضیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تمام مناظروں کا تفصیلی ذکر ضخامت صفحات کے سبب میں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ذیل میں کچھ مناظروں کے مقامات کی صراحت پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

لکھنؤ، چندوسی، لاہور، تان پارہ، بسڈیلہ (بستی)، مورانوں (اناؤ)، سلانواں (ضلع جہلم پاکستان)، بھاؤپور (بستی)، مہوہ پاکھر (گونڈہ)، بھیساوہ (گونڈہ)، ستہٹیا (گونڈہ)، بازار باغ دھانے پور (گونڈہ) مناظرہ راندر (سورت)، مناظرہ پادرہ (بڑودہ)، مناظرہ مالیگاؤں (ممبئی)، مناظرۂ سنبھل (مرادآباد)، مناظرۂ لاہور (پاکستان)، مناظرۂ اوری (اعظم گڑھ)، مناظرۂ ملتان (پاکستان)

مذکورہ بالا تاریخی اور دلچسپ مناظروں کی قدرے تفصیل حضرت مولانا محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سوانح شیر بیشۂ اہل سنت اور شاہزادگان مشہود ملت کی مرتبہ کتاب مجاہدۂ شیر بیشہ اہل سنت (۱۴۳۱ھ) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

پانچواں باب

سیاسی افکار و نظریات

سیاسی بصیرت

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ انتہائی ہنگامہ خیز رہا ہے، اس دور میں مختلف سیاسی پارٹیوں نے جنم لیا اور مقاصد کی تکمیل میں بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ بھی کیا، جس کے پاداش میں بہت سے ہنگامے ہوئے، وقائع اور حوادث پیش آئے، آزاد ہند کی تحریک چلائی گئی بڑے بڑے جلیل القدر علماء نے اس میں حصہ لیا اور اپنی سیاسی بصیرت سے کچھ ہی دنوں میں ہندوستان کی کایا پلٹ کے رکھ دی۔ اس میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری مولانا عبد الباری فرنگی محلی مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کا زوال وسقوط بھی آزادی ہند کو قریب تر کرنے کا باعث ہے اور اس سے قبل کچھ اور تحریکوں کے وجود کو بھی اس کے محرکات اور اسباب میں گنا جاسکتا ہے۔ ۱۹۰۹ء میں پین اسلامزم کی تحریک، ۱۹۱۱ء میں اٹلی اور ترکی کے درمیان جنگ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا المناک سانحہ، ۱۹۱۸ء میں کٹار پور میں چودہ مسلمانوں کو بلا دریغ نذر آتش کرنا اس طرح آئے دن کے حوادثات ہندوستان کا آزاد ہونا بہت ضروری تھا۔ آزادی کی اس تحریک میں علماء نے بھرپور حصہ لیا صرف ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۷ء کے درمیان چودہ ہزار علماء کو تختہ دار پر چڑھایا گیا مگر وطن عزیز کی آزادی کے لئے ان علماء نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

جب علماء اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے مسلمان اور ہنود کی مشترکہ کوششوں سے

ہندوستان آزاد ہو گیا پھر آزادی کے بعد جس مسئلہ نے سر اٹھایا اور جس نے لوگوں کے سکون کو یکلخت زائل کر دیا وہ ہندوستان کے بٹوارے کا مسئلہ تھا کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہے ان کے حقوق انھیں نہیں مل رہے ہیں لہٰذا انھیں اس ملک کا ایسا ٹکڑا ضرور ملنا چاہئے جہاں یہ اطمینان وسکون کے ساتھ رہ کر اپنے مذہب کو پروان چڑھا سکیں۔ اس قسم کا نظریہ پہلے جس شخص نے پیش کیا مورخین اس کے بارے میں مختلف الخیال ہیں عام طور پر تقسیم ہند کا ذمہ دار مسٹر محمد علی جناح کو قرار دیا جاتا ہے جو ایک تاریخی غلط فہمی ہے بعض لوگوں نے اس کا سہرا ڈاکٹر اقبال کے سر باندھا ہے یہ بھی بے بنیاد ہے کچھ لوگ چودھری رحمت علی کو اس کا موجد قرار دیتے ہیں جو کسی حد تک قرین قیاس ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

''غالباً ۱۹۱۵ میں چودھری رحمت علی نے ہندوستان میں مسلم ریاست کی ضرورت پر زور دیا ۱۹۱۷ء میں عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے اسٹاک ہوم میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی ۱۹۳۲ء ڈیرہ اسماعیل خاں کے سردار محمد گل نے ۱۹۲۴ء میں ہندو مہا سبھا لالہ لاجپت رائے نے ۱۹۲۵ء میں محمد علی جوہر نے مسلم کوریڈو اور اسی سال محمد عبدالقدیر بدایونی نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی اور تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی اس سے متعلق تفصیلی بحث اس سے پہلے کہیں نہیں ملتی۔ عبدالقدیر بدایونی کی تجویز ''تقسیم ہند'' سب سے پہلے بدایوں کے اخبار ذوالقرنین کے شمارہ مارچ اپریل ۱۹۲۰ء میں منظر عام پر آئی بعد میں ایک رسالہ کی صورت میں ۱۹۲۵ء میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوئی پھر ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے دوبارہ چھپ کر شائع ہوئی رسالہ کا عنوان ہے ''ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام''۔

(تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مسعود احمد ص ۱۵۰ لاہور ۱۹۷۹ء)

اس کے علاوہ مورخین نے اور لوگوں کے بھی نظریات پیش کئے ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں آغا خاں سوم نے صوبہ کی خودمختاری کی تجویز پیش کی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چودھری رحمت علی نے

جس مسلم ریاست کا سب سے پہلے نظریہ پیش کیا اس مسلم ریاست کا سب سے پہلے نام انھوں نے ہی غالباً ''پاکستان'' تجویز کیا تھا۔

پاکستان کیا ہے؟

پاکستان کیا ہوگا اس کا قیام کیوں ضروری ہے اس تعلق سے مسٹر محمد علی جناح نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر مولانا شبیر احمد عثمانی نے بتائی تھی خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنے سے قبل انھی کی زبان میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ پاکستان کیا ہے۔

پاکستان اُس تاج کی واپسی کا مطالبہ ہے جو ڈیڑھ صدی پہلے غداران وطن کی سازش سے ہندوستان کے سر سے چھن گیا ہے۔ پاکستان اس سکہ کا نام ہے جس کے دور میں مسلمان سکھ عیسائی اور ہندو امن وسکون کی سانس لیتے تھے۔ پاکستان خاندانی اشتراک کا ذریعہ ہے جس کی بنیاد اکبر نے ڈالی ہے۔ پاکستان مندروں، مسجدوں، گرودواروں، گرجا گھروں کا محافظ ہے۔

پاکستان ہندو، مسلمان سکھ، عیسائی کا مشترکہ محل ہے، پاکستان یوروپ کے لئے ایٹم بم ہے جو برمنگھم پیلیس اور وائٹ ہال پر پھینکا جائے گا۔ پاکستان ہی کے ذریعہ جھانسی کی رانی مینا دیوی پدماوتی سلطانہ چاند کا بدلہ لیا جائے گا۔ پاکستان ہی سے کلائیو نٹو ڈایر جیسے درندوں کا سر کچلا جائیگا۔ پاکستان اقلیت کا ضامن ہے۔ پاکستان دُنیا کا بہترین قانون ہے، پاکستان ہی کے ذریعہ ہندوستان صدیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرے گا پھر یہ خوف وہراس کیا معنی؟ یہ قتل عام کیسا، یہ منافرت کیوں، یہ عداوت کیسی، نادانی چھوڑو اگر واقعی انگریز کو ہندوستان سے بھگانا ہے تو پاکستان کی مخالفت بے سری بانسری میں آگ لگادو اور اس خیال کو دل سے نکال دو کہ لوٹ مار قتل وغارت گری سے پاکستان نہ بن سکے گا۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ مسلم تیغوں کے سائے میں پرورش پاتا ہے وہ خوابندہ سہی مگر شیر ہے ایک ہی کروٹ میں ہندوستان کو کرۂ نار بنادے گا لیکن ساتھ ہی وہ خدائی طاقت کا غلط استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ یقین مانو کہ یہ لڑائی جھگڑا بھی انگریزی کی پیداوار ہے اس سے بچو ورنہ ملک کی غلامی کے ہم واحد ذمہ دار ہوں گے۔ آنے والی نسلیں جب تمہارے کارنامے پڑھیں گی تو اُن کا ضمیر لعنت بھیجے گا جاہ طلبی ونام ونمود کے لئے

بیکنٹھ کو نرکھ نہ بناؤ اپنے جیون کو دیش کی سیوا کے لئے وقف کردو۔ بھگتی سے مکتی ملتی ہے۔ مخالفت سے خاندان اور قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ تم خود سوچو جب تمہارے پاس فوج، حکومت تھی اس وقت تم مٹھی بھر مسلمانوں کو ہندوستان سے نہ نکال سکے تو آج تو وہ دس کروڑ ہیں۔ آج اُن کے لئے یہ پروگرام بنانا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں۔ خلاف عقل ہے۔ پاکستان کو راون راج نہ سمجھو بلکہ شانتی واہنسا کا قدرتی اعلان سمجھو۔ (قائداعظم کا خواب ص۔ ۴، ۵ عصر جدید پریس کلکتہ)

قیام پاکستان کے تعلق سے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو بشارت دی گئی تھی جس کا ذکر پاکستان پبلسٹی وفد کے لیڈر جناب محمد سلیمان قریشی بی اے کو پرائیوٹ سکریٹری قائداعظم تے بمقام بمبئی ''قائداعظم کو بشارت'' کے عنوان سے ایک بیان دیا ہے جسے من وعن ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔

''قائداعظم محمد علی جناح اپنی دن بھر کی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا رات ہو چکی تھی ایسوسی ایٹڈ کے نمائندے سے سوال وجواب کا سلسلہ جاری تھا ابھی ان سے فرصت بھی نہ پائی تھی کہ ملازم نے ایک کارڈ لا کر دیا۔ وہ کارڈ مسٹر آئی آئی چندریگر کا تھا میں نے ملازم سے ان کو بلانے کو کہا نمائندہ پریس سے رخصت ہو کر میں مسٹر چندریگر سے گفتگو میں مشغول ہو گیا۔ جو کہ پنجاب مسلم لیگ تحریک سے متعلق تھی گفتگو کا سلسلہ تقریباً دو گھنٹہ جاری رہا اس کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوست سلطان شہریار کے خط کا جواب لکھ ڈالوں چنانچہ لکھنے لگا، سلسلہ نگارش بھی ایک گھنٹہ قائم رہا اس کے بعد لباس تبدیل کیا اور قصر مصیبت (خواب گاہ) میں داخل ہوا تین بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ بستر پر آیا اور برطانوی سیاست پر غور کرنے لگا چند کروٹوں میں میں بے خبر تھا۔''

خواب

پھر میں نے اپنے آپ کو ایک پُرفضا مقام پر دیکھا اس وقت میرا لباس سیاہ شیروانی چوڑی دار پائجامہ سیاہ ٹوپی اور سیاہ بوٹ تھا میں چہل قدمی کرتا ہوا تھوڑی دور چلا کہ سامنے ایک باغ نظر آیا جس میں طرح طرح کے میوہ جات درختوں کی زینت تھے۔ سرد ہوا میں بیداری کو خوابی لباس پہنا رہی تھیں میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا مشکل سے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ کسی

نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ محمد علی اٹھ، اس آواز میں نہ معلوم کونسا رعب تھا جس کے باعث میں فوراً کھڑا ہوگیا۔ تعجب صرف یہ تھا کہ پکارنے والے اور حکم دینے والے کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔ یکبارگی نگاہیں اٹھیں اور اس کوہ نور پر پڑیں اور جھک گئیں۔ میں مؤدب کھڑا تھا کہ اس پیکر نور نے فرمایا۔ محمد علی یہ تلوار اور یہ تاج تیری فتح کا ذریعہ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تو میری امت کا سچا ہمدرد ہے عنقریب تجھ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی۔ ایک بار اسلام کا جھنڈا اور وحدانیت کا سکہ پھر چلے گا۔ عنقریب در توبہ بند ہو جائے گا۔ اس لئے میری اُمت کو ہدایت کردے کہ وہ توبہ کرے۔ میں شب و روز خالق یکتا سے دُعا ان الفاظ میں کرتا ہوں تو میری اُمت تک اس کو پہونچا دے تا کہ امت میرے بعد نماز اپنی اپنی زبان میں پڑھا کرے۔ نتیجہ خوش گوار ہوگا۔

اے پیدا کرنے والے ہمارے دلوں میں نور پیدا کر۔ اے فنا کرنے والے ہماری آنکھوں میں نور بصر پیدا کرتا کہ ہم سب حق و باطل میں تمیز کرسکیں۔ اے مخلوقات عالم کے پالنے والے ہم کو ہمت دے کہ ہم تیری راہ میں قربان ہوسکیں۔ اے معبود مسلمانوں کو گمراہی سے بچا اے خدا اسلام کے جھنڈے کو سربلند کر آمین۔

اس کے بعد اُس مخزن الانور نے فرمایا پاکستان بنے گا اور ضرور بنے گا۔ محمد علی جب میری اُمت خدا کی راہ میں بڑھی فتح و ظفر نے قدموں کو چوما جس دن سے اس میں جاہ طلبی پیدا ہوئی وقار ملت کو صدمہ پہونچا اتنی مصیبتوں میں بھی قدرت کا ایک راز مخفی تھا، عنقریب اسلام کے جسد مردہ میں نورانی روح داخل کی جائے گی۔ وہ دیکھو کیا ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا جامع مسجد اور لال قلعہ نظر آیا۔ حضور نے پھر فرمایا تو یہ پرچم لے اور اس کے پھاٹک پر نصب کردے۔

تعمیل حکم میں میں نے پرچم لے کر کوچ کیا جب قلعہ کے قریب پہونچا میں بلند ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک پر پہونچ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیا ہوا پرچم نصب کردیا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ صبح کو سکریٹری سے خواب لکھوا کر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں بغرض حصول تعبیر روانہ کیا۔

حقیر ایم، اے، جناح

تعبیر خواب

قائداعظم کا خواب آنے والے دور کا اعلان ہے، اس وقت مسلمانوں کو ہم آہنگی کے ساتھ اسلام کے پرچم کو بلند کرنے کی جدوجہد کے لئے ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جانا چاہیے۔

خدائے بزرگ و برتر سبز ہلالی پرچم کو انشاء اللہ لال قلعہ پر لہرائے گا۔ یہ سبز ہلالی پرچم وہی پرچم ہے جیسا خواب سے ظاہر ہے اور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصفات کو مرغوب ہے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایک کردے۔ (مولانا شبیر احمد عثمانی بقلمہٖ)

بہر حال معاملہ کچھ بھی رہا ہو اتنا مسلم ہے کہ عبدالقدیر بدایونی کا نظریہ جسے انھوں نے ۱۹۲۵ء میں پیش کیا اس کو علماء نے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی رہے اس موقع سے مختلف اغراض و مقاصد کے تحت کچھ سیاسی پارٹیاں بھی وجود میں آئیں مگر پھر بھی اس دور میں کچھ علماء ایسے تھے جو ان سیاسی پارٹیوں سے الگ رہ کر اپنے مقصد کا حل ڈھونڈھ رہے تھے علماء کی یہ مقدس جماعت گذشتہ مسلم حکومت کے پیش نظر پورے ہندوستان کو مسلم قومیت کا دست نگر بنانے کا عزم مستحکم رکھتے تھے ایسے علمائے کرام میں شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی قادری پیلی بھیتی علیہ الرحمۃ والرضوان پیش پیش تھے۔ شیر بیشہ اہل سنت کی شخصیت ان کا کردار اور ان کی صلاحیت ارباب علم و دانش خوب جانتے ہیں، زندگی کے تمام شعبوں میں متعارف تھے کہیں مناظر، کہیں مقرر، کہیں بلند پایہ مصنف اور کہیں بحیثیت مفتی جانے پہچانے جاتے تھے۔ مگر یہ مورخین کی تنگ نظری اور ستم ظریفی ہے کہ وہ عقیدت اور محبت کی بنیاد پر تاریخی حقائق کو بھی لے ڈوبتے ہیں کسی کو خوش عقیدگی کی بنیاد پر ثریا تک پہنچا دیتے ہیں اور کسی کو تنگ نظری کے سبب تحت الثریٰ تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ فن تاریخ نویسی میں الفت وعناد سے ہٹ کر ایک درمیانی راہ نکالنی چاہئے جس میں نہ تو عقیدت کی بنیاد پر کسی شخصیت کی طرف قلم جھکتا ہوا نظر آنا چاہئے اور نہ ہی باہمی شکر رنجی یا معاصرانہ چشمک کے سبب حقیقت سے پہلو تہی کی جانی چاہئے۔ جن شخصیتوں کو مورخین نے نظر انداز کر دیا ہے ان میں امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے علاوہ ان کے فرزند روحانی حضور شیر بیشۂ اہل سنت

کی مظلوم شخصیت بھی ہے، آزاد ہند، نظریہ پاکستان، اور تحریک پاکستان کے موضوع پر کئی بلند پایہ مصنفین کی کتابیں نظر سے گذریں مگر جن شخصیتوں کی قوم مسلم کی اصلاح میں ثانوی حیثیت رہی ہے مصنفین نے منصفانہ طور پر نہیں محض عقیدت کی بنیاد پر انھیں اعلیٰ مقام دیا ہے اور جن صاحب کردار شخصیتوں کو سرفہرست آنا چاہئے مورخین نے انھیں ثانوی حیثیت دینا بھی گوارہ نہ کیا۔ تحریک پاکستان کے معاون نہ سہی مخالف ہی کی حیثیت سے تذکرہ کرتے مگر ایسا بھی نہ کرسکے اس موضوع کو تاریخ کی کتابوں سے اس طرح مٹادیا کہ دور دور تک اس کے آثار بھی نہیں رہے، راقم کے سامنے ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ ایک مورخ کے سامنے عزم واستقلال اور جرأت وبے باکی کے کئی واقعات گذرے مگر مورخ چونکہ اس کا ہم مسلک وہم عقیدہ نہیں تھا اس لئے پہلو تہی کرگیا اور جب وہ تاریخ لکھنے بیٹھا تو عناد وتعصب کی عینک لگالی اب ایسے ماحول میں آپ خود ہی بتائیں کہ وہ کیا لکھے گا؟ ہوا بھی یہی کہ عزیمت کے احوال لکھنا تو دور کی بات ہے نام بھی لکھنا گوارہ نہ کیا۔

میں یہی سمجھتا ہوں اور تقریباً ہر منصف مزاج انسان کو یہی سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی ملک وملت کا ہمدرد وخیر خواہ ہے اور اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں ہے تو محض ذاتی عناد اور باہمی اختلاف کی بنیاد پر اس کی تاریخ ساز جدوجہد کو ملیا میٹ نہ کردینا چاہئے بلا شبہ دنیا کی کچھ شخصیتیں اہم ہوتی ہیں کسی ایک دائرہ تک محدود کرلینا سخت غلط فہمی ہے شیر بیشۂ اہل سنت بے شک مسلم قومیت کی فلاح وبہبود کی خاطر تقسیم ہند کی مخالفت میں جو رول ادا کررہے تھے وہ ناحق نہیں، حق تھا۔ غلط نہیں، صحیح تھا۔ جس میں کامیاب نہ ہونے کے باعث قوم مسلم آج جس مصائب کا شکار ہے وہ ہر ذی ہوش پر عیاں ہے پھر بھی ارباب علم وفن کی سمجھ میں نہیں آتا ان کی شخصیت پر پردہ ڈالتے چلے جارہے ہیں۔ تاریخ ہند کے صفحات سے اغیار شیر بیشۂ اہل سنت کا نام ونشان مٹانے کی پیہم کوشش میں ہیں۔ کس قدر رونے کا مقام ہے کہ وہ علماء جنھوں نے تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھا ہے اور اسی پر وہ تادم زیست قائم رہے ان پر تو کتابیں لکھی جائیں سیمینار کرائے جائیں اکیڈمیاں اور مکتبے قائم کئے جائیں ان کے نام پر لائبریریاں کھلوائی جائیں اور جنھوں نے واقعی اہم کارنامے انجام دئے ان کا سرے سے کہیں کوئی ذکر ہی نہ کیا جائے یہ عجیب سی بات ہے اس

لئے ضرورت ایسے مورخین اور قلم کاروں کی ہے جو عناد کی عینک اتار کر اور انصاف کی عینک لگا کر حقائق آشکار کریں جس سے دور حاضر کے معاندین غفلت برت رہے ہیں۔

سیاست میں کب کیا ہو جائے کسی کو خبر نہیں ہوتی صبح و شام اس سے ایک نئے فضا اور نئے ماحول کی ضرورت پڑتی ہے سیاست داں متلون مزاج ہوتے ہیں کسی ایک ارادہ پر اٹل رہنا سیاست نہیں بلکہ ہوا کے رخ پر بہہ جانا اصل سیاست سمجھی جاتی ہے۔ مسلم قائدین میں شیر بیشۂ اہل سنت نے سیاست میں جو طریقہ اختیار کیا ہے یقیناً وہ اچھوتا ہے نہ تو ہوا کے رخ پر بہے اور نہ ہی کسی ایسے فیصلے پر اٹل رہے جو شریعت کے خلاف رہا ہو بلکہ میدان سیاست میں رہ کر کتاب وسنت کے مکمل متبع و پیروکار رہے ہیں۔

شیر بیشۂ اہل سنت نے تقسیم ہند کے مخالف کی حیثیت سے وہ کارنامے انجام دیے ہیں جس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی اس تحریک کے موقع پر بیگانے تو بیگانے اپنے بھی ناراض ہو گئے تھے مگر چوں کہ وہ حق گو مرد جانباز تھے اس لئے دوسروں کا سہارا لئے بغیر اپنے حق فیصلے پر اٹل رہے وقت گذر جانے کے بعد جس کی بڑی پذیرائی ہوئی اس کے نتائج سامنے ہیں نہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اطمینان اور نہ ہی پاکستان میں مسلمانوں کو آرام، اب جب کہ حقائق آشکار ہو چکے ہیں موصوف کا فرمان سامنے ہے پھر بھی قوم کے ایسے محسن پر گمنامی کی چادر ڈال کر عوام کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے تو کتنی بڑی نادانی اور ناانصافی ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر تقسیم ہند اور تحریک پاکستان کے مخالفین میں سب سے پہلے شیر بیشۂ اہلسنت کا تعارف اور ان کی سیاسی بصیرت سے متعلق اپنی تلمیذانہ معلومات آپ تک پہنچانے کی جسارت کی جارہی ہے۔

ہندوستان کا سیاسی منظر نامہ

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ دھما کہ خیزیوں کا زمانہ رہا ہے جنگ عظیم، تحریک آزادی ہند اور تقسیم ہند ایسے اہم مسائل تھے جن سے چھوٹے بڑے سب کے سب سیاسی کشمکش کے شکار تھے۔ حالات کے پیش نظر کئی سیاسی پارٹیوں اور تحریکات نے بھی جنم لیا۔ خلافت کمیٹی، انڈین نیشنل کانگریس، آل انڈیا مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء

مسلم نیشلسٹ، خدائی خدمت گاراں، سنی کانفرنس، شیعہ کانفرنس، مومن کانفرنس، مجلس احرار، تحریک خاکسار، کریشک پر جا پارٹی بنگال،، چکڑی صدر انجمن بنگال، ان پارٹیوں جماعتوں اور تحریکات کے جنم لیتے ہی ملت دو پارہ ہوگئی اور لوگ کئی خیموں میں بٹ گئے۔ مدارس، جامعات اور دانشگاہیں سیاسی اکھاڑہ بن گئیں، آئے دن ایک دوسرے کے خلاف احتجاجی نعرے بلند کئے جانے لگے۔ جلسے وجلوس کی محفلیں منعقد کی جانے لگیں ان ہنگامی جلسوں میں دینی اور عصری جامعات کے اساتذہ وطلبہ یکساں طور پر شرکت کرتے، تقسیم ہند کے موقع سے علماء اور صوفیا نے جو کارنامے انجام دئے ہیں وہ ڈھکی چھپی بات نہیں لاکھ کوئی ان کے کارناموں پر پردہ ڈالے مگر ان شہیدان وطن کا لہو قیامت تک وطن سے وفاداری کا اعلان کرتا رہے گا۔

ان سیاسی پارٹیوں کے وجود میں آتے ہی لوگوں کے اذہان وافکار بھی سیاسی ہو گئے۔ الگ الگ خیموں میں بٹ کر ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل کرنے لگے، اہل سنت وجماعت کے بیشتر علماء مسلم لیگ کے ساتھ اور علمائے دیوبند کانگریس کی حمایت میں تھے۔ سنی کانفرنس جو در اصل علمائے اہل سنت کی ایک باوقار اور سنجیدہ تنظیم تھی جس کی باگ ڈور پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے ہاتھوں میں تھی اور اس کے جنرل سکریٹری صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی تھے۔ یہ تنظیم اعلانیہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کر رہی تھی بعض علماء ایسے بھی تھے جو نہ تو کانگریس کے پٹھو تھے اور نہ ہی مسلم لیگ کے وفادار وہ کھلے عام قوانین اسلام کی مخالفت کرنے والی پارٹیوں کی مخالفت کرتے اور جو علماء ان سیاسی پارٹیوں کے ہم نوا ہو گئے تھے جنھیں شریعت کا پاس نہیں تھا ان سے بھی اظہار ناراضگی فرماتے، اور ان سیاسی پارٹیوں کے منشور جو خلاف شرع ہوتے ان کی کھل کر مخالفت بھی کرتے یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے سنی علماء بھی اسی کشمکش کا شکار ہو کر مختلف جماعتوں میں بٹ گئے بیشتر علماء مسلم لیگ کے خیمہ میں چلے گئے، عجب افراتفری کا ماحول تھا اس موقع سے مسلمانان اہل سنت کو باہم متحد کرنے کے لئے کوششیں بھی ہوئیں اس موقع سے ایک اشتہار ''صدائے حق۔ علمائے اہل سنت وذمہ داران ملت سے خاص خطاب'' کے عنوان سے محمد سراج الہدیٰ قادری گیاوی نے آستانہ عالیہ قادریہ بیت الانوار محلہ گوال بیگہ شہر گیا سے ۸ر جمادی

الثانی ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء کو شائع کیا تھا جس میں انھوں نے مسلم لیگ کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی تھی وہ فرماتے ہیں۔

"دنیا اس وقت مذہبی انقلاب کے دور سے گذر رہی ہے۔ دنیا دار کے لئے یہ نہایت ہی پُر آشوب زمانہ ہے علمائے حق بیدار ہوں، یہ خاموشی کا وقت نہیں، بد دینوں کے دنیاوی عروج وترقی کو دیکھ کر سہم گئے اور مصلحت وقت پر ٹالدیا تو پھر دین کی حمایت وحفاظت کا اور کون سا وقت ہوگا۔ اہل سنت کو یقیناً اپنی سنت قدیمہ وبحکم شریعت غرہ وہی کرنا چاہئے جو انھوں نے ہر فتنہ کے دور میں کیا ہے اور جس طرح پہلے دین کے ہر دشمن عنید ومخالف شدید کی ذرا بھی مروت و پرواہ نہ کی اور حق کو آفتاب کی طرح روشن کر دکھایا، کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا اسی طرح آج بھی۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

اپنی آواز حق بلند کریں اور مخلوق کو مکاروں، غداروں سے باخبر کر دیں اور بتا دیں کہ یہ وہی فتنہ ہے جو بیسوں برس پہلے مختلف صورتوں میں رونما ہوتا رہا۔ فتنہ وہی ہے فتنہ کا مقصد وہی ہے، صرف نام بدلا ہوا ہے، ورنہ کیا موجودہ مسلم لیگ انھیں بدمذہبوں، دین کے دشمنوں کا جتھا نہیں جو ندوہ اور خلافت کمیٹی میں تھا، جن فتنوں کی تردید تقریری وتحریری تمام علمائے اہل سنت ہندوسندھ بلکہ مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ نے بالاتفاق کی، جو مسلمان غفلت سے ان فتنوں میں شریک ہوگئے تھے ان کو آگاہ کیا وہ آواز حق سن کر فوراً ان گمراہوں سے علاحدہ ہوئے اور توبہ کی۔ جن شرعی علتوں کی بنا پر علمائے حقانی نے مذکورہ بالا فتنوں کی تردید کی اور عدم شرکت کا اظہار فرمایا وہ علتیں اگر موجودہ لیگ میں نہیں پائی جاتیں تو جو اس کے طرفدار ہیں یا خفیہ طور پر اس کی تائید میں ہیں وہ اس مسئلہ کو ظاہر کر دیں اور ندوہ وخلافت کمیٹی وغیرہ اور موجودہ مسلم لیگ میں وجہ فرق بیان کر دیں اور اگر علتوں میں اشتراک

ہے اور فتنہ وہی ہے اور یقیناً وہی ہے صرف نام کا فرق ہے تو پھر بعض علمائے اہل سنت کا اس سے سکوت یا شرکت یا تائید کے کیا معنیٰ ؟"۔

(اشتہار صدائے حق ص ۴، ۵ مطبوعہ شمسی پریس گھسیار ٹولہ گیا)

یہ مسلم لیگ وہی تھی جس کی قیادت مسٹر جناح کر رہے تھے علمائے اہل سنت کا ایک بڑا طبقہ اس کی حمایت میں تھا۔ سنی کانفرنس کا مقصد پاکستان کا حصول تھا، اسی لئے سنی علماء کفن بردوش ہو کر اس کے ساتھ لگے رہے اور اس کے معایب پر ان حضرات کی نظر تک نہ گئی اور اگر گئی بھی تو ایک نئے ملک کے حصول کے سامنے اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ اس کے برخلاف ہمارے بعض اکابر علماء نے لیگ کے اصول وضوابط اور لیگیوں کے افکار و نظریات جو کتاب وسنت کے خلاف تھے اس کا سخت نوٹس لیا۔ ایسے لوگوں میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ نہ صرف پیش پیش تھے بلکہ علمائے مارہرہ اور علمائے بریلی کی انھیں حمایت اور پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

ان علماء کے نزدیک کانگریس اور لیگ کے اصولوں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا وہ حضرات ان سیاسی پارٹیوں کو ایک ہی سکے کے دو رخ، ایک ہی گیت کی دو دھنیں اور ایک ہی چھری کی دو دھار سمجھتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ لیگ کو جنم دینے والے وہی لوگ ہیں جو کسی وقت کانگریس کے روح رواں تھے۔ اس لئے ان علماء نے ان جماعتوں کی کھل کر مخالفت کی۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی کانگریس و مسلم لیگ مخالف علماء کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وہ حضرات تھے علمائے اہل سنت جنھوں نے بلا خوف لومۃ لائم اعلان فرمادیا کہ کانگریس اسلام و مسلمین کے لئے مار آستین اور شہد میں ملا ہوا زہر ہلاہل ہے۔ ہندو دشمن اسلام و مسلمین ہیں، ان سے کسی بھلائی کی امید کرنا ان کے لمبے لمبے چوڑے وعدوں پر پھولنا سخت غلطی ہے یہ تمہیں اپنے منہ سے خوش کرتے ہیں اور اپنے سینے میں تمہیں ملیا میٹ کرنے کے جذبات رکھتے ہیں آج تم کو اپنا بنانے کے لئے تمہیں شہد دکھا رہے ہیں مگر موقع پاتے ہی تمہیں ایسا زہر دیں گے کہ تم سوائے نزع اور کوئی کروٹ بھی نہیں لے سکو گے۔"

(اشک رواں، مفتی شریف الحق امجدی ص ۵۶ گیا ۱۳۶۵ھ)

تمام سنجیدہ علماء ومفکرین نے کانگریس کو زہر ہلاہل کے مانند سمجھا، سر سید احمد خاں نے بھی کانگریس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اگر ہندوستان میں نمائندہ حکومت قائم ہوئی تو ان کا مستقبل تاریک ہوگا اور ان کو تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہ ملے گا اور اس سے دائمی غلامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا''۔ (تحریک خلافت، عدیل عباسی ص ۵۸ دہلی ۱۹۷۸ء)

مسٹر گاندھی اور کانگریسی علماء

جو لوگ کانگریس سے وابستہ تھے ان کے نزدیک مہاتما گاندھی کی حیثیت کسی نبی اور پیغمبر سے کم نہ تھی جس کا موقع بموقع لوگوں نے اظہار بھی کیا اور اشتہار بھی۔ مولانا شوکت علی نے دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ جس کا ذکر مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے خواجہ حسن نظامی کے نام لکھے گئے ایک خط میں کیا ہے جو اس طرح ہے۔

''ان کو (گاندھی کو) اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال تو سردست اس شعر کے موافق ہے۔

عمر یکہ بآیات واحادیث گذشت
رفتی وشار بت پرستی کردی

بوقت ہجرت حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راہنما لیا تھا جو غیر مسلم مشرک تھا اس وقت میں نے بھی اس سنت نبویہ کی اتباع کی ہے جب تک یہ راہ طے نہ ہو اس کی پیروی مناسب ہے، فقط فقیر عبدالباری عفی اللہ عنہ۔ (گاندھی کا فیصلہ مصنفہ حسن نظامی، دہلی۔ ص ۱۶)

رفاہ عام لکھنؤ کی تقریر میں ظفر الملک نے مسٹر گاندھی کے تعلق سے یہاں تک کہہ ڈالا۔

''اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے''

(دبدبۂ سکندری رام پور نمبر ۷ جلد ۵۷، یکم نومبر ۱۹۲۰ء)

انجمن اسلامیہ بریلی کی جانب سے مسٹر کرم چند گاندھی کی خدمت میں سپاس نامہ پیش

کیا گیا تھا۔ وہ سپاس نامہ منظوم تھا جس کے چند بند ذیل میں دیئے جارہے ہیں اس سے کانگریسی علماء کے نزدیک گاندھی کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

چل فخر قوم حضرت گاندھی کو دیکھ آئیں — جوش وخروش قوم کی آندھی کو دیکھ آئیں
فیض قدم سے جن کے بریلی بنی دُلہن — ایک ایک گلی ہے اشک خیابان نسترن
ہر اک مکاں قصور بہشتی پہ طعنہ زن — ہر ایک باغ روکش صد گلشن عدن
اک دھوم مچ گئی کہ مسیحا وہ آگئے — کرتے ہیں درد کا جو مداوہ وہ آگئے
تعریف کوئی کرسکے ان کی یہ نادرست — خاموشی از ثنائے توحد ثنائے تست
ہم بیکسوں کے حامی و یاور بنے ہیں آپ — گم کردہ راہ قوم کے رہبر بنے ہیں آپ
اس حال پُر ملال میں لیڈر بنے ہیں آپ — بھارت کے حق میں رحمت داور بنے ہیں آپ
مردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلادیا — ہم سب کو آپ چشمۂ حیوان پلادیا

(صمصام سینت ص، ۵ مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ)

ان کانگریسی علماء نے مسٹر کرم چند گاندھی کی سیاسی آندھی میں بہہ کر اپنے ایمان کو مجروح کرڈالا تھا اور اسے خوش کرنے کے لئے ایسے ایسے اخباری بیانات جاری کئے جو صراحتاً شریعت اسلامیہ کے خلاف تھے۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ایسے علماء کے وہ بیانات جو کفریات پر مشتمل تھے ان پر حکم شرع نافذ کرتے ہوئے عالمانہ ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ ایسے علماء جو گاندھی کی جے جے کار لگاتے تھے ان کی تو طویل فہرست ہے لیکن ان میں سر برآوردہ علماء جن کی سیاسی قیادت مسلمانوں کے نزدیک مسلّم تھی انھیں موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ان علماء کے عقائد ونظریات کیا تھے جب اس سے متعلق کسی سائل نے آپ سے استفتاء کیا تو آپ نے اس کا بڑا تفصیلی جواب لکھا وہ استفتا یہ تھا۔

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہل سنت سوال ذیل میں کہ ابوالکلام صاب آزاد اور محمد علی اور شوکت علی اور مولوی عبدالماجد بدایونی اور مولوی عبدالباری صاحب لکھنوی اور حسن نظامی دہلی کے عقائد کیا ہیں اور ان لوگوں نے مذہب اہل سنت کے خلاف کیا کیا لکھا ہے اور ان کے جملہ

عقائد وافعال واقوال خلاف مذہب اہل سنت سے جن کا علم وخبر آنجناب کو ہو مع ثبوت مع بحوالہ کتب واخبارات مع صفحہ نمبر وکالم ارشاد فرمائیے اور ان کے جس قول وعقیدۂ بد کو تحریر کریں اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ مختصر حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی حاجی غلام حسن سہیل اشرفی

یکم ربیع الاول شریف ۱۳۴۳ھ

اس استفتاء کا جواب دوسرے علمائے اہل سنت نے کیا دیا اس کی تفصیل تو راقم السطور کے پاس نہیں البتہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے جس شرح وبسط کے ساتھ اس مسئلہ کا جواب دلائل وبراہین کی روشنی میں دیا اسے "قهر القهار علی اصول الگاندهوية الكفار" کے نام سے کتابی شکل میں ۱۳۴۳ھ میں شائع کر دیا۔ ذیل میں اس استفتا کا اختصار کے ساتھ جواب بلا تبصرہ پیش کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے۔

(الف) مولانا ابوالکلام آزاد

۱۔ مسٹر ابوالکلام آزاد نے الہلال میں سیدنا عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کے نبی صاحب شریعت ہونے کا صاف انکار کیا اور منہ بھر کر قرآن عظیم کو جھٹلایا۔ الہلال ۲۲ ستمبر ۱۹۱۳ء میں کہا۔ "مسیح ناصری کا تذکرہ بیکار ہے وہ شریعت موسوی کا ایک مصلح تھا خود کوئی صاحب شریعت نہ تھا اس کی مثال مجدد کی سی تھی وہ کوئی شریعت نہ لایا اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا۔"

مسلمانو روح اللہ کلمۃ اللہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا کہ اس کا تذکرہ بیکار ہے" کیسی صریح توہین اور قرآن عظیم کی کھلی گستاخی ہے۔

۲۔ ہندوؤں کو اپنے مذہب کی اشاعت کا پورا حق حاصل ہے وہ مسلمانوں کو نہیں بلکہ خاص سیدوں کو بھی جو حضرت محمد صاحب کے خاندان ہی سے کیوں نہ ہوں ہندو بنا سکتے ہیں ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ دیکھو اخبار مجدد لاہور مئی ۱۹۲۳ء۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ کسی ایک مسلمان کو مرتد کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں اور کفر وارتداد کو قابل اعتراض نہ جاننے والا مسلمان کے کافر ہونے پر راضی ہونے والا قطعاً کافر ہے۔

آزاد صاحب کے اس قول کو اگر ہندستان ہی کے ساتھ خاص رکھا جائے تو بفضلہ تعالیٰ ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں تو مسٹر آزاد آٹھ کروڑ مسلمانوں کے ہندو اور کافر ہونے پر راضی ہوئے۔

مسٹر آزاد فرماتے ہیں:

اگر ہندوستان ہندوستانیوں کے قبضہ میں آجائے تو مسلمان کسی مسلم طاقت سے جو ہندوستان پر حملہ آور ہوگی ہندوؤں کے ساتھ رہ کر مقابلہ کریں گے پھر اور صاف کہا کہ اگر خلیفہ کی فوج ہندوستان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان اس سے بھی لڑنے کو تیار ہو جائیں گے ہرگز خلیفہ کا ساتھ نہ دیں گے۔(شیر دکن ۲۵ر جون ۱۹۲۱ء)

اب بھی اپنے ہندو دوستوں کی تشفی کافی نہ سمجھی لہٰذا صاف تر کہا اگر کوئی دوسری طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمان اپنا پہلا فرض سمجھیں کہ ہندوؤں کی مدافعت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کردیں اس سے بھی اپنے چہیتوں پیاروں لاڈلوں ہندوؤں کو پوری دلجمعی نہ جاتی تو اور زیادہ واشگاف کہا'' اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔(قہر القہار، ص ۳۱)

۳۔ مسٹر آزاد مندروں سے مسجدوں کو حقیر سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مندر کی حرمت کے برابر مسجد کی حرمت نہیں۔ اخبار شری گورکھپور جلد ۱۸ نمبر ۴۶ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۴ء۔ ''مسلمانوں کا مطالبہ'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں مولانا آزاد فرماتے ہیں۔

'' آج اس تجویز پر مباحثہ تھا کہ مندروں کو جو نقصان پہنچایا جاتا ہے اس پر اظہار تاسف کیا جاتا ہے(مسلمانوں نے مطالبہ کیا) کہ مندروں کی جگہ لفظ '' عبادت گاہیں'' ہو تو مساجد کی بے حرمتی کی بھی تلافی ہو جائے گی۔ ہندوؤں نے جواب دیا کہ مساجد کی بے حرمتی کسی جگہ نہیں ہوئی مسلمانوں نے واقعات بیان کئے کہ فلاں فلاں جگہ مسجدیں توڑی گئیں اور بے حرمتی کی گئی آخر مولانا ابوالکلام نے مسلمانوں کے مطالبہ کی تردید کی اور کہا کہ اول تو مساجد کی بے حرمتی

ثابت نہیں دوسرے ان کے مطالبہ کا وزن کم ہے'' اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضور شیر بیشہ اہل سنت فرماتے ہیں۔

مسلمانوں تمھی انصاف سے کہو کہ کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے کہ کیا اب بھی خلافت وحمایت مقامات مقدسہ کا نام لیتے ان لیڈران کو شرم نہ آئے گی۔ کیا اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں گی کیا اب بھی دوست دشمن کی تمیز نہ پیدا ہوگی للہ اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ جنھیں تم نے اپنا لیڈر بنا رکھا ہے پیشوا سمجھ لیا ہے وہ ہندوؤں کے ہاتھ کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں جدھر وہ نچاتے ہیں یہ ناچتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ان کی کَلْ ہے۔ جدھر گھماتے ہیں یہ گھوم جاتے ہیں۔ اس لئے تو امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان نے مولانا آزاد کے تعلق سے لکھا ہے:

آزاد مگر نہ تو بے شک مشرک — دہ مسلم می دہی پئے یک مشرک

زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردی — برناخن مسلمے فدالک مشرک

(الطاری الداری امام احمد رضا، جلد ۳، ص:۹۵)

(ب) مولانا محمد علی جوہر خلافت کمیٹی

۱۔ مسٹر محمد علی کی تکذیبِ قرآن اس بات سے ثابت ہے کہ انھوں نے ممبئی کی ایک تقریر میں کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ایک ہی جے پکاریں اور یہ جے مہاتما گاندھی کی جے ہو وہی ہمارے سردار ہیں اور انھی کی عزت ہم پر فرض ہے۔ (اخبار خلافت نمبر ۲۴۲)

حضور شیر بیشہ اہل سنت اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اب قرآن عظیم کے ارشادات سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۔ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ۔ اللہ ورسول کے فتنے مخالف میں سب ہر ذلیل سے بدتر ذلیلوں میں ہیں۔

۲۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔

۳۔ أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ کفار تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔

اس طرح اور بھی کئی ایک آیات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو سب ذلیلوں سے بدتر ذلیل اور تمام مخلوقات سے بدتر بنایا خلافت کمیٹی کے مولانا نے عزت کا حصہ صرف اپنے مشرک امام گاندھی میں بھی کر دیا۔اور یہ کہا کہ انھی کی عزت ہم پر فرض ہے۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔(قہر القہار ص ۳۵)

۲۔مولانا محمد علی جوہر فرماتے ہیں:

بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے کوشش کی کہ ساری دنیا میں ایک ہی مذہب قائم ہو جائے ہزاروں کو تباہ کیا خود بھی تباہ ہوئے لیکن ان کے خواب کبھی پورے نہ ہوئے۔(ہمدم ۱۸/اکتوبر ۱۹۲۳ء)

’’مسلمان بنگاہ ایمان دیکھیں کہ اسلام واکابر اسلام اور تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسا ناپاک نجس حملہ ہے۔اس لئے کہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا قطعاً یقیناً یہی مقصد ہے کہ تمام عالم میں صرف ایک دین اسلام قائم ہو اور جتنے بھی جھوٹے مذاہب ہیں سب نیست ونابود ہو جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ" اللہ کے یہاں صرف ایک ہی دین اسلام مقبول ہے اور اللہ فرماتا ہے:" وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ" اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔(قہر القہار ص ۳۸)

۳۔مولانا محمد علی نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا:

’’مہاتما جی کہا کرتے تھے کہ ہم ہندوستان میں متحدہ مذہب قائم کرنا چاہتے ہیں دنیا کے لئے ہم ایک نمونہ پیش کریں گے۔ہندوستان کے متحدہ مذہب کو دیکھ کر ساری دنیا والے اس پر عمل کریں گے خدا کی طرف سے ہمیں ایک رہبر کامل عطا کیا گیا ہے جس کا نام مہاتما گاندھی ہے۔‘‘

میں تو کسی مذہب میں ایسا آدمی نہیں دیکھتا جس کو میں اپنا سردار مانوں اگر کوئی ہستی

ایسی ہے تو وہ ہستی مہاتما جی کی ہے۔

ہندوستان کو فخر کرنا چاہیے کہ خدا نے آج اس کو اتنا بڑا لیڈر اور رہنما دیا ہے جو صدیوں سے دنیا کے کسی ملک کو نہیں ملا۔ (ہمدم ۱۸/اکتوبر ۱۹۲۳)

حضور شیر بیشہ اہل سنت فرماتے ہیں:

مسلمان دیکھیں کیسی کھیل تفریح ہے کہ کسی مذہب میں ایسا آدمی نہیں جو سرداری کے لائق ہو ایسا ہے تو صرف ایک مشرک ہے یہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سخت گالی ہے، پھر اس میں ایک مشرک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ٹھہرایا کہ وہ سردار ہیں اور کوئی نہیں پھر اس میں قرآن عظیم کی اس آیت کی بھی تکذیب ہے کہ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ"۔ (قہر القہار ص ۳۸)

۴۔ مولانا محمد علی جوہر نے بریلی کی ایک تقریر میں یہ بھی فرمایا:

"اے ہندو بھائیوں تم دعا کرو اگر ہندوؤں کا مذہب سچا ہے تو ایشور پرماتما مجھے ہندو مارے اور اے مسلمانوں اگر تمہارا مذہب سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے مسلمان مارے۔

(اخبار مشرق گورکھپور، ۲/ستمبر ۱۹۲۳ء)

حضور شیر بیشہ اہل سنت فرماتے ہیں:

ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق بغیر یقین کے نہیں ہوسکتی اور شک کے ساتھ تصدیق جمع نہیں ہوسکتی محمد علی صاب کو جب اسلام کی حقانیت میں شک ہے تو کیوں کر مومن ہیں۔ (قہر القہار، ص ۳۹)

۵۔ مولانا محمد علی جوہر نے امرت سر کے ایک جلسہ میں کہا کہ

"میں مہاتما گاندھی کی جے اور اللہ اکبر کو مترادف سمجھتا ہوں۔"

(اخبار نصرت لاہور ۲۶/اکتوبر ۱۹۲۳ء)

شیر بیشۂ اہل سنت فرماتے ہیں:

"ہر اردو خواں بچہ بھی جانتا ہے کہ مترادف ان دو لفظوں کو کہتے ہیں جن دونوں کے

ایک ہی معنی ہوں جیسے آفتاب اور خورشید کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔آفتاب کہو یا خورشید بات ایک ہی ہے۔آفتاب کے معنی بھی سورج ہیں اور خورشید کے معنی بھی سورج ہی ہیں۔اس طرح یہ گاندھی کے غلام فرماتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کی جے اور اللہ اکبر دونوں کے ایک ہی معنی ہیں گاندھی کہو یا خدا بات ایک ہی ہے گاندھی کے معنی بھی خدا اور اللہ کے معنی بھی خدا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ایسے کو بھی جو شخص کافر نہ جانے یا اس کے کفر میں شک ہی رکھے وہ خود کافر ہوگا۔

(قہر القہار،ص ۴۰)

(ج) مولانا شوکت علی خلافت کمیٹی

خلافت کمیٹی کے بڑے مولانا شوکت علی نے دہلی جامع مسجد کی ایک تقریر میں مشرکین کی رضا کو رضائے الٰہی ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔

۱۔''صرف زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرلو گے تو خدا کو راضی کرلو گے۔(اخبار مدینہ بجنور،۲۱،جنوری ۱۹۲۰ء)

حضور شیر بیشہ اہل سنت فرماتے ہیں:

اب قرآن عظیم کا حکم سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ،اللہ بے حکم لوگوں سے راضی نہیں۔

۲۔اِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکَافِرِیْنَ۔بیشک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

۳۔وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔اللہ ورسول ہی اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ انھیں راضی کریں اگر یہ لوگ مسلمان ہیں۔

اس طرح قرآن کریم میں کئی ایک آیات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اللہ عزوجل ہرگز کفار ومشرکین سے راضی نہیں اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہو تو اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرو۔مولانا شوکت علی نے قرآن کی ان آیات کی تکذیب کی اور اس منشائے الٰہی کے برخلاف یہ فرمایا کہ ان مشرکین کے راضی کرنے سے خدا راضی ہوگا۔

۲۔مولانا شوکت علی نے یہ بھی فرمایا ہے: